# مجموعہ رسائل عبدالحیٔ ج ۳

## از: حضرۃ العلام مولانا عبدالحیٔ صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ

اس مجموعہ میں حضرۃ العلام مولانا عبدالحیٔ صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ کے علمی اور مفید: ۴؍رسائل کو جدید ترتیب اور عنوانات اور حواشی سے مزین کرکے مرتب کیا گیا ہے۔

ترتیب، حواشی، عنوانات

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

# اجمالی فہرست رسائل


| | | |
|---|---|---|
| ۱ | المدافع الالهية فى الرد على البابية | ۱۵ |
| ۲ | الشِّهاب الثّاقِب على من قال باتِّحاد المذاهب........................ | ۱۰۹ |
| ۳ | نضرة النعيم فى علم غيب النبى الكريم | ۱۷۱ |
| ۴ | كلمة الفصل.............................. | ۲۸۷ |

## فہرست رسالہ ”المدافع الالهية فی الرد علی البابية“


| | |
|---|---|
| پیش لفظ اور تعارف رسالہ........................................ | ۱۶ |
| مقدمہ........................................ | ۲۰ |
| بہائی عقائد........................................ | ۲۰ |
| بابی و بہائی فرقہ کے متعلق اکابر دیوبند کے چند فتاوی........................................ | ۲۲ |
| فتوی از: حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ........................................ | ۲۲ |
| قادیانی و بابی و بہائی کو مسلمان کے قبرستان میں دفن ہونے سے روکنا........................................ | ۲۳ |
| حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کا فتوی........................................ | ۲۳ |
| حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کا فتوی........................................ | ۲۴ |
| حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ کا فتوی........................................ | ۲۴ |
| ”فتاوی حقانیہ“ کا فتوی........................................ | ۲۴ |
| بہائیت........................................ | ۲۶ |
| مرتد کے احکام........................................ | ۲۷ |
| ارتداد کی سزا دارالاسلام میں ہوگی........................................ | ۳۰ |
| جرم کے روکنے کے تین محرکات ہیں........................................ | ۳۱ |
| ارتداد کی سزا سخت کیوں؟........................................ | ۳۳ |
| تعزیرات کا ثبوت قرآن وسنت سے........................................ | ۳۵ |
| المدافع الالهية فی الرد علی البابية........................................ | ۴۲ |
| جاہ پسندوں کا آزاد مذہب کی تاسیس کرنا........................................ | ۴۳ |

| | |
|---|---|
| بابی مذہب کا بانی علی محمد، اس کا خیال تھا کہ اسلام کا دور بارہ سو ساٹھ سال...... | ۴۴ |
| اسلام پر بے رحمانہ حملے، مگر اس کی غیر محدود قوت پر کمال حیرت.............. | ۴۴ |
| اسلام کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالی کا ہے.................... | ۴۵ |
| دن رات میں عبادت مختصر اور ان کے اوقات بھی عامۃً غیر مشغولی کے....... | ۴۷ |
| ناعاقبت اندیشوں کا مہدویت وعیسویت کا دعوی.................. | ۴۹ |
| باب کے کچھ حالات، کچھ دعوے مثلاً: میں مہدی ہوں، میری تقریر کرامت ہے، میرے مریدین سے احکام شرعیہ معاف ہیں.................. | ۵۰ |
| بہاء اللہ اور اس کا مذہب.................. | ۵۵ |
| بہاء اللہ کا دعوی کہ میں خدا ہوں.................. | ۵۶ |
| نماز، حج، نکاح کے بابت ''کتاب اقدس'' کی عبارات.................. | ۵۶ |
| بہائیوں کے یہاں روزہ کے انیس دن اور زکوۃ میں انیس مثقال بہاء اللہ کے لئے ہیں، زنا کی سزا نو مثقال بیت المال میں داخل کرنا وغیرہ.................. | ۵۸ |
| بہاء اللہ ان تمام سزاؤں سے مستثنی ہے.................. | ۵۹ |
| بہائیوں سے ایک سوال.................. | ۵۹ |
| سچے کو جھوٹے سے امتیاز کرنے لئے قرآن مقدس بے نظیر کسوٹی ہے.......... | ۶۲ |
| بہائیوں کے رسائل.................. | ۶۳ |
| ایک ہزار سال کے بعد شریعت اسلام منسوخ ہوگئی، اس دعوی کا جواب....... | ۶۴ |
| قرآن کریم میں امر کے معنی.................. | ۶۵ |
| یوم آخرت ایک ہزار سال کا یا پچاس ہزار سال کا، اور اس میں تطبیق.......... | ۶۸ |

| | |
|---|---|
| کیا اسلام موجودہ زمانہ کے ساتھ نہیں چل سکتا؟........................ | ۷۱ |
| لطیفہ: آپ ﷺ نے ''لانبی بعدی'' فرمایا ''لا نبیة بعدی'' نہیں فرمایا... | ۷۵ |
| حدیث: ''عمر الدنیا سبعة ایام'' بچند وجوہ ناقابل استدلال ہے.......... | ۷۵ |
| حضرت مہدی رضی اللہ عنہ.................................... | ۷۷ |
| امام مہدی رضی اللہ عنہ اور باب میں کوئی مشابہت نہ تھی........... | ۷۹ |
| باب کی کتاب ''البیان'' اور اس کی واہیات: میرے مرید پر کوئی مواخذہ نہیں، بہن سے خواہش پوری کرنا زنا نہیں، شراب حرام نہیں، ایک عورت نو مردوں سے نکاح کرسکتی ہے وغیرہ.................... | ۸۰ |
| باب کا دعوائے نبوت اور طلبِ معجزہ پر عجز........................ | ۸۱ |
| معجزہ یا سازش.................................................. | ۸۱ |
| مدعی نبوت پر ایک وار ناکام مگر بسم اللہ کا وار کامیاب.............. | ۸۲ |
| اسود عنسی کا قتل اور شیطان کی مکر ناکام.......................... | ۸۳ |
| اہل تشیع میں سے اثناعشریہ کا مہدی کی بابت عقیدہ................. | ۸۳ |
| کیا آپ ﷺ کی حکومت بارہ سو ساٹھ سال تک رہے گی؟................ | ۸۵ |
| بہاء اللہ کا دعوی اور جماعت میں تفریق.............................. | ۸۹ |
| حضرت عیسی علیہ السلام کے حالات.................................. | ۹۰ |
| بہاء اللہ کیسے مسیح موعود ہوسکتا ہے؟.............................. | ۹۳ |
| مرزا محمود کی لیاقت پر افسوس..................................... | ۹۳ |

| | |
|---|---|
| لطیفہ: ایک شخص کا ''لا'' نام رکھنا اور ''لانبی بعدی'' سے اپنی نبوت پر دلیل پکڑنا............................................ | ۹۵ |
| بہاءاللہ کے دعوائے مسیحیت کی ایک دلیل اور سات وجوہات سے اسکارد..... | ۹۶ |
| یہ پیشین گوئی کہ ''بہاءاللہ سے ریاست کا عصا جدا نہ ہوگا'' غلط نکلی............ | ۹۹ |
| بخت نصر کا عجیب خواب اور حضرت دانیال علیہ السلام کی تعبیر، اور اس سے بہاء اللہ کی سلطنت پر بے تکا استدلال اور اس کا جواب................. | ۱۰۱ |
| ایک اور پیشینگوئی کہ اٹھارہ سو سال کے بعد مقدس پاک ہو جائے گا........... | ۱۰۳ |
| چار ظہور کی پیشین گوئی اور ان میں چوتھے سے بہاءاللہ کے ہونے کا دعوی..... | ۱۰۴ |
| بائبل کی دو پیشینگوئیاں: ایک عیسی علیہ السلام اور دوسری بہاءاللہ کے لئے....... | ۱۰۵ |
| ایک بات کو خوش فہمی میں بہاءاللہ کی خیالی سلطنت کے ساتھ منطبق کرنا........ | ۱۰۶ |
| عیسی علیہ السلام کی آمد کی پیشینگوئی کو بہاءاللہ پر منطبق کرنا..................... | ۱۰۶ |
| اللہ کی روح نے انسان یعنی بہاءاللہ کے ہیکل میں ظہور فرمایا..................... | ۱۰۸ |

## فہرست رسالہ ’’الشِّهاب الثّاقِب على من قال باتِّحاد المذاهب‘‘


| | |
|---|---|
| عرض مرتب وتعارف رسالہ................................ | ۱۱۰ |
| ’’الشهاب الثاقب‘‘ رسالہ کے نام کی تحقیق................................ | ۱۱۲ |
| دیباچہ: اخیر زمانے میں جھوٹے دجال پیدا ہوں گے................................ | ۱۱۳ |
| ایک گمراہ شخص کے عقائد وواہیات................................ | ۱۱۳ |
| اس گمراہ کی علمی لیاقت اور مصنف تفسیر حقانی کا مختصر ومؤلف کا تفصیلی رد....... | ۱۱۴ |
| تمہید، قرآن کریم کا ایک عجیب اور نا قابل انکار معجزہ................................ | ۱۱۶ |
| انجینئر محمد حسین حال ساکن رنگون کا خانہ ساز اسلام مسمیٰ ’’اتحاد مذاہب عالم‘‘ اور قرآن سے اس کی تردید................................ | ۱۱۸ |
| مسلمان وہ ہے کہ تمام بنی نوع انسان کو اپنا مذہبی بھائی سمجھے................................ | ۱۱۸ |
| شریعت اور دین دونوں علیحدہ ہیں................................ | ۱۱۹ |
| انبیاء کے دین کی بنیاد توحید ہے، اور دیگر اہل مذاہب کی توحید کا حال........ | ۱۲۲ |
| رسولوں اور فرشتوں پر ایمان لانا بھی دین انبیاء کا رکن سمجھا جاتا ہے......... | ۱۲۴ |
| شریعت کا بیان................................ | ۱۲۶ |
| مؤلف کا احادیث نبویہ کی اہانت کرنا اور قرآن سے اس کی تردید................ | ۱۳۱ |
| حدیث کا زنگ، اور حدیث ناپاک‘ مصنوعی لچر................................ | ۱۳۱ |
| صدیق اکبر کا احادیث کو جلا دینا اور عمر فاروق کا روایت پر سختی کرنا................ | ۱۳۱ |
| راوی میں جھوٹ کا احتمال ہے اس لئے احادیث پر اعتماد نہیں ہوسکتا.......... | ۱۳۹ |
| نئی روشنی کے گرویدوں کا تاریخ پر وحی سے زیادہ اعتماد اور اس کی وجہ........ | ۱۴۱ |

| | |
| --- | --- |
| حدیثوں کی طرح کلمۂ توحید بھی مؤلف کی زبان درازیوں سے نہ بچ سکا...... | ۱۴۲ |
| کلمہ کی طرح نماز بھی مؤلف کے دست برد سے نہ بچ سکی........................ | ۱۴۵ |
| مؤلف کے دست برد سے نماز کی طرح زکوۃ بھی محفوظ نہ رہ سکی................ | ۱۵۲ |
| روزہ بھی مؤلف کی بیجا سازشوں سے بچ نہ سکا........................ | ۱۵۴ |
| قرآن پر اعراب وغیرہ بعد میں لگانے کا الزام........................ | ۱۵۵ |
| مسئلہ: کفارہ صوم........................ | ۱۶۳ |
| حج جو شریعت کا ایک رکن اعظم ہے وہ بھی مؤلف کی نکتہ چینیوں سے نہ بچ سکا. | ۱۶۳ |
| ارکان اسلام پر خونخوار حملہ کے بعد سود کی حلت........................ | ۱۶۵ |

## فہرست کتاب ''نضرة النعیم فی علم غیب النبی الکریم''


| | |
|---|---|
| عرض مرغوب وتعارف کتاب............ | ۱۷۲ |
| مقدمہ: علم غیب کے متعلق چند مفید باتیں............ | ۱۷۶ |
| مولانا احمد رضا خان صاحب کا علم غیب کے بارے میں نظریہ............ | ۱۸۱ |
| پیش لفظ............ | ۱۸۶ |
| ''نضرة النعیم فی علم غیب النبی الکریم''............ | ۱۸۸ |
| مقدمہ......غرض تصنیف............ | ۱۸۹ |
| پہلی فصل............ | ۱۹۲ |
| محققین اہل سنت کسوٹی ہے حق وباطل کے پہچان کی............ | ۱۹۲ |
| علمِ اللہ تعالیٰ کی صفت ازلی ہے............ | ۱۹۳ |
| دو آیتوں میں تعارض............ | ۱۹۴ |
| حصر کی تین وجوہات............ | ۱۹۴ |
| الہام واعتبار واستبصار کی تعریف............ | ۱۹۵ |
| الہام ونفث فی الروح اور وحی............ | ۱۹۶ |
| مؤمن کی فراست سے ڈرو۔فراست کس کو کہتے ہیں............ | ۱۹۹ |
| حارث بن مالک رضی اللہ عنہ کا ایمان............ | ۲۰۰ |
| میری امت کے صاحب الہام عمر (رضی اللہ عنہ) ہیں اور آپ کی فراست...... | ۲۰۱ |
| علم غیب کلی کا قائل ہدایت سے الگ ہے............ | ۲۰۲ |
| انبیاء اور اولیاء کو اللہ تعالیٰ کے معلوم کرانے ہی سے علم حاصل ہوتا ہے........ | ۲۰۳ |

| | |
|---|---|
| مبادی غیب اللہ کے لئے خاص ہیں، لواحق پر انبیاء واولیاء مطلع ہو سکتے ہیں... | ۲۰۶ |
| غیب کو بذات خود جاننے کا دعوی کرنا نص قرآن سے مخالف ہے، پس اس دعوی کی تکفیر کی جائے گی.......... | ۲۰۷ |
| صحابہ کے خسوف کی پیشنگوئی پر بعض کا انکار اور صحابہ کا جواب.......... | ۲۰۸ |
| بارش کی اطلاع دینا کفر نہیں.......... | ۲۰۹ |
| یہ اعتقاد کہ نبی ﷺ کو تمام غیب کا بالاستقلال علم تھا کفر ہے.......... | ۲۰۹ |
| آپ ﷺ کا حضرت معاذ کو اپنی وفات کی اطلاع دینا.......... | ۲۱۱ |
| آپ ﷺ نے بدر کے مقتولین کی خبر دی جو ہو بعینہ صادق آئی.......... | ۲۱۲ |
| آپ ﷺ کا زید، جعفر، ابن رواحہ (رضی اللہ عنہم) موت کی خبر دینا.......... | ۲۱۳ |
| آپ ﷺ کا ایک آدمی کے لئے خبر دینا کہ اس کو زمین قبول نہ کرے گی..... | ۲۱۳ |
| آپ ﷺ کا ایک شخص کے لئے جہنمی ہونے کی خبر دینا.......... | ۲۱۴ |
| آپ ﷺ کا مصر کے فتح ہونے کی خبر دینا.......... | ۲۱۵ |
| حضرت عمر کا ہزاروں میل دور سے جنگ کے احوال کو معلوم کر لینا.......... | ۲۱۵ |
| حضرت عبداللہ کا اپنی شہادت کی خبر دینا.......... | ۲۱۶ |
| شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا کسی کی امانت کی خبر دینا.......... | ۲۱۷ |
| حضرت جنید رحمہ اللہ کے وعظ میں ایک نصرانی کا قبول اسلام.......... | ۲۱۷ |
| انبیاء واولیاء غیب کی کئی خبروں پر باظہار خداوندی مطلع تھے.......... | ۲۱۸ |
| رفاعہ بن زید کے گھر چوری اور آیت کا نزول.......... | ۲۱۹ |
| ایک یہودی کو سزا دینے کے ارادے پر نزول آیت.......... | ۲۲۲ |

| | |
|---|---|
| زید بن ارقم کی تصدیق میں آیت کا نزول ........................ | ۲۲۳ |
| کفار کے سوال پر سورۂ کہف کا نزول ........................ | ۲۲۴ |
| ان آیات سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو جمیع مغیبات کا علم نہیں تھا ............ | ۲۲۶ |
| مفاتح الغیب پانچ ہیں اور پانچ کی تخصیص کی وجہ ........................ | ۲۲۸ |
| اگر میں غیب کو جانتا تو خیر کو طلب کرتا اور مجھ کو کوئی برائی مس نہ کرتی ............ | ۲۳۰ |
| میری قدرت قاصر اور علم قلیل ہے ........................ | ۲۳۱ |
| وفینا نبی یعلم ما فی غد' پر آپ ﷺ کا انکار فرمانا ........................ | ۲۳۲ |
| تابیر نخلہ والی روایت سے عدم علم غیب پر استدلال ........................ | ۲۳۴ |
| ایک سوال پر آپ کا فرمانا کہ: میں نہیں جانتا ........................ | ۲۳۵ |
| حدیث: ''میرے لئے کل چیزیں منکشف ہوگئیں'' اور'' میں نے آسمان و زمین کی ہر چیز کو معلوم کیا'' سے اشکال ........................ | ۲۳۷ |
| **دوسری فصل** | ۲۵۱ |
| انبیاء علیہم السلام وفات کے بعد بھی زندہ ہیں ........................ | ۲۵۱ |
| موسیٰ علیہ السلام سے آسمان پر ملے، پھر بیت المقدس میں کیسے تھے؟ ............ | ۲۵۳ |
| قضب البان نامی ولی نماز نہیں پڑھتے ........................ | ۲۵۴ |
| وادی ارزق پر آپ کا گذر اور موسیٰ علیہ السلام کی زیارت ........................ | ۲۵۶ |
| انبیاء کس طور سے حج اور تلبیہ کرتے ہیں؟ حالانکہ وہ موتی ہیں ........................ | ۲۵۷ |
| جو شخص کہ مجھ کو خواب میں دیکھے گا، پس وہ مجھ کو بیداری میں دیکھے گا ............ | ۲۵۸ |
| عمران بن حصین کو فرشتوں کا سلام کرنا، پھر داغ دینے پر سلام کو بند کرنا ............ | ۲۶۰ |

| | |
|---|---|
| بیداری میں انبیاء کی زیارت اور چند واقعات واکابر کے ارشادات............ | ۲۶۰ |
| امام سیوطی رحمہ اللہ کا بیداری میں ستر مرتبہ آپ کی زیارت کرنا................. | ۲۶۲ |
| بیداری میں زیارت کے لئے دولاکھ مقامات کا حصول ضروری ہے............ | ۲۶۴ |
| شیخ عبدالقادر جیلانی کے منہ میں آپ ﷺ کا لعاب دہن عطا فرمانا......... | ۲۶۵ |
| کیا رویئت بطریق عادت معروفہ ہے یا ذات اقدس کی ہے یا مثال کی؟...... | ۲۶۷ |
| آپ ﷺ ہر آن وہر مکان میں ہر وقت حاضر ہیں' یہ قول تفریط ہے........ | ۲۷۱ |
| حضور ﷺ کو حاضر ماننے والوں کے دلائل، اور ان کے جوابات.............. | ۲۷۱ |
| کیا منکر اور نکیر ایک ہیں یا کئی ہیں؟......................................... | ۲۷۴ |
| ملک الموت ایک ہے یا کئی؟.................................................. | ۲۷۶ |
| ''ھذا الرجل'' سے کون سا رجل مراد ہے؟.......................................... | ۲۷۷ |
| حضرۃ العلام مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ کی ایک نظم.......................... | ۲۸۱ |
| مع انه ليس يقال انه يعلم كله كما يفاه.................................. | ۲۸۱ |

## فہرست رسالہ ''کلمة الفصل''


| | |
|---|---|
| عرض مرتِّب وتعارف مرتَّب ........................ | ۲۸۸ |
| عرض مؤلِّف وتالیف مؤلَّف ........................ | ۲۹۱ |
| کیا اختلافی مسائل میں ایک فریق نے دوسرے کے موقف کو قبول کیا؟........ | ۲۹۱ |
| کیا کوئی قابل فخر تصنیف وجود میں آئی........................ | ۲۹۲ |
| التقلید: تحمل اور تفقہ کی تعریف، تفقہ کے لئے تحمل ضروری ہے........ | ۲۹۳ |
| تفقہ کے لئے قرآن وحدیث کس قدر محفوظ ہونے چاہئیں........ | ۲۹۳ |
| تفقہ کے بعد احکام مستنبطہ کو شائع کرنا فرض کفایہ ہے........ | ۲۹۴ |
| اولوا الامر' اهل الذکر' مجتهد' کون لوگ ہیں؟........ | ۲۹۴ |
| تقلید کا ثبوت قرآن وحدیث سے........................ | ۲۹۵ |
| تقلید کس کی ہو اور مجتہد کے شرائط........................ | ۲۹۶ |
| کون سی تقلید ناجائز ہے........................ | ۲۹۹ |
| آیت ﴿نتبع ما الفینا علیه اٰباء نا﴾ میں تقلید کی مذمت کیوں کی گئی؟........ | ۳۰۰ |
| مجتہدین کی تقلید نہ ہوگی تو غیر مجتہد کی تقلید کرنی پڑے گی........ | ۳۰۱ |
| زخم میں تیمّم کے بجائے غسل کروانے پر آپ ﷺ کی ناراضگی........ | ۳۰۲ |
| متعدد مجتہدین کی تقلید کے تباہ کن نتائج........................ | ۳۰۳ |
| ترک تقلید کے نقصانات پر غیر مقلد عالم کی گواہی........ | ۳۰۴ |
| مذاہب اربعہ کا ماخذ کیا ہے؟........................ | ۳۰۴ |
| حنفی مذہب کا ماٰخذ ابراہیم نخعیؒ اور ان کا ماٰخذ ابن مسعود اور علی ہیں........ | ۳۰۷ |

| | |
|---|---|
| آنحضرت سے علم حاصل کرنے کے دو طریقے تھے ............................ | ۳۰۸ |
| امام صاحب رحمہ اللہ کے مناقب ............................ | ۳۱۱ |
| امام صاحب نے حدیث کی اشاعت کی طرف توجہ کیوں نہیں دی؟ ............ | ۳۱۴ |
| امام صاحب کو صاحب رائے کیوں کہا گیا ............................ | ۳۱۵ |
| امام صاحب کی توثیق ............................ | ۳۱۷ |
| قرأۃ الفاتحۃ ............................ | ۳۲۰ |
| خبر واحد سے کتاب اللہ کی تنسیخ ناجائز ہے تو اہل قبا کعبہ کی طرف کیوں پھر گئے؟ | ۳۳۸ |
| رفع الیدین ............................ | ۳۴۴ |
| وضع الیدین ............................ | ۳۵۰ |
| التامین ............................ | ۳۵۴ |

# المَدَافِعُ الاِلٰهِیَّهُ

# فِی الرَدِّ عَلَی الْبابُیَهُ

اس رسالہ میں بابی اور بہائی مذہب کے عقائد، ان کے بانی کے مختصر حالات، ان کے فاسد خیالات وعقائد، اوران کے باطل دعوے اوران کے جوابات، وغیرہ امور بڑی تحقیق اور عمدگی سے جمع کئے گئے ہیں۔

حضرۃ العلام مولانا عبدالحیؒ صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ

ترتیب، حاشیہ، عنوانات اورمقدمہ

از: مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیۃ

# پیش لفظ اور تعارف رسالہ

## بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

حق وباطل کا معرکہ کوئی نیا نہیں ہے، اگر یہ کہا جائے کہ بہت پہلے بلکہ ابتدائے آفرینش سے ہی اس کی ابتدا ہوگئی تو شاید غلط نہ ہوگا۔ ہابیل وقابیل کے مابین جو معرکۂ حق وباطل ہوا، اس کو قرآن کریم واحادیث نبویہ نے نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ اس سے قیامت کے آنے والے انسانوں کو درس دیا۔

جتنا زمانہ قرن خیر سے دور ہوجاتا جائے گا اسی قدر شر کے غلبہ کا ہونا نص سے ثابت ہے۔ اور شر وفساد میں عقیدہ کا شر وبگاڑ اس قدر خطرناک ہے کہ وہ ایمان کا صفایا کردیتا ہے، دنیوی فساد سے ممکن ہے کہ انسان کی دنیا برباد ہو، مگر یقین واعتقاد سے ہمیشہ کی آخرت برباد ہوجاتی ہے۔

ہمارا ازلی دشمن شیطان نے خود مسلمانوں ہی میں گمراہی کا ایسا چال چلا دیا کہ دین کے نام سے فتنوں اور گروہ بندی کا وہ جال بچھایا کہ الامان والحفیظ۔ بعض عقائد نے تو ان کے ماننے والوں کو مسلمان تو باقی رکھا، مگر اہل سنت والجماعت سے خارج کردیا، اور بعضوں نے وہ نظریئے اپنا لئے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے رہے، مگر شریعت مطہرہ میں ان کے اسلام کی کوئی گنجائش نہیں۔ ایسے گمراہ کن عقائد کے حامل فرقوں کی بھی کمی نہیں۔ انہیں میں ایک فرقہ بابی وبہائی بھی ہے۔ ان کے عقائد بھی اسلام سے ذرہ برابر میل نہیں کھاتے، جیسا آپ مقدمہ میں پڑھ سکتے ہیں۔ حضرۃ العلام مولانا عبدالحئیؒ صاحب رحمہ اللہ کے زمانہ میں بھی اس گمراہ فرقے نے کچھ شہرت حاصل کی تو ان کی گمراہی سے امت کو بچانے کے لئے موصوف نے قلم اٹھایا اور قدرے تفصیل سے ان کے عقائد اور ان کا رد بیان فرما کر امت پر

احسان عظیم فرمایا۔

حضرت نے اس کتاب میں بیان فرمایا کہ آزادمنش افراد نے بلاغور وفکر کے کس طرح نئے مذہب کی بناڈالی۔ بابی فرقے نے کس طرح یہ باور کرایا کہ اسلام کا دور بارہ سو ساٹھ سال تک تھا، پھر منسوخ ہوگیا۔ اسلام کی کمالیت کا بہترین طریقے سے جائزہ لیا کہ اسلام کے سامنے جابر سلاطین کی گردنیں جھک جاتی تھیں، مگر اس دور میں اسی پر بے رحمانہ کیسے کیسے حملے ہو رہے ہیں، مگر اس کی ابدیت تا حال جوں کی توں باقی ہے، اس لئے کہ اس کی حفاظت کا اعلان خداوندی موجود ہے۔ ہاں ان نام لیوا مسلمانوں پر افسوس کے سوا کیا ہوسکتا ہے؟ پھر اسلام اور اس کے احکام پر ایک ایسا عاقلانہ تجزیہ فرمایا کہ دن رات میں عبادات کتنی مقدار اور کن اوقات میں رکھی گئیں، ہر خالی الذہن اسے پڑھ کر اس کی حقانیت کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر اس فرقہ نے کس طرح مہدویت اور عیسویت کا دعوی کیا، اور شروع میں خوش فہمی سے کچھ کامیابی کے آثار ظاہر ہوئے، بالآخر قید و بند کی سزا دنیا ہی میں ملی، ہاں وہ سزا کوئی سنت انبیاء و اولیاء میں نہ تھی، بلکہ خالص ارتداد وجہ تھی۔ پھر بانی فرقہ ’’باب‘‘ کے کچھ ذاتی حالات‘ اس کے بے بنیاد دعوے‘ اور کرامت کا اثبات وغیرہ کو بیان کیا، جس میں اپنے ماننے والوں سے احکام شریعت کا معاف ہونا بھی ہے۔ پھر بتلایا کہ درحقیقت باب کسی مذہب کا پابند نہیں تھا، اس کا مقصد اس مکر سے حکومت کا حصول تھا، اور اس نے اپنے مریدین کو عہدوں کے لالچ بھی دیئے تھے۔ پھر اس نے احکام الٰہی میں کیا تبدیلیاں کیں، مثلاً ’’سلام‘‘ کی جگہ ’’مرحبا‘‘ اذان میں میرا نام ہو‘ قرآن کے بدلے اپنی کتاب کی تلاوت‘ وغیرہ۔ اس کا دعوی یہ بھی تھا میں آپ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان میں رابطۂ اجتماع ہوں، اس لئے میرا نام علی محمد ہے اور اللہ تک رسائی میرے

بغیر ناممکن ہے اس لئے میں باب ہوں۔علماء نے اس پر دلیل کا مطالبہ کیا تو ایک عربی کلام جس میں اعراب تک درست نہیں تھے کو پیش کیا، جب اعراب کی پکڑ کی تو کہا مجھ سے اعرابی غلطیاں معاف ہیں۔ پھر اس کے شہر بدر کرنے اور اس کے تین مشہور داعیوں کا تذکرہ اور بعد میں بہائی کا اس کی جگہ لینا اور کس طرح فرقے میں مزید اختلاف ڈالنا وغیرہ حقائق کو ظاہر کیا۔ بہاء اللہ تو نے حد ہی کر دی خدائی کا دعوی تک کر بیٹھا۔اس کی کتاب اقدس بھی عجائب شر کا اچھا خاصہ نمونہ ہے۔ نماز و اہم عبادات کا جو حلیہ بگاڑا ہے اس کو نقل فرمایا۔ بہائی کے یہاں روزہ کے ایام انیس ہیں۔زکوۃ میں انیس مثقال اپنے لئے (اسلام نے زکوۃ کو حضور اقدس ﷺ اور اہل بیت کے لئے ناجائز قرار دیا) زنا کی سزا بیت المال میں نو مثقال سونا جمع کرانا،اور خود تمام سزاؤں سے مستثنی۔ان واہیات کو بیان کر کے حضرت نے بہائیوں سے ایک سوال کیا ہے کہ اس کے خدا ہونے کی کیا دلیل؟ اور ان کے احکام کی مصالح کا بطلان بیان کیا۔ آپ ﷺ کی پیشین گوئی اور قرآن کریم کس طرح باطل فرقوں کے عقائد کو ظاہر کرتا ہے،اس کو بھی لکھا۔ بہائیوں کے رسائل کی نشاندہی کر کے ان کی پکڑ کی ،اس ضمن میں قرآن کریم میں ''امر'' معنی کی وضاحت خوب فرمائی، پھر ان کا خیال ہے اسلام ایک ہزار سال کے لئے تھا،اس پر روشنی ڈالی کہ کیا اسلام موجودہ زمانہ کے ساتھ نہیں چل سکتا، درمیان میں عورت کا دعوی نبوت اور مطالبۂ دلیل پر حدیث میں ''نبی'' ہے ''نبیہ'' نہیں سے استدلال ،اور مسمی لا کا نبی ہونے کا ثبوت والے لطیفے کو بھی بیان کیا۔ ''عمر الدینا'' الخ، پر عمدہ بحث کی، پھر حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات بیان کر کے ثابت کیا کہ مہدی اور باب میں کوئی مشابہت نہیں، باب کی کتاب ''البیان'' کے کفریات کو بھی بیان کیا، مدعی نبوت پر اسلام کا وار کامیاب ہو گیا والا قصہ بھی قابل مطالعہ

ہے۔ان کے اس غلط عقیدے کا بھی خوب رد کیا کہ آپ ﷺ کی حکومت بارہ سو سال تک رہے گی۔ پھر حضرت عیسی علیہ السلام کے مختصر حالات تحریر فرمائے، اور بتلایا کہ بہاء اللہ کس طرح مسیح موعود ہوسکتا ہے؟ ان دونوں کے حالات میں کوئی جوڑ نہیں۔ پھر مرزا محمود کی قرآن فہمی پر تعجب کر کے اس کی غلط تفسیر کو واضح کیا۔ پھر بہاء اللہ کی ایک دعوائے مسیحیت کی دلیل اور اس کا سات وجوہات سے محقق رد فرمایا۔ پھر بتایا کہ بہاء اللہ کی یہ پیشین گوئی کہ ریاست کا عصا بہاء اللہ سے جدا نہ ہوگا بالکل جھوٹی نکلی۔ بخت نصر کا عجیب خواب اور حضرت دانیال علیہ السلام کی عجیب تعبیر سے بھی باب یا بہاء اللہ کا عدم تعلق ہونا ظاہر فرمایا۔اس کے بعد دو اور پیشین گوئیوں کا بھی باطل ہونا ثابت کیا۔ پھر آخر میں بائبل کی پیشین گوئی' اور بہاء اللہ کی خیالی سلطنت اور عیسی علیہ السلام کی آمد کی پیشین گوئی کو بہاء اللہ پر منطبق کرنے کے بطلان کو کھول کر بیان فرما کر ایک غلط عقیدہ کے بیان پر کہ اللہ کی روح نے بہاء اللہ کے ہیکل میں ظہور فرمایا' پر اپنی مفید کتاب کا اختتام فرمایا۔

الغرض یہ کتاب اپنے موضوع پر مکمل اور مفید ہے۔ میں بہائی عقیدہ کے حامل حضرات سے دردمندانہ درخواست کرتا ہوں کہ اس کتاب کو خالی الذہن ہو کر پڑھے، اور خدارا اپنی عاقبت کو دنیاوی لالچ اور ضد میں برباد نہ کریں۔ اللہ کرے حضرت رحمہ اللہ کی یہ تصنیف جس مقصد کے لئے لکھی گئی ہے اس میں مفید سے مفید تر ثابت ہو، اور اس کی برکت سے امت گمراہی سے بچے، اور جو کسی غلط فہمی یا حب جاہ اور مال کے سبب ان غلط عقائد کے ماننے اور اس کی اشاعت میں پھنس چکے ہوں' ان کی اصلاح کا ذریعہ بنے۔ اللہ تعالی اس اشاعت کو حضرت مؤلف رحمہ اللہ اور راقم الحروف اور جملہ طباعت میں معاونین کے لئے ذخیرۂ آخرت وذریعۂ نجات بنائے، آمین۔

مرغوب احمد لاجپوری

# مقدمہ

بسم الله الرحمن الرحيم

اس مقدمہ میں بہائی فرقہ کے چند عقائد اور ان عقائد پر یقین رکھنے والوں کا کیا حکم ہے ان کو بیان کیا گیا ہے۔ ان کے عقائد کے لئے راقم نے براہ راست ان کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا، بلکہ اپنے اکابر کے فتاوی میں ان کے متعلق جو سوالات و جوابات ہیں' ان میں جو عقائد نظر سے گذرے انہیں پر اعتماد کیا ہے۔ آخر میں مرتد کے ساتھ کس طرح کا سلوک رکھا جائے، اس کو بھی مختصر اواضح کیا گیا ہے۔ مرغوب احمد لاجپوری

## بہائی عقائد

(۱):...... بقول بہاء اللہ ایک ہی روح القدس ہے، جو بار بار پیغمبر بن کر ان کے جسد خاکی میں ظاہر ہوتا ہے۔

(۲):...... بہائی مذہب کا عقیدہ ہے کہ حضرت بہاء اللہ ہی خدا کے کامل اور اکمل مظہر ظہور اور خدا کی مقدس حقیقت کے مطلع انوار ہیں۔

(۳):......روز قیامت کے منکر ہیں۔

(۴):......دخول جنت کا انکار کرتے ہیں۔

(۵):......دخول جہنم کا انکار کرتے ہیں۔

(۶):......قرآن مجید کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں۔

(۷):......شریعت اسلامیہ کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں۔

(۸):...... اسلام کا دور بارہ سوساٹھ سال تک تھا، پھر منسوخ ہوگا۔

(۹):......قرآن پاک سے منحرف ہیں۔ان کی مذہبی کتاب بہاء اللہ کی تصنیف کردہ ''کتاب اقدس'' ہے۔

(۱۰):......کتاب اقدس کی تعلیمات کی رو سے تمام انبیاء ورسل اور آسمانی کتب منسوخ ہیں۔

(۱۱):......آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء نہیں ہیں (یعنی بہائی ختم نبوت اور ختم رسالت کے منکر ہیں)

(۱۲):......ان کے ہاں وحی نازل ہوتی ہے اور ہوتی رہے گی۔

(۱۳):......جہاد ناجائز اور حرام ہے۔

(۱۴):......جزیہ ناجائز اور حرام ہے۔

(۱۵):......میراث میں مرد وعورت کی مساوات کے قائل ہیں۔

(۱۶):......پردہ ناجائز ہے۔

(۱۷):......عدت سے انکار کرتے ہیں۔

(۱۸):......بینکاری سود جائز ہے۔

(۱۹):......کعبہ سے منحرف ہیں۔

(۲۰):......ان کا کعبہ اسرائیل ہے، جو بہاء اللہ کی آخری آرام گاہ۔

(۲۱):......روزہ کے ایام انیس ہیں۔

(۲۲):......زکوۃ میں انیس مثقال بہاء اللہ کے لئے ہیں۔(جبکہ اسلام نے زکوۃ کو حضور اقدس ﷺ اور اہل بیت کے لئے ناجائز قرار دیا)

(۲۳):......زنا کی سزا بیت المال میں نو مثقال سونا جمع کرنا ہے۔

(۲۴):......اور خود تمام سزاؤں سے مستثنیٰ۔

(۲۵):......ریاست کا عصا بہاء اللہ سے جدا نہ ہوگا۔

## بابی و بہائی فرقہ کے متعلق اکابر دیوبند کے چند فتاوی

### فتوی از: حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ

س:......ایک بہائی مرد کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہوا اور ایک مسلمان لڑکی سے اسلامی طریقہ پر شادی کی اور اسی دن پھر اس مرد نے لڑکی کو اپنے گھر لے جا کر بہائی طریقہ پر نکاح کیا اور دونوں بہائیوں کی جماعت میں دستخط کر کے شامل ہو گئے۔ پونے دو سال تک دونوں بحیثیت میاں بیوی رہے، اب آپس میں ناچاقی ہوگئی اور لڑکی اسلام میں داخل ہو کر مرد مذکور کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اسلامی طریقہ سے جو نکاح پڑھا گیا تھا اور اسی روز دوبارہ بہائی رسم کے موافق نکاح پڑھوانے اور دستخط کرنے سے باطل ہو گیا یا نہیں؟

(۲):......اسلامی طریقہ سے نکاح پڑھنے کے بعد مرد اپنی بہائی جماعت میں داخل ہو کر دستخط کرنے سے مرتد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

(۳):......صورت مسئولہ میں جو مہر کہ اسلامی طریقہ پر نکاح پڑھتے وقت ادا کیا تھا خاوند واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

(۴):......دولہا کے باپ نے جو کہ بہائی تھا بوقت نکاح کچھ زیور بطور ہبہ دولہا و دلہن کو دیا ہؤا سے دولہا یا دولہا کا باپ واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

(۵):......بہائی خاوند سے مسلمان ہو جانے کے بعد طلاق لینے کی ضرورت ہے یا بغیر طلاق کے نکاح فسخ ہو جائے گا؟

ج:......حامدا ومصليا ، الجواب وبا لله التوفيق : بابی وبہائی فرقے اسلام سے خارج ہیں ،کیونکہ وہ قرآن مجید اور شریعت اسلامیہ کے منسوخ ہوجانے کے قائل ہیں اور آنحضرت ﷺ کو خاتم الانبیاء نہیں مانتے۔

جس بابی یا بہائی نے مسلمان ہوکر مسلمان عورت سے اسلامی طریقہ پر نکاح کیا تو اس کا نکاح جائز اور صحیح ہوگیا ،لیکن جب زوجین نے بابی یا بہائی مذہب اختیار کرلیا اور ان کی جماعت میں (خود دستخط کرکے ) شامل ہوگئے تو ان کا نکاح کالعدم ہوگیا۔

پھر جب عورت مسلمان ہوگئی اور خاوند نے اسلام قبول نہیں کیا تو عورت عدت گذارنے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کرسکے گی۔زوج نے جو مہر ادا کیا تھا یا جو رقم زوج نے یا زوج کے باپ نے عورت کو دی تھی وہ واپس نہیں ہوسکتی۔عورت اس کی مالک ہے۔اس کو دلوائی جائے گی اور صورت مسئولہ میں عورت کو طلاق لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

فقط واللہ تعالی اعلم وعلمہ احکم و اتم

الجواب صحیح　　محمد کفایت اللہ دہلوی کان اللہ لہ

مرغوب احمد غفرلہ ولوالدیہ　　وارد حال رنگون

## قادیانی وبابی وبہائی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے سے روکنا

## حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کا فتوی

س:......کسی مسلمان کو قبرستان میں دفن ہونے سے روکنا جائز ہے یا نہیں؟ گو کہ اس کے اعمال خلاف شرع ہوں۔

ج:......حامدا ومصليا ، الجواب وبا لله التوفيق : کسی مسلمان کو بوجہ اس کے اعمال شریعت کے خلاف ہونے کے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے سے روکنا شرعا ناجائز

ہے،لیکن کسی مسلم کے عقائد کفریہ ہوں اور بوجہ عقائد کفریہ کے دائرۂ اسلام سے نکل چکا ہو جیسے قادیانی وبابی وبہائی فرقے کے لوگ، ایسوں کو مسلمانوں قبرستان میں دفن ہونے سے روکنا جائز ہے گو اپنے آپ کو کلمہ گو کہتے ہوں۔ واللہ تعالی اعلم وعلمہ احکم و اتم

(مرغوب الفتاوی ص ۳۹۰ ج ۱)

## حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کا فتوی

ان عقائد کے اختیار کرنے کے بعد زید ایمان سے خارج ہوگیا، اس کا نکاح فسخ ہوگیا، جب شوہر کے ساتھ وہ رہ چکی ہے تو پورا مہر لازم ہوگیا، اب اپنا مہر وصول کرسکتی ہے اور اس سے بالکل الگ رہے، کوئی تعلق زوجیت نہ رکھے، واللہ تعالی اعلم وعلمہ

(فتاوی محمودیہ ص ۴۷۰ ج ۴، مکتبہ محمودیہ، میرٹھ)

## حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ کا فتوی

بہائی مذہب کے جو عقائد سوال میں درج کئے گئے ہیں، ان کے الحاد و باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اس لئے کسی مسلمان کو ان کا مذہب اختیار کرنا جائز نہیں، کیونکہ بہائی مذہب اختیار کرنے کے بعد کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۱۸۵ ج ۱)

## ''فتاوی حقانیہ'' کا فتوی

فرقۂ بہائیہ چونکہ ضروریات دین کا منکر ہے، مثلا: روز قیامت، دخول جنت وجہنم سے انکار، اللہ تعالی کا کسی کے جسم میں حلول کرنے کا اعتقاد رکھنا، ختم نبوت سے انکار، میراث میں مرد وعورت کی مساوات، عدت سے انکار وغیرہ۔ یہ تمام عقائد ضروریات دین میں ہیں

اور پوری امت مسلمہ کا ان پر اجماع ہے، لہذا ان میں سے کسی ایک سے انکار کرنا یا کسی کے جسم میں اللہ تعالی کے حلول کا عقیدہ رکھنا موجب کفر اور ارتداد ہے۔اسلام میں داخل ہونے کے لئے ’’کل ما ثبت بالضرورة‘‘ کا یقین اور اقرار کرنا ضروری ہے، کسی ایک حقیقت کا انکار بھی موجب کفر بن سکتا ہے،اس لئے بہائی مذہب اختیار کرنے والا کافر، مرتد اور خارج عن الاسلام ہے۔

لما قال العلامة ملا علی قاری : " فالتحقیق ان الایمان هو تصدیق النبی صلی الله علیه وسلم بالقلب فی جمیع ما علم بالضرورة مجیئه به من عند الله اجمالا .....ثم المراد من المعلوم ضرورة کونه من الدین بحیث یعلم العامة من غیر افتقار الی النظر والاستدلال، کوحدة الصانع' ووجوب الصلوة' وحرمة الخمر' ونحوها، وانما قید بها لان منکرا الاجتهادات لا یکفر اجماعا، واما من یؤول النصوص الواردة فی حشر الاجساد وحدوث العالم و علم الباری بالجزئیات، فانه یکفر لما علم قطعا من الدین انها علی ظواهرها " الخ۔

(شرح الفقه الاکبر ص٨٦،الایمان هو الاقرار والتصدیق)

قال العلامة ابن عابدین : " المراد بالتکذیب عدم التصدیق الذی مرّ ای عدم الاذعان والقبول بما علم مجیئه به صلی الله علیه وسلم ضرورة ای علما ضروریا لا یتوقف علی نظر واستدلال، ولیس المراد التصریح بانه کاذب فی کذا، لان مجرد نسبة الکذب الیه صلی الله علیه وسلم کفر، وظاهر کلامه تخصیص الکفر بجحد الضروری فقط مع ان الشرط عندنا ثبوته علی وجه القطع وان لم یکن ضروریا"

(رد المحتار ص٢٢٣ج۴، باب احکام المرتد۔فتاوی حقانیہ ص۳۸۹ ج۱)

## بہائیت

قاہرہ سے عرب لیگ نے اسرائیل سے ہر شعبۂ زندگی میں بائیکاٹ کے اداروں ''مکاتب المقاطعة العربية لاسرائيل'' کی طرف سے اپنی ایک نہایت اہم اور قابل توجہ قرارداد نشر کی ہے۔ اس قرارداد میں کہا گیا ہے کہ: بہائی فرقہ کے بارے میں ایسے قطعی شواہد مل چکے ہیں کہ وہ در پردہ عالم عرب اور مسلمانوں کے خلاف اسرائیل اور صیہونیت کا آلہ کار ہے اور اسرائیل میں قائم کردہ اپنے مرکز کے ذریعے پورے عالم عرب میں سازشوں کا جال بچھا رہا ہے۔ یہ لوگ اسرائیل کی مالی مدد بھی کرتے ہیں۔ قرارداد میں بہائیت کو قطعی غیر اسلامی صیہونی فرقہ قرار دیتے ہوئے بلیک لسٹ میں شامل کر دیا گیا ہے اور عرب ممالک میں اس کی تمام سرگرمیوں پر پابندی لگانے کا کہا گیا ہے.......اس سے قبل پچھلے سال مکہ مکرمہ میں دنیا بھر کی اسلامی تنظیموں نے بھی اپنے اجلاس اپریل ۱۹۷۴ء میں بہائیت کے بارہ میں ایسی ہی واضح اور غیر مبہم قرارداد میں مسلمانوں سے مطالبہ کیا تھا کہ بہائی تنظیم کے تمام مراکز، لٹریچر اور سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے۔

عرب پریس بہائیت کے بارے میں اس قرارداد پر بحث کرتے ہوئے اس فرقہ کی بہت سی صیہونی اور اسلام دشمن سرگرمیوں سے پردہ اٹھا رہی ہے۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بہائی فرقہ ایک مذہب اور فرقہ ہے بھی نہیں، بلکہ دراصل وہ اس پردہ میں اسلام اور عالم اسلام کے خلاف صیہونی پروٹوکولات اور سامراجی و یہودی منصوبوں کی تکمیل ہی کی ایک اہم کڑی ہے، یہی منصوبے ہیں جو.....اس طرح کے کئی ایک فرقوں اور جماعتوں کے لبادہ میں ملت مسلمہ پر شب خوں کا کام کرتے ہیں۔ بہائیت کے آغاز، محرکات، عقائد و اعمال اور سرگرمیوں میں گئے بغیر بھی ایک سطحی نظر سے بھی اس کے

اصل عزائم اور مقاصد کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

بہائیت نے شیعیت سے جنم لیا اور اس کے بانی مرزا علی محمد باب شیرازی (۱۸۲۰ء) نے شیعی غلو محبت اور اعتقاد کی آڑ لے کر اس مذہب کو فروغ دیا اور عقائد و اعمال، اوہام و خرافات کا ایک ایسا معجون مرکب تیار کر کے پیش کیا جسے اسلام سے تو کیا کسی بھی آسمانی مذہب کے دعویدار نظام ہدایت و ارشاد سے دور کا بھی تعلق نہ رہا، چونکہ اس کی تاسیس ہی درحقیقت مذہب کی آڑ میں مسلمانوں کی عداوت پر رکھی گئی تھی۔ (فتاوی حقانیہ ص ۵۲۰ ج ۱)

## مرتد کے احکام

''ارتداد'' کے معنی پھر جانے اور واپس ہو جانے کے ہیں۔ فقہ کی اصطلاح میں اس سے مراد اسلام اور ہدایت کی نعمت خداوندی سے بہرہ ور ہونے کے بعد پھر کفر و الحاد کی طرف جانا ہے، اور جو بدنصیب اس کا مرتکب ہو اسے ''مرتد'' کہتے ہیں۔

ارتداد کے ثبوت کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ مرتد عاقل، بالغ اور ہوش وحواس کی حالت میں ہو، اپنی رضامندی سے کلمۂ کفر بولا، یا ان کا ارتکاب کیا ہو (یا کسی گمراہ و کفریہ عقائد کے فرقے میں داخل ہوا ہو)

(۱):......نابالغ، پاگل، بے ہوش آدمی پر مرتد کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

(۲):......اکراہ و دباؤ میں ارتداد کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

(۳):......مرتد کو تین دن تک قید میں رکھا جائے گا۔ مستحب ہے کہ اس درمیان اس پر اسلام پیش کیا جائے، اگر وہ تائب ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس مدت کے بعد اسے قتل کر دیا جائے۔

(۴):......عورت مرتد ہو جائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ قید کر دی جائے اور جب

تک توبہ نہ کرلے مار پیٹ کے ذریعہ سخت سرزنش کی جائے۔(ملخص از: ھندیہ ۲/۵۴، ۲۵۳)

(۵):......اسلام میں دارالاسلام میں رہتے ہوئے جولوگ مرتد ہوں، ان کی سزا قتل ہے۔

(۶):......مرتد کو سخت سے سخت سزا دینا ضروری ہے۔ اس کی کوئی انسانی حرمت نہیں، یہاں تک کہ اگر پیاس سے جاں بلب ہوکر تڑپ رہا ہوتب بھی اسے پانی نہ پلایا جائے۔

(فتاوی بینات ص۲۳۹ ج ۱)

(۷):......مرتدین کو یہ سزائیں بھی دی جاسکتی ہیں: قتل کرنا، شہر بدر کرنا، ان کے گھروں کو ویران کرنا، ان پر ہجوم کرنا وغیرہ۔ (فتاوی بینات ص ۲۴۰ ج ۱)

(۸):......مرتد ہوتے ہی اس کی ساری املاک اس کی ملک سے نکل جائیں گی، اور حالت اسلام میں کمایا ہوا مال اس کے مسلمان ورثہ میں تقسیم ہوجائے گا۔

(۹):......مرتد کا ذبیحہ حرام ہے۔

(۱۰):......مرتد کے ساتھ اکل وشرب ومجالست وغیرہ بھی ناجائز قلبی محبت بھی قطعاً ممنوع ہے۔ (فتاوی محمودیہ ص ۱۳۰ ج ۲، جامعہ فاروقیہ)

(۱۱):......مرتد کو مسجد میں آکر نماز سے روک دینا چاہئے، اگر اندیشہ فتنہ کا نہ ہو۔

(حوالہ بالا ص ۱۳۱)

(۱۲):......مرتد کی عیادت جائز نہیں، البتہ اگر یہ توقع ہو کہ وہ خوش اخلاقی اور تیمارداری سے متأثر ہوکر ارتداد سے تائب ہوجائے گا اور اسلام قبول کرلے گا، تو پھر تیمارداری تبلیغ کا حکم رکھتی ہے بشرطیکہ نیت یہی ہو۔ (حوالہ بالا)

(۱۳):......مرتد سے موالات (باہمی اتحاد، آپس کی دوستی) حرام ہے، الا یہ کہ نرمی سے اسلام کی توقع ہو تو حسن تدبیر سے اس کو تبلیغ کی جائے اور محاسن اسلام پر متوجہ کیا جائے۔ جو

اس سے موالات کرے وہ گنہگار رہے، اس کو اپنے اس فعل سے توبہ لازم ہے۔

(۱۴):......جو کافر مرتد اور باغی مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہوں، ان سے خرید و فروخت اور لین دین' جبکہ اس سے ان کو تقویت حاصل ہو' جائز نہیں، بلکہ ان کی اقتصادی ناکہ بندی کر کے ان کی جارحانہ قوت کو مفلوج کر دینا واجب ہے۔

(فتاوی بینات ص۲۳۹ ج۱)

(۱۵):......مرتد ہوتے ہی اس کا نکاح ختم ہو جائے گا۔

(۱۶):......حالت ارتداد میں اس کا نکاح کسی بھی عورت: مسلمان' کتابی' یا مشرک سے درست نہیں، اور اگر نکاح کیا بھی تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔

(۱۷):......شوہر کے مرتد ہونے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے، قضاء قاضی کی شرط نہیں۔ مدخولہ پر عدت واجب ہوتی ہے اور پورا مہر اس کو دلایا جاتا ہے، اور غیر مدخولہ پر عدت واجب نہیں، اور نصف مہر اس کو دلایا جاتا ہے۔

(۱۸):......مرتد توبہ کرنا چاہے تو دوبارہ ازسرنو کلمہ پڑھے، اور جملہ عقائد پر ایمان لائے۔ تجدید نکاح کرے، تجدید نکاح کے لئے دو گواہوں کے سامنے مہر جدید سے دوبارہ ایجاب و قبول کر لیا جائے۔ تجدید نکاح کے لئے عدت لازم نہیں۔

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

اگر (مرتد) سچے دل سے اپنے گناہ پر ندامت، اور ادیان باطلہ سے براءت ظاہر کرے، اور کلمۂ شہادت پڑھ کر صدق دل سے ایمان لے آئے، اور عمر بھر اس جرم عظیم پر گریہ وزاری کے ساتھ توبہ کرتا رہے تو امید ہے کہ اللہ اس کی توبہ قبول کرے، اور اس کے گناہ معاف کر دے۔ (فتاوی رحیمیہ ص۳۲۳ ج۶)

(۱۹):...... مرتدہ کا ارتداد کے بعد چاہے کتنا ہی زمانہ گذر جائے مفتی بہ قول کے مطابق نکاح فسخ نہیں ہوا، وہ بدستور شوہر سابق کے نکاح میں ہے۔ ہاں شوہر کا اس سے استمتاع منع ہے۔ جب وہ تجدید اسلام کر لے تو احتیاطا تجدید نکاح بھی کر لے، اس کے بعد استمتاع جائز ہوگا۔ اگر سابق شوہر اس کو نہ رکھنا چاہے، بلکہ آزاد کر دے تو اس کو دوسری جگہ نکاح کرنا درست ہوگا، اور جب تک سابق شوہر آزاد نہ کرے تو اگر دوسری جگہ نکاح بھی کر دیا تو درست نہیں بلکہ غیر معتبر اور کالعدم ہے۔

(۲۰):...... حالت اسلام میں جو کفارہ لازم ہے، ارتداد سے اس کے سقوط میں اختلاف ہے، محققین کے نزدیک ساقط نہیں ہوتا، پس تجدید اسلام کے بعد کفارہ کی ادائیگی لازم ہے،

(۲۱):...... ارتداد سے یمین کلما کی تعلیق امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک بشرطیکہ دار الحرب میں جا کر لاحق ہو جائے، باطل ہو جاتی ہے۔

(۲۲):...... مرتد کی نماز جنازہ نہیں ہے۔

(۲۳):...... اس کی نعش کو سنت کے موافق تجہیز و تکفین نہ کی جائے، اور اس میں شرکت نہ کی جائے۔

(۲۴):...... ارتداد سے حالت اسلام میں کئے گئے سارے اعمال باطل ہو جاتے ہیں۔

## ارتداد کی سزا دار الاسلام میں ہوگی

(۲۵):...... ارتداد کی سزا، قتل کا نفاذ اسی وقت ہوگا جب مسلم مملکت ہو، غیر مسلم ممالک میں اگر خدانخواستہ اس نوعیت کے واقعات پیش آ جائیں تو مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ ''شہادت حق'' کا حق ادا کرتے ہوئے ان کے شکوک وشبہات کا ازالہ کریں، اخلاقی اور دعوتی طریق پر ان کو اسلام سے قریب کریں۔ اور اگر کوئی بدبخت اس توفیق سے یکسر محروم ہو چکا ہو تو اس

سے اپنا مقاطعہ کردیں کہ ہمارے پاس اللہ کا رشتہ انسانی رشتوں سے زیادہ محکم اور مقدم ہے، لیکن دارالکفر میں ''ارتداد'' کی حد شرعی جاری نہ ہوگی۔ ''ولا نسترق الحرۃ المرتدۃ ما مادامت فی دار الاسلام ، الخ۔ (فتاوی عالمگیری ص ۲۵۴ ج ۲)

(۲۶): ......مرتد کو سزا دینا دراصل اسلامی حکومت کا فرض ہے، لیکن اگر حکومت اس میں کوتاہی کرے تو خود مسلمان بھی ایسے اقدامات کرسکتے ہیں جو ان کے دائرہ اختیار کے اندر ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ عوام کے اختیار میں مکمل مقاطعہ ہی ایک ایسا اقدام ہے جو مؤثر بھی ہے اور پرامن بھی۔ (فتاوی بینات ص ۲۴۰ ج ۱)

نوٹ: مرتد کے احکام حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب مدظلہم کی ''قاموس الفقہ'' ص: ۴۷ ج ۲۔ اور ''فتاوی محمودیہ'' ص: ۵۴۲ ج ۲ / سے ماخوذ ہیں۔

## جرم کے روکنے کے تین محرکات ہیں

جرم کے روکنے کے تین محرکات ہیں: اول طبعی شرافت، دوسرے قانون کا خوف، تیسرے آخرت میں جواب دہی کا یقین۔

اللہ تعالی نے انسان کی فطرت میں اصلا سلامتی اور صالحیت رکھی ہے، اسی کو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ انسان بہرحال اپنی سرشت میں درندہ نہیں ہوتا، ظلم و جور اور گناہ پر اس کا ضمیر اسے کوستا ہے۔

جرم کو روکنے کا دوسرا مؤثر ذریعہ قانون ہے۔ اس دنیا میں جب سے انسانوں کی بستی بسی ہے، وہ کسی نہ کسی قانون کا پابند رہا ہے، بہت سے لوگ جو بے ضمیری میں مبتلا ہیں، اور خدا کے خوف سے عاری ہیں، سوائے قانون کے کوئی چیز نہیں جو ان کے ہاتھ تھام سکے۔ اسلام نے بھی کچھ جرائم کے لئے سزائیں مقرر کی ہیں، جنہیں ''حدود'' کہتے ہیں۔ یہ جرائم

اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق مانے گئے ہیں، اس لئے عدالت یا خود صاحب معاملہ بھی مجرم کو معاف کرنے کا مجاز نہیں۔

اسلام کے نظام جرم وسزا میں دوسری اہم چیز ''قصاص و دیت'' ہے، یہ قتل اور جزوی جسمانی مضرت رسانی سے متعلق ہے، اس جرم کو بندوں کے حقوق سے متعلق قرار دیا گیا ہے، اس لئے صاحب معاملہ یا اس کے اولیاء جرم کو معاف کر سکتے ہیں، اور مال کی کسی مخصوص مقدار پر صلح بھی کر سکتے ہیں۔ان کے علاوہ جو جرائم ہیں ان کی بابت ملک کی عدالت اپنی صواب دید سے سزا کا فیصلہ کر سکتی ہے، اور ملک کی پارلیمنٹ کے لئے بھی ایسے جرائم کے بارے میں قانون سازی کی گنجائش ہے، ان جرائم سے متعلق سزا کو فقہ کی اصطلاح میں 'تعزیر' کہا جاتا ہے۔

گناہ سے باز رکھنے کا تیسرا سب سے اہم اور سب سے اثر انگیز محرک آخرت کی جواب دہی کا احساس ہے۔قانون دن کے اجالے میں تو انسان کے ہاتھ تھام سکتا ہے، لیکن رات کے اندھیروں اور انسان کے خلوت کدوں تک نہیں پہنچ سکتا، آخرت کی جواب دہی کا احساس ہی ایسی طاقت ہے جو انسان کو اپنی تنہائیوں میں جرم سے باز رکھتی ہے۔

(راہ عمل، از: حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب مدظلہم، ص ۱۹۸ ج ۲، طبع زمزم کراچی)

جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت غیر مترقبہ سے نوازا پھر اس نے اس نعمت کی ناقدری کر کے ارتداد کی ضلالت ونحوست کو اپنایا، معلوم ہوتا ہے وہ دوسری قسم میں شامل ہے، اس کا ضمیر بے حس اور اپنے خالق و پالن ہار کی محبت وخوف سے یکسر خالی ہو چکا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اس کی اصلاح قانون کے دائرے میں کی جائے، اس کے علاوہ بظاہر اس کی اصلاح کا کوئی ذریعہ نہیں، اسی لئے شریعت مطہرہ نے ارتداد کی سزا رکھی اور اس

کو مجبور کیا کہ یا تو توبہ کرے یا اللہ کے قانون کے تحت جو فیصلہ ہو اس پر جبرا و کرہا اپنے کو پیش کرے۔

## ارتداد کی سزا سخت کیوں؟

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے اپنی مایۂ ناز اور شہرۂ آفاق اور اسم با مسمی ولاجواب کتاب ''اشرف الجواب'' میں اس موضوع پر خوب کلام فرمایا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں:

سوال:...... مرتد کا درجہ کافر اصلی سے کیوں بڑھا ہوا ہے؟

جواب:...... ترک اسلام کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ اول ہی سے اسلام قبول نہ کرے، دوسرے یہ کہ بعد قبول کے ترک کردے، دونوں صورتوں میں یہی سزا ہے، بلکہ دوسری صورت پہلی سے اشد ہے، چنانچہ سلطنت میں باغی کی سزا ان لوگوں سے زیادہ ہوتی ہے' جو پہلے ہی سے اس سلطنت کی رعایا نہیں ہے، بلکہ کسی مخالف سلطنت کی رعایا ہیں، ایسے لوگوں پر اگر کبھی غلبہ ہو جائے تو ان کو غلام بنا لیتے ہیں یا احسان کر کے رہا کر دیتے ہیں یا عزت کے ساتھ نظر بند کر دیتے ہیں، مگر باغی کے لئے بجز قتل یا عبور دریائے شور کے کچھ سزا ہی نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رعایا بن کر باغی ہو جانے میں سلطنت کی زیادہ توہین ہے۔

ارتداد کا انجام:...... اسی طرح اسلام لا کر مرتد ہو جانے میں اسلام کی سخت توہین ہے، اور اس کی تعلیم کو دوسرے کی نظر میں حقیر کرنا ہے۔ دیکھئے! ایک تو وہ شخص ہے جس سے کبھی آپ کی دوستی نہیں ہوئی، بلکہ ہمیشہ سے مخالف ہے، اس کی مخالفت سے آپ کا اتنا ضرر نہیں ہوتا، اور اگر وہ کبھی آپ کی مذمت وہجو کرے تو لوگوں کی نظروں میں اس کی کچھ وقعت نہیں ہوتی، سب کہہ دیتے ہیں! میاں اس کو ہمیشہ سے اس کے ساتھ عداوت رہی ہے، دشمنی میں

ایسی باتیں کرتا ہے، اور ایک وہ شخص ہے جو سالہا سال سے آپ کا دوست رہا، پھر کسی وقت مخالف بن گیا، اس کی مخالفت سے بہت ضرر پہنچتا ہے، اور وہ کچھ برائیاں آپ کی کرتا ہے لوگ اس پر توجہ کرتے ہیں، اور یوں سمجھتے ہیں کہ یہ شخص جو کچھ کہہ رہا ہے اس کا منشاء محض عداوت نہیں ہے، اگر دشمن ہوتا تو سالہا سال تک دوست کیوں بنتا؟ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو دوستی کے بعد فلاں شخص کے اترے پترے معلوم ہو گئے ہیں اسی لئے مخالف ہو گیا، حالانکہ ضروری نہیں کہ جو شخص دوستی کے بعد دشمن بنا ہو وہ اترے پترے معلوم کرنے کے بعد دشمن بنا ہو، ممکن ہے کہ اس نے دوستی بھی اس نیت سے کی ہو کہ لوگ دوستی کے زمانے میں مجھے اس کا رازدار سمجھ لیں گے تو مخالفت کی حالت میں جو کچھ کہوں گا اس کو یہ سمجھ کر قبول کر لیں گے کہ یہ شخص رازدار رہ چکا ہے اس کو ضرور کچھ راز کی باتیں معلوم ہوئی ہیں اس لئے مخالف ہو گیا، چنانچہ بعض یہود نے اسلام کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنے کا ارادہ کیا تھا، ﴿وقال طائفة من اهل الكتاب امنوا بالذى انزل على الذين امنوا وجه النهار واكفروا اخره لعلهم يرجعون﴾ پس ہر چند کہ دوست کی مخالفت میں یہ احتمال بھی ہے، مگر عادتاً لوگ دوستوں کی مخالفت میں عموماً جلدی متاثر ہوتے ہیں (اور اس احتمال پر نظر نہیں کرتے) اس لئے عقلاً و شرعاً و قانوناً وہ شخص بہت بڑا مجرم شمار ہوتا ہے جو موافقت کے بعد مخالفت کرے، اس لئے شریعت میں مرتد کے لئے دنیوی سزا بھی سخت ہے اور عذاب آخرت بھی اشد ہے۔

(محاسن اسلام ص ۱۹۔ اشرف الجواب ص ۴۶ / حصہ اول)

اب آگے اس عنوان کے تحت راقم اپنے استاذ محترم مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی رحمہ اللہ کے ایک تفصیلی مضمون کا انتخاب نقل کرتا ہے۔ اللہ تعالی حضرت رحمہ اللہ کے درجات کو بلند فرمائے، آمین۔

ارتداد وہ جرم ہے کہ فقہ اسلامی کے مطابق وہ اخوت اسلامی اور اسلامی ہمدردی کا ہرگز مستحق نہیں۔ مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کے ساتھ سلام وکلام، نشست و برخاست اور لین دین وغیرہ تمام تعلقات ختم کردیں۔ کوئی ایسا تعلق یا رابطہ اس سے قائم کرنا جس سے اس کی عزت واحترام کا پہلو نکلتا ہو یا اس کو قوت و آسائش حاصل ہوتی ہو جائز نہیں۔ رواداری کی ان کافروں کے ساتھ اجازت دی گئی ہے جو موذی نہ ہوں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو اسلامی حکومت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ان فتنہ پرداز مرتدین پر شرعی تعزیر نافذ کرکے اس فتنہ کا قلع قمع کرے، اور اسلام اور ملت اسلامیہ کو اس فتنہ کی یورش سے بچائے۔ لیکن اگر مسلمان حکومت اس قسم کے لوگوں کو سزا دینے میں کوتاہی کرے یا اس سے توقع نہ ہو تو خود مسلمانوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ بحیثیت جماعت اس قسم کی سزا کا فیصلہ کریں جو ان کے دائرۂ اختیار میں ہو۔ اگر مسلمانوں کی جماعت بحیثیت مجموعی اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے مقاطعہ یا بائیکاٹ جیسے ہلکے سے اقدام سے بھی کوتاہی کرے گی تو وہ عنداللہ مسئول ہوگی۔

یہ مقاطعہ یا بائیکاٹ ظلم نہیں، بلکہ اسلامی عدل وانصاف کے عین مطابق ہے، کیونکہ اس کا مقصد ہے کہ مسلمانوں کو ان کی ایذاء رسانی سے محفوظ کیا جائے، اور ان کی اجتماعیت کو ارتداد و نفاق کے دست برد سے بچایا جائے۔ اس کے ساتھ خود ان محاربین کے لئے بھی اس میں یہ حکمت مضمر ہے کہ وہ اس سزا یا تادیب سے متأثر ہوکر اصلاح پذیر ہوں، اور اسلام قبول کرکے آخرت کے دائمی عذاب سے نجات پالیں۔

## تعزیرات کا ثبوت قرآن وسنت سے

یہ قوانین وتعزیرات قرآن وسنت سے ثابت ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

(۱)......﴿ اذا سمعتم آيات الله يكفر بها و يستهزأ بها فلا تقعدوا معهم ﴾۔
ترجمہ:...... جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جارہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جارہا ہے تو ان کے ساتھ نشست و برخاست ترک کردو۔(نساء:۱۳۹)

(۲)......﴿ واذا رأيت الذين يخوضون فى اٰياتنا فاعرض عنهم ﴾۔(انعام:۶۵۸)
ترجمہ:......اور جب تم دیکھو ان لوگوں کو جو مذاق اڑا رہے ہیں ہماری آیتوں کا تو ان سے کنارہ کشی اختیار کرلو۔

(۳)......﴿ لا تجد قوما يومنون بالله واليوم الآخر يوادّون من حادّ الله ورسوله ولو كانوا آباء هم أواخوانهم أو عشيرتهم ﴾۔(مجادلہ:۲۲)
ترجمہ:تم نہ پاؤ گے کسی قوم کو جو یقین رکھتے ہوں اللہ پر اور آخرت پر کہ دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہیں اللہ کے اور اس کے رسول کے، خواہ وہ ان کے باپ ہوں' بیٹے ہوں' بھائی ہوں یا خاندان والے ہوں۔

اس سلسلہ میں احادیث اتنی کثرت سے آئی ہیں کہ ان کو جمع کیا جائے تو اچھی خاصی ضخیم کتاب چاہیے۔امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی ''سنن ابی داؤد'' میں ''كتاب السنة '' کے تحت متعدد ابواب قائم کئے ہیں: جیسے ''باب مجانبة اهل الاهواء ''یعنی اہل ہوا باطل پرستوں سے کنارہ کشی کرنے اور بغض رکھنے کا بیان۔اور ''باب ترك السلام على اهل الاهواء ''یعنی اہل ہواء سے ترک سلام کا بیان۔

''ابوداؤد شریف'' میں حدیث ہے کہ: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے خلوق (زعفران) لگایا تھا، آپ ﷺ نے ان کو سلام کا جواب نہیں دیا۔

(ابوداؤد شریف ص ۵۷۵ ج ۲،باب فى الخلوق للرجال ،كتاب الترجل)

غور فرمایئے کہ معمولی خلاف سنت بات پر جب یہ سزا دی گئی تو ایک مرتد سے بات چیت، سلام وکلام اور لین دین کی اجازت کب ہوسکتی ہے؟

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: القدرية مجوس هذه الامة ، ان مرضوا فلا تعودوهم وان ماتوا فلا تشهدوهم۔

(ابوداؤد شریف ص۶۴۴ ج۲، باب فی القدر ،کتاب السنة۔مسند احمد ص۱۲۵ ج۵،رقم الحدیث:۵۵۸۴)

تقدیر کا انکار کرنے والے اس امت کے مجوسی ہیں، اگر بیمار ہوں تو عیادت نہ کرو، اور اگر مرجائیں تو جنازے پر نہ جاؤ۔

ایک حدیث میں ہے: لا تجالسوا اهل القدر ولا تفاتحوهم۔

(ابوداؤد شریف ص۶۴۹ ج۲، باب فی ذراری المشرکین ،کتاب السنة)

منکرین تقدیر کے ساتھ نہ نشست وبرخاست رکھو اور نہ ان سے گفتگو کرو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جنگ بدر میں رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم فرمایا کہ: بدر کے کنوؤں کا پانی خشک کردوں۔

(سنن کبری للبیهقی ص۸۴ ج۹، باب قطع الشجر وحرق المنازل ، جماع ابواب السیر)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چند بددین زندیق لائے گئے تو آپ نے انہیں آگ میں جلادیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس کی اطلاع پہنچی تو فرمایا: اگر میں ہوتا تو انہیں جلاتا نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے عذاب کی سزا مت دو، بلکہ میں انہیں قتل کرتا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: من بدل دينه فاقتلوا۔ جو شخص مرتد ہوجائے اسے قتل کردو۔

(بخاری ص۱۰۲۳ ج۲، باب حکم المرتد والمرتدة ، کتاب استتابة المعاندین)

عہد نبوت کے بعد عہد خلافت راشدہ میں بھی اسی طرز کا ثبوت ملتا ہے۔ مانعین زکوۃ کے ساتھ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اعلانِ جہاد کرنا صحیحین کی حدیث میں موجود ہے۔

(بخاری ص ۱۰۲۳ ج ۲، باب قتل من ابی قبول الفرائض، کتاب استتابة المعاندین۔

مسلم شریف، ص ۳۷ ج ۱، باب الامر بقتال الناس حتی یقول لا اله الا الله، کتاب الایمان)

مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، طلیحہ، سدی اور ان کے پیروؤں کے ساتھ جو کچھ سلوک کیا گیا، اس سے حدیث وسیر کے اوراق پر ہیں۔

(بدایہ والنہایہ ص ۳۲۸ ج ۶، مقتل مسیلمة الکذاب لعنه الله۔ ایضاص ۳۱۱ ج ۶، خروج الاسود العنسی۔ ایضاص ۱۲۱ ج ۷، خروج طلیحة بن خویلد)

عہد فاروقی میں ایک شخص صبیغ عراقی قرآن کریم کی آیات کے ایسے معانی بیان کرتا تھا جس میں ہوائے نفس کا دخل تھا، اور ان سے مسلمانوں کے عقائد میں تشکیک کا راستہ کھلتا تھا، یہ شخص فوج میں تھا، جب عراق سے مصر گیا اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ گورنر مصر کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ بھیجا اور صورت حال لکھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہ اس کا موقف سنا اور دلائل بحث ومباحثہ میں وقت ضائع کئے بغیر اس کا علاج ''علاج بالجرید'' ضروری سمجھا، فوراً کھجور کی تازہ شاخیں منگوائیں اور خود اپنے ہاتھ سے اس کے سر پر بے تحاشہ مارنے لگے، اتنا مارا کہ خون بہنے لگا، وہ چیخ اٹھا: امیر المؤمنین! آپ مجھے قتل ہی کرنا چاہتے ہیں تو مہربانی کیجئے، تلوار لے کر میرا قصہ پاک کر دیجئے، اور اگر صرف میرے دماغ کا خناس نکالنا مقصود ہے تو آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ اب وہ بھوت نکل چکا ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا، اور

چند دن مدینہ رکھ کر عراق بھیج دیا، اور حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا: ’’ ان لا یجالسہ احد من المسلمین ‘‘ کہ کوئی مسلمان اس کے پاس نہ بیٹھے۔اس مقاطعہ سے اس شخص پر عرصۂ حیات تنگ ہوگیا،تو حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اب اس کی حالت ٹھیک ہوگئی ہے،تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس کے پاس بیٹھنے کی اجازت دی۔

(سنن الدارمی،ص ۵۱ ج ۱، باب من ھاب الفتیا و کرہ التنطع والتبدع)

آخر میں فقہ حنفی کی معتبر کتاب ’’معین الحکام‘‘ میں سے بسلسلۂ تعزیر ایک مستقل مفید فصل کا ترجمہ نقل کر کے اس کو ختم کرتا ہوں۔’’معین الحکام‘‘ میں ہے:

اور تعزیر کسی معین فعل یا معین قول کے ساتھ مختص نہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان تین حضرات کو (جو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے اور) جن کا واقعہ اللہ تعالی نے قرآن عظیم میں ذکر فرمایا ہے، مقاطعہ کی سزا دی تھی، چنانچہ پچاس دن تک ان سے مقاطعہ رہا۔ کوئی شخص ان سے بات تک نہیں کرسکتا تھا۔ان کا مشہور قصہ صحاح میں موجود ہے۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے جلاوطنی کی سزا بھی دی، چنانچہ مخنثوں کو مدینہ سے نکالنے کا حکم دیا اور انہیں شہر بدر کردیا۔اسی طرح آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی مختلف تعزیرات جاری کیں۔ہم ان میں سے بعض کو جو احادیث کی کتابوں میں وارد ہیں، یہاں ذکر کرتے ہیں۔ان میں سے بعض کے ہمارے اصحاب قائل ہیں اور بعض پر دیگر ائمہ نے عمل کیا ہے:

(۱):......حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صبیغ نامی ایک شخص کو مقاطعہ کی سزا دی ، یہ شخص ’’الذاریات‘‘ وغیرہ کی تفسیر پوچھا کرتا تھا اور لوگوں کو فہمائش کیا کرتا تھا کہ وہ مشکلات

قرآن میں تفقہ پیدا کریں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی سخت پٹائی کی،اور اسے بصرہ یا کوفہ جلاوطن کردیا اور اس سے مقاطعہ کا حکم فرمایا، چنانچہ کوئی شخص اس سے بات تک نہیں کرتا تھا، یہاں تک کہ وہ تائب ہوا اور وہاں کے گورنر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے تائب ہونے کی خبر لکھ بھیجی،تب آپ نے لوگوں کو اجازت دی کہ اس سے بات چیت کر سکتے ہیں۔

(۲):......حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصیر بن حجاج کا سر منڈوا کر اسے مدینہ سے نکال دیا تھا م جبکہ عورتوں نے اشعار میں اس کی تشبیب (قصیدے کی ابتدا میں عاشقانہ مضامین نظم کرنا) شروع کردی تھی اور فتنہ کا اندیشہ لاحق ہوگیا تھا۔

(۳):......آنحضرت ﷺ نے قبیلۂ عرینہ کے افراد کو جو سزا دی (اس کا قصہ صحاح میں موجود ہے)۔

(۴):......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے شخص کے بارے میں جو بدفعلی کراتا تھا صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا،صحابہ رضی اللہ عنہم نے مشورہ دیا کہ اسے آگ میں جلا دیا جائے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یہ حکم لکھ بھیجا، بعد ازاں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ہشام بن عبدالملک نے بھی اپنے اپنے دور خلافت میں اس قماش کے لوگوں کو آگ میں جلا ڈالا۔

(۵):......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کی ایک جماعت کو آگ میں جلا دیا۔

(۶):......آنحضرت ﷺ نے شراب کے مٹکے توڑنے اور اس کے مشکیزے پھاڑ دینے کا حکم فرمایا۔

(۷):......آنحضرت ﷺ نے خیبر کے دن ان ہانڈیوں کو توڑنے کا حکم فرمایا، جن میں

گدھوں کا گوشت پکایا گیا تھا، پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے اجازت چاہی کہ انہیں دھو کر استعمال کرلیا جائے تو آپ نے اجازت دے دی۔ یہ واقعہ دونوں باتوں کے جواز پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ ہانڈیوں کو توڑ ڈالنے کی سزا واجب نہیں تھی۔

(۸):......حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مکان کے جلا دینے کا حکم فرمایا جس میں شراب کی خرید وفروخت ہوتی تھی۔

(۹):......حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب رعیت سے الگ تھلگ رہ کر اپنے گھر ہی میں فیصلہ کرنا شروع کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا مکان جلا ڈالا۔

(۱۰):......حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کے مال کا ایک حصہ ضبط کر کے مسلمانوں میں تقسیم کردیا۔

(۱۱):......ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مہر پر جعلی مہر بنوالی تھی، اور بیت المال سے کوئی چیز لے لی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے سو درے لگائے، دوسرے دن پھر سو درے لگائے، اور تیسرے دن بھی سو درے لگائے، امام مالک رحمہ اللہ نے اسی کو لیا ہے، چنانچہ ان کا مسلک ہے کہ تعزیر مقدار حد سے زائد بھی ہوسکتی ہے۔

(۱۲):......حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ایک ایسا سائل دیکھا جس کے پاس قدر کفایت سے زائد غلہ موجود تھا، اس کے باوجود وہ بھیک مانگتا پھر رہا تھا' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے پاس جو کچھ تھا چھین کر صدقہ کے اونٹوں کو کھلا دیا۔

(معین الحکام ص ۲۳۱، فصل بلا اسم تحت فصل فی عقوبة العائن۔ فتاوی بینات ص ۲۳۷ ج ۱)

مرغوب احمد لاجپوری

# المَدَافِعُ الاِلٰهِيَّهُ

# فِى الرَدِّ عَلَى الْبابُيَهُ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد للّٰه وحده ، والصلوٰة والسلام على من لا نبي بعده ، وعلٰى اٰله وصحبه ، ومن اشاع دينه وجدده۔

## جاہ پسندوں کا آزاد مذہب کی تاسیس کرنا

اس پر آشوب دور وفتن آگین ۱؎ زمانے میں آزادی کی سمّیت ۲؎ و بے دینی کے جراثیم اس قدر پھیل رہے ہیں کہ جولوگ اپنے آپ کو مہذب سمجھنے لگے اور اپنی فطرت میں آثار ہمہ دانی ۳؎ کے محسوس کرنے لگے، انہوں نے عقائد اسلامیہ کو محض تخیلات' اور احکام شرعیہ کو ایک بے سود تکلیف سمجھ رکھا ہے، ان کو یقین ہے کہ جو کچھ ہے دنیا ہی ہے، باقی آخرت ایک خیال ہی خیال ہے۔ جب اس کوتاہ اندیش ۴؎ بے بصیرت امت نے اس تاریک خیال پر اسلامی مرکز کو چھوڑ دیا، اور آزادانہ انداز پر زندگی کے مراحل طے کرنے لگے، اور ایک آزاد مذہب کی خواہشات کے آثار ان کے طرز معاشرت وتمدن سے محسوس ہونے لگے، تو جولوگ جاہ پسند ریاست طلب ۵؎ تھے انہوں نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھ لیا، اور ایک آزاد مذہب کی بدون مآل اندیشی تاسیس ۶؎ کر کے ان کے سامنے پیش کر دیا۔

---

۱؎...... پر آشوب: فساد سے بھرا ہوا۔ آگیں: لبالب۔ بھرا ہوا، فتن آگیں: فساد سے سے بھرا ہوا۔

۲؎...... سَمِّیَّت: زہریلا پن۔ زہر کا اثر۔

۳؎...... ہمہ دانی: ہر کام کی واقفیت (ہر کام کو جاننے کا دعوی)

۴؎...... کوتاہ اندیش: بے سوچے سمجھے کام کرنے والا۔

۵؎...... جاہ پسند۔ رتبہ، درجہ، منصب' عزت چاہنے والا۔ ریاست طلب: سرداری' افسری حکومت چاہنے والا۔

۶؎...... بدون مآل اندیشی تاسیس: بغیر انجام سوچے ہوئے بنیاد ڈالنا۔

## بابی مذہب کا بانی علی محمد، اس کا خیال تھا کہ اسلام کا دور بارہ سوساٹھ سال

چنانچہ بابی مذہب: اس مذہب کا بانی ایک ایرانی علی محمد باب تھا اس نے حسب خواہش امت آزاد ایک آزادی سے لبریز مذہب کی بنیاد ڈالی، اور ریاست طلبی کے لئے اس کو ایک عمدہ ذریعہ قرار دیا تھا۔

اس مذہب کا یہ منشا ہے کہ اسلام کا دور دورہ صرف بارہ سوساٹھ سال ہی تک تھا، بارہ سوساٹھ سال گزرتے ہی اسلام منسوخ ہو گیا، اور بجائے اس کے بابی مذہب کا دور دورہ شروع ہو گیا۔

## اسلام پر بے رحمانہ حملے، مگر اس کی غیر محدود قوت پر کمال حیرت

ہائے وہ اسلام جس کے سامنے بڑے بڑے گردن کش [۱] سلاطین کی گردنیں جھک جاتی تھیں، آج اپنے پرائے سب کی طرف سے اس پر بے رحمانہ حملے ہو رہے ہیں، اور نہایت ہی خونخوار وار کئے جا رہے ہیں۔ اگر ایک شخص ایک طرف سے رفارمر [۲] بن کے اس کے خوبصورت اعضا کو قطع کرنا چاہتا ہے، تو دوسرا دوسری طرف سے مہدی یا عیسیٰ علیہ السلام بن کے اس کے استیصال [۳] کے لئے فکر کر رہا ہے۔

مگر اے اسلام تیری بے انتہا صلابت [۴] اور غیر محدود قوت پر کمال حیرت ہے کہ جو لوگ وقتاً فوقتاً نہایت ہی سنگدلی سے تجھ پر وار کر رہے ہیں، وہ وار الٹے اُچھل اُچھل کے

---

[۱]......گردن کش: باغی۔ متکبر۔
[۲]......رفارمر: مصلح (اصلاح کرنے والا)۔
[۳]......استیصال: بیخ کنی۔ جڑ سے اکھیڑنا۔ (ختم کرنا)۔
[۴]......صلابت: سختی۔ مضبوطی، پختگی۔

ان ہی پر گر رہے ہیں، اور وہی دنیا سے استیصال ہو رہے ہیں، اور تیری لازوال شعاعوں پر نہایت ہی تعجب ہے کہ باوجودیکہ ان کو روکنے کے لئے بڑے بڑے حجاب حائل کئے جا رہے ہیں، تاہم وہ شعاعیں ان میں سے پھوٹ پھوٹ کر صفحۂ زمین پر پھیل رہی ہیں، اور دنیا کو اپنی اعجاز نما روشنی سے حیرت میں ڈال رہی ہیں۔

یہ وہ شہ زور [1] اسلام ہے کہ جس نے اپنی غیر محدود طاقت سے باقی مذاہب پر خط نسخ پھیر دیا، [2] اور اپنی بے زوال روشنی سے غیر ملل کو معرض خسوف [3] میں ڈال دیا تھا، اور ایک تھوڑی سی مدت میں مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک اس کی مسلسل لہریں جا پہنچیں، اور تھوڑے ہی عرصہ میں بڑی بڑی سلطنتوں کو خاک میں ملا دیا، اور عظیم الشان شاہی ایوانوں کو ہلا دیا تھا۔

افسوس ایک وہ مسلمان تھے جو اس ناز پروردہ اسلام کی خاطر اپنی پیاری جانوں کو بلا تردد قربان کر دیتے تھے اور خونوں کی ندیاں بہا دیتے تھے، اور ایک یہ مسلمان ہیں جو غربت اور بیکسی کے وقت اس کے استیصال اور بیخ کنی [4] کے در پے ہو رہے ہیں، اللّٰھمّ اھد قومی فانھم لا یعلمون۔ [5]

## اسلام کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ کا ہے

چونکہ اس مقدس اسلام کی حفاظت ونگہبانی کی ذمہ داری خود خداوند احکم الحاکمین کے متعلق

---

[1]......شہ زور: بہت طاقت ور۔

[2]......خط نسخ پھیر دیا: یعنی دوسرے مذاہب کو ختم اور منسوخ کر دیا۔

[3]......غیر ملل کو معرض خسوف: یعنی دوسرے مذاہب کی روشنی کو ختم کر دیا۔

[4]...... بیخ کنی: جڑ سے اکھیڑنا۔ بنیاد کھود ڈالنا۔

[5]......اے اللہ میری قوم کو ہدایت دیجئے، اس لئے کو وہ نہیں جانتی۔

ہے، اس لئے اس کا حکم تا قیام قیامت نافذ رہے گا۔ چونکہ اس مقدس اسلام کے اصول میں آئندہ ہر ایک زمانے کی مصلحتیں مرعی [1] ہیں، اس لئے اس پر منسوخ ہونے کا خیال کبھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام میں آج کوئی ایسا حکم نہیں کہ مصلحت زمانے سے خلاف ہو، اسلام میں آج کوئی ایسا قانون نہیں کہ انسان اس کو برداشت نہ کرسکتا ہو، اسلام میں کوئی ایسی بات نہیں کہ عقل سلیم اس کو تسلیم نہ کرسکتی ہو﴿ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ [2]

توحید جو ایک صحیح ملت و دین کی نا قابل زوال بنیاد ہے، جس طرح وہ صدر اسلام میں تھی آج بھی ویسی ہی ہے۔ ارکان اسلام جن پر شاندار عمارت اسلام کی قائم ہے وہ بھی جوں کے توں ہی ہیں، اور ان کی تاسیس کے لئے جو علل و اغراض اس وقت ملحوظ تھے، وہ بھی اس وقت موجود ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ دنیا دائم نہیں فانی ہے، فنا ہوتے ہی آخرت کا دور شروع ہو جائے گا۔ جس طرح دنیوی زندگی کے اسباب بہم پہنچانے [3] کے لئے دنیا میں کوشش کی جاتی ہے، اسی طرح اخروی زندگی کے اسباب فراہم کرنے کے لئے بھی دنیا ہی میں اجتہاد کیا جاتا ہے، چونکہ دنیوی زندگی کا اخروی زندگی کے ساتھ مقابلہ کرنے سے دنیوی زندگی نہایت ہی ناپائیدار و حقیر معلوم ہوتی ہے، اس لئے انصاف تو یہی تھا کہ دنیوی زندگی کے

---

[1]...... مرعی: رعایت کیا گیا۔ ملحوظ رکھا گیا۔ لحاظ کیا گیا۔

[2]...... سورۂ عنکبوت، آیت نمبر: ۵۱۔

ترجمہ: بھلا کیا ان کے لئے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری ہے جو ان کو پڑھ کر سنائی جا رہی ہے؟ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی رحمت اور نصیحت ہے جو ماننے والے ہوں۔

[3]...... بہم پہنچانا: مہیا کرنا۔ حاصل کرنا۔

اسباب فراہم کرنے کے لئے نسبتاً بہت ہی تھوڑا وقت صرف کرنے کے لئے حکم کیا جاتا، مگر خداوند کریم کی خاص اس امت پر عنایت ومہربانی ہے کہ اس کی کمزوری وپست ہمتی کا لحاظ کر کے اخروی زندگی کے اسباب کے لئے اقل قلیل وقت معین کیا گیا، باقی تمام اوقات دنیوی زندگی کے اسباب کے لئے چھوڑے گئے۔

## دن رات میں عبادت مختصر اور ان کے اوقات بھی عامۃً غیر مشغولی کے

اس کو کون نہیں جانتا کہ رات دن کے چوبیس گھنٹے میں صرف پانچ ہی نمازیں فرض کی گئیں، ان پانچ نمازوں کے لئے زائد سے زائد صرف ڈیڑھ ہی گھنٹہ صرف ہوتا ہے، جس طرح صبح وعصر ومغرب کی نمازوں میں پونہ گھنٹہ زیادہ سے زیادہ صرف ہوتا ہے، اسی طرح ظہر وعشا کی نماز میں بھی پونہ ہی گھنٹہ صرف ہوتا ہے، گویا رات کے بارہ گھنٹے اور دن کے بارہ گھنٹے کے لئے پونہ پونہ گھنٹہ مقرر کیا گیا ہے۔

پھر ان پانچ نمازوں کے لئے جو اوقات مقرر کئے گئے ہیں، وہ بھی غالباً فرصت ہی کے اوقات ہوتے ہیں۔ ان اوقات میں غالباً دنیوی کام بہت ہی کم کئے جاتے ہیں۔ اس کو کون نہیں جانتا کہ صبح صادق سے طلوع آفتاب تک جو مبارک وقت ہے اس میں کوئی کام نہیں کیا جاتا ہے، زوال کا وقت بھی شدتِ تمازت وفرط حرارت کی وجہ سے استراحت [1] کے لئے غنیمت سمجھا جاتا ہے، چار ساڑھے چار بجے کے بعد جو وقت ہوتا ہے وہ بھی مغرب تک اکثر کاروبار سے فراغت ہی کا وقت ہوتا ہے، شب کو آٹھ بجے بھی لوگ کھاپی کے فارغ ہو ہی جاتے ہیں۔

اگر کوئی شخص شب وروز کے چوبیس گھنٹے میں سے صرف ڈیڑھ گھنٹہ وقت جو غالباً بے

---

[1] ...... شدتِ تمازت: سخت گرمی۔ وفرط حرارت: گرمی کی زیادتی۔ استراحت: آرام چاہنا۔

کاری کا وقت ہوتا ہے، خداوند کریم کی عبادت میں جو اس کا خالق و رازق ہے صرف کرنا ناجائز سمجھے تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کا عبد و بندہ کہلانے کا مستحق ہوسکتا ہے؟

جس کے ہاتھ میں سال بھر سو روپیہ موجود رہا ہو، اور سال بھر اس روپیہ سے اس نے نفع بھی اٹھایا ہو، اگر اس نے ان میں سے ڈھائی روپیہ سے بھی سال بھر میں کسی بیکس کے ساتھ بطور زکوٰۃ سلوک کرنا ناگوار سمجھا، کیا وہ ہمدرد قوم کہا جاسکتا ہے؟

سال بھر میں صرف ایک مہینہ کا روزہ مفلوک الحال [۱] بندوں کی ہمدردی (کا) احساس کرنے اور نفس کو شیطانی جذبات سے روکنے، اور سال بھر کے فضلات جسمانی کو زائل کرنے، اور نفس کو جفاکشی کا عادی بنانے کے واسطے اگر نہ رکھا جائے تو کیا وہ قومی ہمدردی کا پورا احساس کرسکتا ہے؟ اور نفس کو شیطان کے ناجائز حملے سے بچا سکتا ہے؟ اور جسم کو بلا مداوات [۲] طرح طرح کی بیماریوں سے محفوظ رکھ سکتا ہے؟

اگر عمر بھر میں بشرط استطاعت ایک مرتبہ کعبۃ اللہ کی جو سرچشمۂ ہدایت اور بانی ملت و اسلام کی یادگار رہے، صرف اس غرض سے زیارت فرض سمجھی جائے کہ اسلامیوں (مسلمانوں) کو باہمی تعارف حاصل کرنے کا موقعہ ملے، اور دین الٰہی کی اشاعت کے لئے تبادلۂ خیال ممکن ہوسکے، اور کل اسلامیوں (مسلمانوں) کے حالات پر ایک وسیع پیمانے پر غور کیا جاسکے، کیا اس کو کوئی شخص خلاف عقل بتاسکتا ہے؟ **وقس علیها ماعداها من الاحكام المنشعبة من الشريعة المحمدية البيضاء السهلة النقية ، فانك تجدها قائمة على اصولها الراسخة القوية التى لا يأتيها الباطل من بين يديها ولا من خلفها** [۳]

---

[۱]...... مفلوک الحال: تباہ حال۔ غریب حالت والا۔ [۲]...... مداوات: دوا۔ علاج۔

[۳]...... اسی پر دوسرے شریعت محمدیہ کے احکام جو صاف وشفاف ہیں' اور آسان وستھرے ہیں کے شعبوں کو قیاس کرلو، اس لئے کہ یہ ایسے مضبوط اور راسخ اصولوں پر قائم ہیں جن کے آگے اور پیچھے باطل نہیں آسکتا،

جب قرآن مقدس جو اسلام کا صحیح ماخذ ہے تحریف لفظی و معنوی سے محفوظ ہو، اور قرآن یا اسلام کے احکام جن جن علل واغراض پر مبنی تھے وہ بعینہا اس وقت موجود ہوں، تو پھر اس کو منسوخ ماننا ارادۂ الٰہی کا مقابلہ کرنا اور دین حق کا ناحق خون کرنا نہیں ہے تو کیا ہے؟

## ناعاقبت اندیشوں کا مہدویت وعیسویت کا دعوی

تاریخی معلومات سے جس کو مذاق ہے وہ اس امر کی تصدیق کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یوں تو صفحۂ ہستی پر بہت سے تیرہ دروں [۱] ناعاقبت اندیشوں نے منصب رسالت کو ایک معمولی شئے اور مہدویت اور عیسویت کو ایک فرضی چیز خیال کر کے بدون عاقبت اندیشی نبوت یا مہدویت یا مسیحیت کا دعویٰ کر دیا، اور رجماً بالغیب [۲] ان پر چند غیر واقعی شہادتیں پیش کر دیں، مگر چونکہ ان دعووں کی بنیاد محض تخیل و وہم پرستی پر مبنی تھی، اس لئے گو ابتدا میں انہوں نے کسی قدر فوری عزت حاصل کر لی ہو، مگر جب یہ معکوس خیالات [۳] ان کے روبرو ایک مہلک بلا کی صورت میں ظاہر ہوئے تو پھر وہ ان کے آہنی پنجے سے جان بر [۴] نہ ہو سکے، چنانچہ قرآن مقدس میں تصریح ہے: ﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ، لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ، ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ،فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴾ [۵]

---

[۱]...... تیرہ دروں: سیاہ دل۔ بے ایمان۔ کافر۔

[۲]...... رجماً بالغیب: بغیر سوچے سمجھے۔ اٹکل سے۔

[۳]...... معکوس: الٹا۔ اوندھا۔ ٹیڑھا۔

[۴]...... آہنی: لوہے کا۔ لوہے کی بنی ہوئی۔ جاں بر: محفوظ۔ زندہ سلامت۔ صحیح سلامت۔

[۵]...... سورۂ حاقہ، آیت نمبر: ۴۴ تا ۴۷۔

ترجمہ: اور اگر (بالفرض) یہ پیغمبر کچھ (جھوٹی) باتیں بنا کر ہماری طرف منسوب کر دیتے، تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے، پھر ہم ان کی شہ رگ کاٹ دیتے، پھر تم میں سے کوئی نہ ہوتا جو ان کے بچاؤ کے لئے آڑے آ سکتا۔

استثنا (۲۰/۱۸) میں ہے: لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے حکم نہیں دیا، یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے گا، انتہیٰ۔

یہ تاریخ جو ہمارے سامنے موجود ہیں، متفق اللسان ہو کے شہادت دیتی ہیں کہ مسیلمہ کذاب و اسود عنسی نے آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں دعویٰ نبوت کا کیا تھا، مگر جب تک کہ یہ دونوں تلوار کے نذر نہیں ہوئے وہاں تک اس دعوے نے ان کو دم نہیں لینے دیا تھا، یہ شہادت علی محمد باب کو عبرت حاصل کرنے کے لئے کافی تھی، مگر اس نے اس پر کچھ بھی غور نہیں کیا اور نہایت ہی بے پروائی سے مہدویت کی آڑ میں دعویٰ نبوت کا کر دیا، مگر اس دعوے نے اس کو بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیا، جب تک کہ اس کی قربانی اس دعوے پر نہیں چڑھائی گئی۔

## باب کے کچھ حالات، کچھ دعوے مثلاً: میں مہدی ہوں، میری تقریر کرامت ہے، میرے مریدین سے احکام شرعیہ معاف ہیں

باب اور بہاء اللہ جس نے باب کے بعد دعوی مسیحیت کا کیا تھا، چونکہ ہمارے اس رسالے کے موضوع ہیں، اس لئے ان کی مختصر سوانح لکھ کر ان کی نبوت پر جو شہادتیں رجماً بالغیب ان کے متبعین نے پیش کی ہیں ان سے ہم ایک معقولانہ انداز پر بحث کریں گے۔

مذاہب اسلام میں لکھا ہے کہ: علی محمد باب کا والد مرزا رضا نامی شیراز کا ایک شیعی تاجر تھا۔ باب کچھ ابتدائی کتابیں پڑھ کے سید کاظم کے حلقہ میں جا شریک ہوا اور اس کے انتقال کے بعد ۱۲۶۰ھ میں اس نے اپنے عقیدت کیشوں [۱] سے اس امر کا اظہار کیا کہ جس مہدی

[۱]......عقیدت کیشوں: معتقد۔ارادت مند۔

صاحب الامر کا انتظار کیا جا رہا ہے وہ میں ہی ہوں، اور اس کے ثبوت میں بعض احادیث جن میں مہدی موعود کے آثار بتلائے گئے تھے پیش کیں، اور کہا: جو آثار اس مہدی کے متعلق ہیں وہ مجھ میں پورے طور پر موجود ہیں، جب اس کے ثبوت میں اس سے کرامت طلب کی گئی، تو باب نے جواب دیا کہ: میری تقریر وتحریر میری کرامت ہے، اس سے بڑھ کر اور کیا کرامت ہوسکتی ہے کہ ایک ہی دن میں' میں ہزار اشعار مناجات میں تصنیف کر کے پھر میں ان کو لکھ بھی ڈالتا ہوں، اور چند مناجات پیش کر دیں، جن میں اعراب تک درست نہ تھے۔ جب اعراب کے متعلق اعتراض کیا گیا تو کہا اعرابی غلطی میرے لئے معاف ہے، اور نہایت زور سے دعویٰ کیا کہ میرے وجود سے غرض تمام ادیان کا اتحاد ہے، آئندہ سال میں مکہ معظّمہ سے شمشیر بکف خروج [1] کر کے جملہ روئے زمین پر قبضہ کروں گا۔ جب تک تمام ادیان متفق نہ ہوں تمام دنیا مطیع نہ ہو تمام تکالیف شرعیہ ملتوی سمجھی جائیں، اب اگر میرے مریدوں میں سے کوئی شخص احکام شرعیہ کا پابند نہ ہو تو اس پر کچھ مواخدہ نہیں ہے۔

باب گو اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا مگر حقیقت میں وہ کسی مذہب کا پابند نہ تھا۔ باب نے سمجھدار لوگوں کو آئندہ کی ترقی کی امید دلائی اور وعدہ کرلیا کہ جب سارے روئے زمین پر میرا قبضہ ہو جائے گا تو تمہارے حقوق سب سے مقدم سمجھے جائیں گے۔ باب نے اپنے مریدوں کو چند احکام دیئے جو اشعار میں ادا کئے گئے تھے:

(۱)...... چونکہ تمام دنیا کا میرے زیر نگیں [2] ہونا اس غرض سے کہ تمام مذاہب متحد

---

[1]...... شمشیر بکف خروج: تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے نکلنا۔

[2]...... زیر نگیں: زیر حکومت۔ ماتحت۔ حکومت کے نیچے، میرے قبضہ میں۔

ہوجائیں ضروری ہے، اس لئے آئندہ سال میں مکہ معظّمہ سے شمشیر بکف سارے جہان پر حملہ کروں گا تا کہ ساری دنیا میرے تصرف میں آجائے، اور تمام اغراض جو میرے وجود سے مقصود ہیں پورے ہوجائیں، چونکہ اس حملے میں دشمنان خدا قتل کئے جائیں گے اور خون کی ندیاں جاری ہوں گی، اس لئے مریدان باصفا کو لازم ہے کہ بطور شگون اپنے خطوط کوسرخ [1] کیا کریں۔

(۲)......''السلام علیک'' کے عوض ''مرحباً بک'' مقرر کیا جاتا ہے۔

(۳)......اذان میں میرا نام بھی داخل کیا جائے۔اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ میں آنحضرت ﷺ وحضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان چونکہ رابطۂ اجتماع ہوں، اس لئے میرا نام علی محمد قرار دیا گیا، اور چونکہ بدون میرے خدا تک رسائی ناممکن ہے اس لئے میرا لقب باب قرار دیا گیا ہے۔

پھر باب نے چند منادی [2] شیراز کو بھیجے تا کہ وہاں بھی منادی کی جائے اور اس کا جو معتقد ہو اس سے بیعت لی جائے، اور چند صحیفے دیئے کہ بجائے قرآن ان کی تلاوت کی جائے، چونکہ باب کا مذہب آزادی پر مبنی تھا، اس لئے وہ لوگ جو آزادی کے خواہان تھے اس کے مطیع ہوگئے۔

جب علماء نے باب کے مذہب کی ترقی کو احساس کیا تو اس کے پاس بغرض مباحثہ گئے، ان علماء کے سامنے باب نے ایک عربی کلام جس کے اعراب بھی درست نہ تھے بطور حجت پیش کیا، اس کو دیکھتے ہی ان پر اس کی ہرزہ سرائی [3] ثابت ہوگئی، اور نظام الدولہ

---

[1]......بطور شگون اپنے خطوط کوسرخ: نیک فال لینے کے لئے اپنے نشان کو سرخ ولال رنگ کا کریں۔

[2]......منادی: پکارنے والا۔اعلان کرنے والا۔

[3]...... ہرزہ سرائی: بیہودہ باتیں۔لغو، نامعقول باتیں۔

والی فارس نے اس کے قتل کے لئے حکم دے دیا۔ باب کو جب یقین ہو گیا کہ نظام الدولہ بدون قتل کئے مجھ کو نہ چھوڑے گا تو تقیۃً کہا (توبہ کردم توبہ کردم ۱) نظام الدولہ نے اس کا منھ کالا کیا، اور تمام شہر میں گشت کرا کے مسجد ابوتراب میں اس سے توبہ کروائی اور زندان ۲ میں بھیج دیا، مگر معتمد الدولہ والیٔ اصفہان چونکہ ایک صوفی مشرب آدمی تھا، اس لئے اس کو باب پر رحم آ گیا، اور رہائی دلا کے اس نے باب کو اپنے پاس بلالیا، اور مجتہدین کے خوف سے اعلان کر دیا کہ باب شہر بدر کیا گیا ہے، اصفہان میں گو باب مخفی تھا مگر اطراف واکناف میں مریدوں کو وہ دعوت کے لئے بھیجتا رہا۔

باب کی قسمت سے جب تھوڑے ہی عرصے میں معتمد الدولہ فوت ہو گیا تو یہ راز فاش ہو گیا کہ باب شہر بدر نہیں کیا گیا اصفہان ہی میں موجود ہے، چنانچہ دربار ایران میں اطلاع دی گئی کہ باب اصفہان ہی میں موجود ہے، جو حکم ہوگا اس کی تعمیل کی جائے گی، اس کے جواب میں وزیراعظم حاجی مرزا آقاسی نے لکھا کہ: باب کو آذربائجان کے قلعہ میں لیجا کے حبس کر دو۔ جب اس تدبیر سے بھی باب کی کوششیں رک نہ سکیں، تو محمد شاہ فرمانروائے ایران نے ناصر الدین شاہ کو جو آذربائجان کے وائیسرائے تھے لکھا کہ: باب سے دوبارہ مباحثہ کیا جائے۔

چنانچہ ناصر الدین شاہ نے باب کو تبریز بلایا، تبریز میں نظام العلماء ملا محمود مجتہد اعظم اور ملا محمد ممقانی وغیرہ بہت سے مجتہد جمع ہو گئے اور باب سے مباحثہ کیا گیا، جب اس مباحثے میں باب کی سازش ثابت ہوگئی تو ناصرین الدین بادشاہ نے کہا: ”باایں حالت دعویٰ صاحب الامری“ ۳ پھر حکم دیا کہ چونکہ یہ شخص ایک دیوانہ ہے، اس لئے اس کو قتل کرنا

---

۱.....توبہ کردم توبہ کردم: توبہ کرتا ہوں، توبہ کرتا ہوں۔ ۲.....زندان: قید خانہ۔

۳.....باایں حالت دعویٰ صاحب الامری: یہ حالت اور دعوی خود مختاری اور حکومت کا۔

مناسب نہیں، قید خانے ہی میں رکھا جائے۔ گو باب محبوس تھا مگر اس کے داعی ملا حسین شیرویہ وقرۃ العین وغیرہ نہایت استقلال سے دعوت کررہے تھے، جس سے ملک میں ایک شور پیدا ہوگیا۔ اس پر دولت ایران نے اس کے قتل کا حکم دے دیا، اور علما نے بھی متفق ہوکے اس پر فتویٰ دے دیا، چنانچہ باب تبریز میں حاضر کیا گیا، اور ۲۷/شعبان ۱۲۶۵ھ کو باب مع ملا محمد علی زنجانی کے' نشان سے باندھا گیا اور عیسائی سپاہ کو فائر کا حکم دیا گیا، اس فائر نے گوزنجانی کا کام تمام کردیا، مگر باب کا استدراج [1] تھا کہ اس کو ایک بھی گولی نہ لگی، بلکہ جب ایک گولی اس رسی میں لگی کہ جس میں وہ جکڑا ہوا تھا اور وہ ٹوٹ گئی تو باب بھاگ کے ایک کھڑی میں جا چھپا اور کہنے لگا کہ یہ میری کتنی بڑی کرامت ہے کہ ایک بھی گولی مجھ کو نہیں لگی، مگر حکام کی تاکید سے پھر گرفتار کرلیا گیا اور چند گھونسے مار کے دوبارہ فائر کیا گیا جس سے اس کا کام تمام ہوگیا۔ لکھا ہے کہ اس وقت باب ایک سی سالہ [2] نوجوان تھا اور اس کے مذہب کی عمر کل چھ برس سے زائد نہ تھی۔ ابھی اس کے پرواز کی امنگیں [3] دل ہی میں تھیں کہ اس غیور خدا نے اس کی رگ جان کاٹ دی۔

لکھا ہے کہ باب کی سب سے بڑی کتاب ''البیان'' ہے جو اس کے مذہب کا لب لباب اور مخزن ہے، مگر اس کے اخفا میں اس قدر کوشش کی جاتی ہے کہ خاص خاص بابیوں کے سوا اس کی کوئی زیارت تک بھی نہیں کرسکتا ہے۔

باب کے تین داعی مشہور تھے: ایک ملا حسین شیرویہ: جس نے باب کے بعد مسیح ہونے

---

[1]...... استدراج: خلاف معمول کام کرنا۔ خارق عادت عمل۔ غیر مسلم سے خرق عادات افعال کا ظاہر ہونا۔ چمتکار۔

[2]...... سی سالہ: تیس (۳۰) سال کا۔

[3]...... پرواز کی امنگیں: اڑان۔ فخر۔ بڑے بننے کی تمنائیں۔

کا دعویٰ کیا تھا۔ دوسرا: محمد علی۔ تیسری ایک عورت: جس کا نام زریں تاج تھا، یہ عورت چونکہ حسن میں شہرہ آفاق تھی، اس لئے اس کا لقب قرۃ العین قرار دیا گیا تھا، یہ عورت صرف حسن ہی میں نہیں بلکہ خوش بیانی وطلاقت لسانی میں بھی مشہور تھی۔ [۱] جب تقریر کرتی تھی تو سامعین کے قلوب پر ایک عجیب کیفیت پیدا کر دیتی تھی۔

باب کے مقتول ہونے کے بعد جب فتنے وفساد اور بھی مشتعل ہو گئے تو سلطنت ایران نے بابیوں کو ملک بدر کر دیا، [۲] جس پر یہ بغداد میں رہنے لگے۔ وہاں ان میں دو فرقے ہو گئے: ایک ازلیہ: جو صبح ازل مرزا یحیی ساکن نور کا معتقد تھا۔ دوسرا بہائیہ: جو مرزا بہاء اللہ حسین علی شیرویہ کو مانتا تھا۔ اس تفرق سے جب ان میں خانہ جنگیاں شروع ہونے لگیں تو ۱۸۶۸ء میں دولت عثمانیہ نے بہاء اللہ کو شہر عکہ علاقۂ شام میں اور صبح ازل کو سائپرس کے ایک جزیرے میں بھیج دیا، اور تاکید کر دی گئی کہ یہ اپنی جگہ سے ٹلنے نہ پاویں۔

## بہاء اللہ اور اس کا مذہب

بہاء اللہ باب سے دو برس بڑا تھا، باب کے انتقال کے بعد بہاء اللہ نے دعویٰ کیا تھا کہ ''البیان'' میں باب نے جس مسیح من یظہرہ اللہ کی پیشین گوئی کی ہے وہ میں ہی ہوں۔ بہاء اللہ نے باب کی شریعت کو ناکافی سمجھ کے منسوخ کر دیا، اور بجائے اس کے بہائی شریعت کی بنیاد ڈالی، اور ایک کتاب مسمیٰ ''کتاب اقدس'' تالیف کر کے بہائی شریعت کا اسے ماخذ قرار دیا۔ اس شریعت کی بابت لکھا ہے کہ: ہزار برس کے قبل اس کو کوئی منسوخ نہیں کر سکتا۔

---

۱...... شہرۂ آفاق: دنیا بھر میں مشہور۔ قرۃ العین: آنکھ کی ٹھنڈک۔ طلاقت لسانی: چرب زبان۔ زبان کی تیز۔
۲...... مشتعل: بھڑکنے والا۔ ملک بدر:۔ جلاوطن، ملک سے باہر نکال دینا۔

## بہاء اللہ کا دعوی کہ میں خدا ہوں

بہاء اللہ نے نیز لکھا ہے کہ: میرا ظہور خدا کا ظہور ہے بلکہ میں خود خدا ہوں، تورات میں جو لفظ یہوداہ مذکور ہے وہ میرا ہی نام ہے۔ یہوداہ عبرانی لفظ ہے یہ خاص خدا کا نام ہے، اور کہا ہے کہ جو اس دعویٰ کو تسلیم نہ کرے وہ مشرک ہے۔

## نماز، حج، نکاح کے بابت ''کتاب اقدس'' کی عبارات

''کتاب اقدس'' کے تمسک ۱؎ کے لئے یہ عبارت ہے:

''تمسكوا بالكتاب الاقدس، الذى انزله الرحمن من جبروته المقدس المليع، انه لميزان اللّٰه بينكم، يوزن به كل الاعمال من لدن قوى قدير''۔ ۲؎

اور قبلہ کی بابت یہ عبارت ہے:

''واذا اردتم الصلوة ولّوا وجوهكم شطرى الاقدس المقام المقدس، اللّٰه جعله الذى مطاف الملأ الاعلٰى، ومقبل اهل مدائن البقاء، ومصدر الامر لمن فى الارضين والسموات''۔ ۳؎

اور نماز کے لئے یہ عبارت ہے:

'' قدكتب عليكم الصلوة تسع ركعات من اللّٰه منزل الايات ' حين الزوال '

---

۱؎……تمسک: پکڑنا۔

۲؎……کتاب اقدس کو لازم پکڑو، جسے رحمٰن نے اپنی مقدس طاقت سے اتارا ہے، یہ تمہارے درمیان ایک میزان و ترازو ہے، اس کے ذریعہ قوی و قدیر کی طرف سے سارے اعمال کا وزن کیا جاتا ہے۔

۳؎……جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں کو اس مقام اقدس کی طرف کرو جس کو اللہ تعالی نے ملائے اعلی کے لئے طواف کی جگہ بنایا ہے، اور اہل مدائن کے لے بقاء کا ذریعہ ہے، اور زمین و آسمان والے کے لئے مصدر امر ہے۔ (مصدر: نکلنے کی جگہ)

وفی البکور والاٰصال ' وعفونا عدة اخری ''۔ ۱؎

نماز باجماعت کے لئے یہ عبارت ہے:

'' کتب علیکم الصلٰوة ، فرادی قد رفع حکم الجماعة الا فی صلوة المیت '' ۲؎

نماز سفر کے لئے یہ عبارت ہے:

''ولکم ولهن فی الاسفار اذا نزلتم واسترحتم مقام الأمن مکان کل صلوة سجدة واحدة واذکروا فیها '' سبحان الله ذی العظمة والاجلال والموهبة والافضال '' و الذی عجز ان یقول: '' انه یکفیه بالحق انه لهو الکافی الباقی ا لغفور الرحیم'' و بعد اتمام السجود لکم ولهن ان تقعدوا علی هیئة التوحید ' وتقولوا ثماني عشرة مرة: '' سبحان الله ذی الملک والملکوت'' ۔ ۳؎

حج کے لئے یہ عبارت ہے:

''قد حکم الله لمن استطاع منکم حج البیت دون النساء ، وعفی الله عنهن رحمة من عنده ''۔ ۴؎

---

۱؎......اللہ کی طرف سے جو آیات نازل کی گئی ہیں اس میں تمہارے لئے نماز کی نو(۹) رکعتیں فرض کی گئی ہیں: زوال کے وقت، اور صبح وشام، اور دوسرے وقتوں کی ہم نے معاف کردیں۔

۲؎......تم پر نمازیں تنہا پڑھنا فرض کیا گیا ہے، نماز جنازہ کے علاوہ جماعت کا حکم اٹھالیا گیا ہے۔

۳؎......تم مرد وعورتوں کے لئے حالت سفر میں جہاں کہیں اترو اور آرام اور امن کی جگہ ہو تو ہر نماز کے بدلے ایک سجدہ کافی ہے، اور اس سجدہ میں یہ تسبیح پڑھو: ''سبحان الله ذی العظمة والاجلال والموهبة والافضال '' اور جو اس کے پڑھنے سے عاجز ہو، وہ یہ پڑھ لے: '' انه یکفیه بالحق انه لهو الکافی الباقی الغفور الرحیم '' اور سجدہ کے بعد تمہارے لئے یہ ہے کہ توحید کی ہیئت پر بیٹھ کر اٹھارہ (۱۸) مرتبہ یہ دعا پڑھ لو: ''سبحان الله ذی الملک والملکوت ''۔

۴؎......تم مردوں میں جن کو طاقت ہو ان پر بیت اللہ کا حج فرض ہے، اللہ نے اپنی رحمت سے عورتوں سے حج کو معاف کردیا۔

نکاح کے لئے یہ عبارت ہے:

’’کتب اللّٰہ علیکم النکاح ، ایاکم ان تجاوزوا عن اثنتین ، والذی امتنع بواحدة من الاماء استراحت نفسه ونفسها ، ومن اتخذ بکرا لخدمته لاباس علیه ، وکان الامر من قلم الوحی بالحق مرقوما‘‘۔ [1]

گھر کی صفائی کے لئے یہ عبارت ہے:

’’کتب علیکم تجدید اسباب البیت بعد انقضاء تسع عشرة سنة ، کذلک قضی الامر من لدن علیم خبیر‘‘۔ [2]

## بہائیوں کے یہاں روزہ کے انیس دن اور زکوۃ میں انیس مثقال بہاء اللہ کے لئے ہیں، زنا کی سزا نو مثقال بیت المال میں داخل کرنا وغیرہ

بہائیوں کے یہاں چونکہ مہینہ انیس دن کا ہوتا ہے، اس لئے ان پر انیس ہی رمضان کے روزے فرض کئے گئے۔ اور زکوٰۃ کی بابت لکھا ہے کہ: سو مثقال میں سے انیس مثقال بہاء اللہ کو دیئے جائیں۔ نیز لکھا ہے کہ اگر کوئی عمداً کسی کے گھر کو آگ لگائے تو وہ شخص جلا دیا جائے۔ اگر مرد وعورت زنا کا ارتکاب کریں تو وہ بیت المال میں نو (۹) مثقال سونا داخل کریں۔

---

[1]...... اللہ نے تم پر نکاح کو فرض کیا، نکاح میں دو سے زیادتی پر بچو، (یعنی دو سے زیادہ نکاح نہ کرو) اور جو ایک پر راضی رہے تو یہ دونوں (یعنی مرد اور عورت کے لئے) راحت کا سبب ہے۔ اور جو کسی باکرہ کو خدمت کے لئے رکھے تو کوئی حرج نہیں، اور یہ معاملہ حق کی وحی کے قلم سے لکھا ہوا ہے۔

[2]...... تم پر فرض کیا کہ ہر انیس سال کے بعد گھر کے اسباب وسامان کو بدل دو، ایسا ہی حکم علیم وخبیر کی طرف سے فیصلہ ہوا ہے۔

## بہاء اللہ ان تمام سزاؤں سے مستثنیٰ ہے

متذکرہ بالا احکام کی تعمیل صرف امت کے لئے مخصوص ہے، باقی بہاء اللہ کے لئے تو چونکہ عصمت کبریٰ جو خداوند کریم کے ساتھ مختص ہے مانی جاتی ہے، اس لئے وہ اس سے مستثنیٰ سمجھا جاتا ہے، چنانچہ لکھا ہے:

''اما العصمة الکبری لمن کان مقامه قدسا عن الاوامر والنواهی ومنزها عن الخطأ والنسیان ، انه نور لا تعقبه الظلمة وصواب لایعتریه الخطأ ، لو یحکم علیٰ الماء حکم الخمر و علی السماء حکم الارض وعلیٰ النور حکم النار حق لاریب فیه ، ولیس لاحد ان یعترض علیه ، او یقول لم و بم ، والذی اعترض انه من المعترضین فی کتاب اللّٰه رب العالمین ان لایسئل عما یفعل وهو عن کل یسئلون''
[۱]

## بہائیوں سے ایک سوال

اس میں کلام نہیں کہ جب بہائیوں کے نزدیک بہاء اللہ بندہ ہی نہیں، بلکہ خدا ٹھہرا تو اس کے لئے عبادت کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن ان سے پوچھا جائے کہ اس کے خدا ہونے

---

[۱]...... عصمت کبری (گناہوں سے پاکی) اس کیلئے ثابت ہے جس کا مقام اوامر اور نواہی سے پاک ہے، اور غلطی و بھول سے منزہ ہے، بیشک وہ ایسا نور ہے جس کے بعد ظلمت اور تاریکی نہیں، اور ایسی درستگی ہے جس کے بعد خطا کا امکان نہیں، اگر وہ پانی کو شراب کہہ دے اور آسمان کو زمین کہہ دے، اور نور کو آگ کہہ دے تو یہ یقینی بات ہے، اس میں ذرہ برابر شک کی گنجائش نہیں، اور کسی کے لئے حق نہیں کہ اس پر اعتراض کریں، یا کہے ایسا کیوں اور یہ کیوں؟ اور جو اعتراض کرے گا وہ اللہ رب العالمین کی کتاب پر اعتراض کرنے والا ہوگا، جس کا حق یہ ہے کہ اس کے کسی کام پر اشکال کا حق کسی نہیں اور وہ ہر ایک سے سوال کر سکتا ہے۔

کی کیا دلیل ہے؟ تو جو جو دقتیں عیسائیوں کو عیسیٰ کے خدا ماننے میں پیش آتی رہی ہیں وہ ان کو پیش آئے ہوئے بغیر نہیں رہیں گی، اگر بہاء اللہ خدا ہی تھا خدا نے اس میں حلول کیا تھا تو کیا اس کو اس قدر بھی اقتدار نہیں تھا کہ وہ اپنا ذاتی بچاؤ کر سکے؟ کیا شاہ فارس سے ہزیمت اٹھا کے اس کا ملک بدر کیا جانا، اور عثمانی سلطنت میں اسیرانہ زندگی بسر کرنا، اس میں اس کی خدائی کی کسر شان نہیں تھی؟ اگر بہائیوں کی یہ خاص اصطلاح ہے کہ عاجز بھی خدا بن سکتا ہے، تو پھر سارے بنی آدم خدا ہو جائیں گے کوئی بھی بندہ نہیں رہے گا؟ اس کو کون نہیں جانتا کہ عیسوی شریعت منسوخ کرنے اور بجائے اس کے شریعت اسلام قائم کرنے کی بہت بڑی ضرورت تو یہی تھی کہ عیسائیوں نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو خدا یا خدا کا بیٹا سمجھ کے اپنے دین کو بگاڑ رکھا تھا، پھر اگر بہائی شریعت سے بھی یہی غرض تھی کہ بہاء اللہ خدا سمجھا جائے تو پھر عیسوی شریعت کو منسوخ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ہمیشہ کے لئے یہی شریعت کافی تھی، ﴿وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [1]

یہ تو بہائی شریعت کی توحید تھی۔ باقی بہائی شریعت کے احکام ان کی نسبت ایک بادی النظر سے دیکھنے والا شخص ضرور یہ رائے دے سکتا ہے کہ شریعت بہائی کے اکثر احکام بلحاظ نوعیت شریعت اسلام ہی کے احکام ہیں، البتہ ابلہ فریبی [2] کے لئے ان میں کسی قدر تغیر کیا گیا ہے، اگر شریعت اسی کا نام ہے تو پھر اس میں بہاء اللہ کی کیا خصوصیت؟ ہر ایک

[1] ......سورۂ مؤمنون، آیت نمبر: ۱۱۷۔
ترجمہ: ......اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور خدا کو پکارے، جس پر اس کے پاس کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں، تو اس کا حساب اس کے پروردگار کے پاس ہے، یقین جانو کہ کافر لوگ فلاح نہیں پا سکتے۔
[2] ......ابلہ فریبی: دغا۔ مکر۔ عیاری۔ بہکانا۔ سبز باغ دکھانا۔ بے وقوف بنانا۔

شخص ایسی شریعت کی تالیف کرسکتا ہے۔ گو بابیوں کا دعویٰ ہے کہ شریعت اسلام چونکہ خلاف مصالح زمانہ ہے، اس لئے وہ منسوخ کی گئی اور بجائے اس کے شریعت بہائی نازل کی گئی، مگر ایک مبصر شخص اس پر یہ کہہ سکتا ہے کہ جب لوگ سو روپے میں سے ڈھائی روپیہ بطور زکوٰۃ دینا خلاف مصلحت سمجھ رہے ہیں، تو پھر سو روپیہ میں سے انیس روپیہ بہاء اللہ کو بطور زکوٰۃ دینا کس طرح قرین مصلحت سمجھا جائے گا؟ اس کو کون مصلحت کہہ سکتا ہے کہ جو شخص کسی کا گھر جلا دیوے خواہ چھوٹا سا ہی ہو تو وہ حداً جلایا جاوے، اور اگر کسی نے زنا کیا تو نو مثقال سونا لے کر چھوڑ دیا جائے، پھر جب کنواری لڑکی سے خدمت لینا جائز ہوگا، تو کیا دروازہ زنا کاری کا نہیں کھل جائے گا؟

بلا شک رسول کی پیشین گوئی اپنے وقت پر واقع ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آنحضرت ﷺ قبل از وقت جھوٹے مدعیوں کی پیشین گوئی نہایت ہی صریح و کھلے الفاظ میں کر چکے ہیں: قال صلی اللہ علیہ وسلم : سیکون فی امتی ثلا ثون کذابون کلھم یزعم انه نبی اللّٰه ، رواہ الترمذی۔ [۱]

فقال صلی اللہ علیہ وسلم : ان بین یدی الساعة کذابین فاحذروھم ، رواہ مسلم۔ [۲]

[۱]......ترمذی شریف ص ۴۵ ج ۲، باب ما جاء لا تقوم الساعة حتی یخرج کذّابون ، ابواب الفتن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، رقم الحدیث: ۲۲۱۹۔

ترجمہ:......عنقریب میری امت میں تیس جھوٹے ( مدعی نبوت ) ہوں گے، ہر ایک کا خیال ہوگا کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔

[۲]......مسلم، باب لا تقوم الساعة حتی یمر الرجل بقبر الرجل فیتمنی ان یکون مکان المیت من البلاء ، کتاب الفتن واشراط الساعة۔

ترجمہ:......بیشک قیامت کے قریب جھوٹے ( مدعی نبوت ) ہوں گے، ان سے بچو۔

''متی'':(۱۵/۷) پر جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں، پر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں، انہیں ان کے پھلوں سے پہچانوگے۔کیا کانٹوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں؟

قرنتیوں:(۱۳/۱۱) کیونکہ ایسے لوگ جھوٹے رسول دغاباز کارندہ ہیں، جو اپنی صورتوں کو مسیح کے رسولوں سے بدل ڈالتے ہیں، اور یہ تعجب نہیں کیونکہ شیطان بھی اپنی صورت کو نوری فرشتے سے بدل ڈالتا ہے۔

یوحنا کا پہلا رسالہ ۴/۱ اے پیارو! تم ہر ایک روح کو یقین نہ کرو، بلکہ روحوں کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں، کیونکہ بہت سے جھوٹے پیغمبر نکل آئے ہیں۔

''متی''(۲۴/۲۴) کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھیں گے،اور ایسے بڑے نشان اور کرامتیں دکھاویں گے کہ اگر ہوسکتا تو وہ برگزیدوں کو بھی گمراہ کرتے۔

## سچے کو جھوٹے سے امتیاز کرنے لئے قرآن مقدس بے نظیر کسوٹی ہے

اس میں شبہ نہیں کہ سچے کو جھوٹے سے امتیاز کرنے لئے قرآن مقدس ایک بے نظیر کسوٹی ہے، چنانچہ اس کی عبارت یہ ہے:﴿ وَاِنَّـهُ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ، لَايَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ م بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ط تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴾۔[۱]

پھر اس لازوال کسوٹی پر چڑھانے کے لئے خداوند کریم وقتاً فوقتاً ایک ایسے گروہ کو پیدا کرتا رہتا ہے کہ حق و باطل میں بہت ہی جلد امتیاز کرلیتے ہیں،اور حق کے اظہار میں کسی کی

[۱]......سورۂ فصلت (حمٓ السجدة) آیت نمبر:۴۱/۴۲۔

ترجمہ:......حالانکہ وہ بڑی عزت والی کتاب ہے،جس تک باطل کی کوئی رسائی نہیں ہے، نہ اس کے آگے سے، نہ اس کے پیچھے سے، یہ اس ذات کی طرف سے اتاری جارہی ہے جو حکمت کا مالک ہے، تمام تعریفیں اسی کی طرف لوٹتی ہیں۔

مخالفت کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے ہیں:

**قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم : لا تزال طائفة من امتی علی الحق ظاھرین لایضرُّھم من خذلھم حتی یأ تي امرُ اللّٰہ۔**[1]

## بہائیوں کے رسائل

گو بہاء اللہ ۱۶؍مئی ۱۸۹۶ء میں فوت ہو چکا ہے، تاہم بابی' بہائی اپنی مشترکہ کمپنی یعنی بہائی مذہب کی اشاعت وترویج کے لئے نہایت مستعدی سے جانبازی وکوشش کررہے ہیں، صرف اس غرض کی تکمیل کے لئے انہوں نے جابجا انجمنیں قائم کررکھی ہیں، ان انجمنوں کو مذہبی مرکز قرار دے کر مختلف وجوہ سے مذہبی تلقین ودعوت کی جاتی ہے، اور مختلف پہلوؤں وعنوانات پر رسائل تحریر کر کے ہر ایک قوم کے سامنے پیش کررہے ہیں۔ چنانچہ شہر رنگون واقع ملک برہما میں چند مدت سے ایک انجمن بنام انجمن اشاعت بہائیاں قائم کی گئی ہے۔ اس انجمن کے سرپرست بالفعل حکیم مرزا محمود صاحب ایرانی وسید مصطفیٰ صاحب رومی ہیں، اس انجمن میں وقتاً فوقتاً بہائی مذہب کے متعلق بحث کی جاتی ہے، اور گاہے گاہے اس مذہب کے متعلق رسائل بھی تحریر کر کے ان کی اشاعت کی جاتی ہے، ان رسائل میں سے اس وقت میرے سامنے تین رسالے موجود ہیں: عروج ونزول۔ ریویلیشن آف بہاء اللہ۔ جواب لیکچر قادیانی۔ اول الذکر میں سوائے دعوت کے اصول' مذہب واحکام سے بالکل

---

[1]......ترمذی، باب ما جاء فی الائمة المضلّین ، ابواب الفتن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، رقم الحدیث:۲۲۲۹۔

ترجمہ:......آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اور وہ اپنے اعداء پر غالب ہوں گے، انہیں کسی کے اعانت ترک کردینے سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔ (جامع ترمذی مترجم ص ۲۸ ج ۲، دارالاشاعت کراچی)

خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ البتہ ثانی وثالث میں اس امر کے ثبوت میں کوشش کی گئی ہے کہ بارہ سو ساٹھ برس گزرنے پر شریعت اسلام منسوخ ہوگئی، اور بابی و بہائی مذہب کا دور دورہ شروع ہوگیا۔ بابی مذہب کا بانی علی محمد باب و بہائی مذہب کا بانی بہاء اللہ ہے باب کی نسبت لکھا گیا ہے کہ وہ مہدی موعود ہے اور بہاء اللہ کی نسبت لکھا گیا ہے کہ وہ مسیح موعود ہے۔ ان دونوں رسالوں میں اس دعوے کے ثبوت میں قرآن وحدیث و بائیبل سے چند شہادتیں پیش کی گئی ہیں، چونکہ ان دونوں رسالوں میں عوام کو گمراہ کرنے و پھانسنے کے لئے سخت مغالطّوں اور دھوکوں سے کام لیا گیا ہے۔ اس لئے بلحاظ ہمدردی اسلام ان کے جواب کے لئے میں نے تا حدامکان کوشش کی ہے، اتماما للحجة و نصحا لأمة و تنويها للملة ،[۱] خداوند کریم میری اس ناچیز کوشش کو قبول فرمادے، آمین۔

## ایک ہزار سال کے بعد شریعت اسلام منسوخ ہوگئی، اس دعوی کا جواب

حکیم مرزا محمود صاحب نے جواب لیکچر قادیانی میں قولہ تعالیٰ ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ [۲] کو نقل کرکے ذیل میں لکھا ہے کہ: امر سے مراد شریعت اسلام ہے، شریعت اسلام کی تدبیر آنحضرت ﷺ کی بعثت سے تیسری صدی کے درمیانی حصے تک رہی، اس کے بعد جب ایک ہزار برس جو خدا کے نزدیک ایک دن شمار کیا جاتا ہے گذر گئے تو یہ شریعت اٹھادی گئی،

---

[۱]...... حجت کو پورا کرنے اور قوم کی خیر خواہی، اور ملت کو (ڈنکے کی چوٹ' بلند آوازے سے) پکارنے کے لئے۔

[۲]......سورۂ سجدہ، آیت نمبر: ۵۔

ترجمہ:...... وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر کام کا انتظام خود کرتا ہے، پھر وہ کام ایک ایسے دن میں اس کے پاس اوپر پہنچ جاتا ہے جس کی مقدار تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار سال ہوتی ہے۔

یعنی دوسوساٹھ سال ہجری تک جو ائمہ اثنا عشر کا عہد تھا شریعت اسلام کی تدبیر ہوتی رہی، بعد اس کے ایک ہزار سال گذرنے پر یہ شریعت منسوخ ہوگئی، اور بابی شریعت کا دور دورہ شروع ہوگیا۔

اقول:...... جب خود غرضی کا حجاب دل پر پڑ جاتا ہے تو پھر حق و باطل میں امتیاز نہیں رہتا ہے ''حُبُّکَ الشَّیْءِ یُعْمِيْ وَیُصِمُّ'' [۱] مرزا صاحب نے آیت صدر سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے، آیت کسی وجہ سے اس کی متحمل نہیں ہوسکتی۔

## قرآن کریم میں امر کے معنی

اولاً:...... جو شخص کلام الٰہی کے مذاق سے واقف ہے وہ بخوبی اس امر کو سمجھ سکتا ہے کہ قرآن مقدس میں ''امر'' چند معنوں میں مستعمل ہوا ہے:

کبھی بمعنی شیٔ، کما فی قولہ تعالیٰ﴿ تَنَزَّلَ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ مِنْ کُلِّ اَمْرٍ ﴾۔[۲]

اور کبھی بمعنی حکم، کما فی قولہ تعالیٰ﴿ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ ﴾۔[۳]

اور کبھی بمعنی شریعت، کما فی قولہ تعالیٰ﴿ وَاٰتَیْنٰھُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ﴾۔[۴]

---

۱...... ابوداوٗد، باب فی الھوی، کتاب الادب، رقم الحدیث: ۵۱۳۰۔

ترجمہ:...... (بعض مرتبہ) چیز کی محبت آدمی کو اندھا اور بہرا کردیتی ہے۔

۲...... سورۂ قدر، آیت نمبر: ۴۔

ترجمہ:...... اور اس میں فرشتے اور روح اپنے پروردگار کی اجازت سے ہر کام کے لئے اترتے ہیں۔

۳...... سورۂ مریم، آیت نمبر: ۶۴۔

ترجمہ:...... اور (فرشتے تم سے یہ کہتے ہیں کہ) ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر اتر کر نہیں آتے۔

۴...... سورۂ جاثیہ۔ آیت نمبر: ۱۷۔

ترجمہ:...... اور انہیں کھلے کھلے احکام دیئے تھے۔

پس آیت کریمہ میں ''امر'' یا تو بمعنی شریعت ہوگا یا بمعنی شئی وحکم ہوگا، اگر بمعنی شریعت ہے جیسے مرزا صاحب کا خیال ہے تو آیت کریمہ کے یہ معنی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً آسمان سے زمین تک شریعت کا انتظام کرتا رہتا ہے، پھر جب وہ دن آجائے گا جس کی مقدار دنیا کے ہزار برس کی ہوگی تو یہ شریعت اٹھ جائے گی، اور اگر بمعنی شئی یا حکم ہے تو یہ معنی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً آسمان سے زمین تک ہر ایک شئے کا انتظام یا ہر ایک دنیوی حکم کا نفاذ کرتا رہے گا، پھر جب وہ دن آجائے گا جس کی مقدار ہزار سال کی ہوگی تو چونکہ اس دن دنیا کے تمام کارخانے درہم برہم ہوجائیں گے، اس لئے یہ انتظام یا نفاذ اللہ کی جانب اٹھ جائے گا، یعنی موقوف کردیا جائے گا۔

ایک ذی بصیرت شخص ان دونوں توجیہوں پر غور کرنے کے بعد یہ شہادت دے سکتا ہے کہ اول الذکر توجیہ آیت سے چسپاں نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ ظاہر ہے کہ لفظ ''یدبر'' صیغۂ مضارع ہے، اور مضارع حدوث وتجدد پر دلالت کرتا ہے، پس اگر ''امر'' سے مراد شریعت ہوگی تو آیت کے یہ معنیٰ ہوں گے کہ: اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً اس شریعت کی تدبیر و انتظام ہزار سال والے دن تک کرتا رہے گا، مگر جب قولہ تعالیٰ ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ﴾[۱] نے اس امر کی تصریح کردی کہ آنحضرت ﷺ کے انتقال کے قُبیل اس دین کی اللہ تعالیٰ نے تکمیل کردی تو پھر یہ خیال کرنا کہ اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً اس شریعت کا انتظام ہزار سال والے دن تک کرتا رہے گا بالکل بے معنی ہوگا، پس طوعاً و کرہاً[۲] یہی تسلیم کرنا پڑے گا کہ امر سے مراد یہاں بمعنی شئی یا حکم ہے، چنانچہ قولہ تعالیٰ

[۱]......سورۂ مائدہ، آیت نمبر:۳۔

ترجمہ:......آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا، (اور) تم پر اپنی نعمت پوری کردی۔

[۲]......طوعاوکرہا: خوشی سے ناخوشی (جبرا) سے۔

﴿ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ ز وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِیَدِکَ الْخَیْرُ ﴾ الی قولہ : بِغَیْرِ حِسَابٍ ۔[۱]

وقولہ تعالیٰ ﴿ فِیْھَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ ، اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ﴾ ۔[۲] وغیرہ بیسیوں آیتیں اس پر شاہد ہیں۔

ثانیاً: ......اگر تسلیم ہی کیا جائے کہ ''امر'' یہاں بمعنی شریعت ہی ہے، مگر آیت سے صرف اس قدر ثابت ہوگا کہ اس شریعت کی تدبیر ہزار سال والے دن تک ہوتی رہے گی، اور مرزا صاحب کا یہ مدعا تھا کہ اس شریعت کی تدبیر دوسو ساٹھ سال تک ہوتی رہی، وبینھما بون بعید، نیز اس شریعت کی تدبیر تو آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں ہو چکی تھی، چنانچہ قولہ تعالیٰ ﴿ الیوم اکملت لکم دینکم ﴾ اس پر شاہد ہے۔ پھر ائمہ کے زمانے میں اس کی کیسی تدبیر ہوئی، کیا ان کے اوپر بھی وحی نازل ہوتی تھی کہ بذریعہ اس کے شریعت کی تدبیر کی گئی؟

ثالثاً: ...... یہ امر تنقیح طلب ہے کہ آیت کریمہ میں ''فی یوم'' کا تعلق کس سے ہے ''یدبر'' سے یا ''یعرج'' سے یا دونوں سے، قرآن مقدس کی اور آیتوں پر غور کرتے ہوئے اس امر کا

---

[۱]......سورۂ ال عمران، آیت نمبر:٢٦/٢٧۔

ترجمہ:......تو جس کو چاہتا ہے اقتدار بخشتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے اقتدار چھین لیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے رسوا کر دیتا ہے، تمام تر بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اور تو ہی ہے بے جان چیز میں سے جاندار کو برآمد کرتا ہے اور جاندار میں سے بے جان چیز نکال لاتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

[۲]......سورۂ دخان، آیت نمبر:۴/۵۔

ترجمہ:......اسی رات میں ہر حکیمانہ معاملہ ہمارے حکم سے طے کیا جاتا ہے۔

یقین کیا جاسکتا ہے کہ لفظ ''یدبر'' سے ''فی یوم'' کا تعلق کسی طرح نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ اس کا تعلق اگر لفظ ''یدبر'' سے ہوتا تو ضرور تھا کہ قولہ تعالیٰ ﴿ یدبر الامر یفصل الایات ﴾ اور قولہ تعالیٰ ﴿ یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ﴾ ''ومن یدبر الامر'' میں بھی لفظ ''یدبر فی یوم کان مقدارہ الف سنة مماتعدون'' سے مقید کیا جاتا، پس لامحالہ ہی یہی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ''فی یوم'' کا تعلق صرف لفظ ''یعرج'' سے ہے چنانچہ قولہ تعالیٰ ﴿ تَعْرُجُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴾[1] اس پر شاہد ہے۔ بنابراس کے آیت سے صرف اس قدر ثابت ہوگا کہ یوم عروج ایک ہزار سال کا ہوگا، باقی تدبیر امر کتنے زمانے تک ہوتی رہے گی، اس کا تعین آیت سے ہرگز نہیں ثابت ہوسکتا ہے۔

## یوم آخرت ایک ہزار سال کا یا پچاس ہزار سال کا، اور اس میں تطبیق

البتہ یہاں یہ شبہ پیدا ہوگا کہ آیت صدر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یوم عروج امر ایک ہزار سال کا ہوگا اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نہیں پچاس ہزار سال کا ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں سے اللہ تعالیٰ کو صرف اس دن کی طوالت بیان کرنا مقصود ہے، اس کی مقدار کی تحدید مقصود نہیں ہے، پس یہ دن کافروں کو پچاس ہزار سال کا اور معذب مؤمنوں کو ایک ہزار سال کا معلوم ہوگا۔ باقی غیر معذب مؤمنوں کو تو صحیح حدیث میں تصریح ہے کہ ایک فرض نماز کے وقت سے بھی کمتر معلوم ہوگا۔ الحاصل حسب مصائب و

---

[1]......سورۂ معارج، آیت نمبر ۴۔

ترجمہ:......فرشتے اور روح القدس اس کی طرف ایک ایسے دن میں چڑھ کر جاتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

آلام جہنمی اس کی طوالت کو محسوس کریں گے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ شب فرقت کی طوالت شب وصال پر بلحاظ مقدار ہوتی ہے؟ بلکہ اول الذکر بلحاظ آلام ومصائب طویل خیال کی جاتی ہے۔

نیز یہاں یہ خلجان بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگلی آیت میں تو اللہ تعالیٰ نے عروج کی نسبت امر کی جانب کردی ہے اور پچھلی آیت میں فرشتے اور روح کی جانب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ امر کا انتظام اللہ تعالیٰ بذریعۂ فرشتوں کے کیا کرتا ہے، چنانچہ قولہ تعالیٰ ﴿ تنزل الملئكة والروح فيها باذن ربهم من كل امر ﴾ اس پر شاہد ہے۔ بناءً علیہ دونوں عروج میں تلازم ہوگا یعنی ایک کا عروج دوسرے کے عروج کو مستلزم ہوگا پس ایک کے ذکر سے دوسرا مفہوم ہوگا۔

رابعاً: یہ یقینی امر ہے کہ اس یوم سے مراد یوم قیامت ہے، اس لئے کہ مؤخر الذکر آیت میں جو یوم واقع ہے وہ یہی یوم ہے، اور اس کی توضیح اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے ﴿ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيْدًا وَ نَرٰهُ قَرِيْباً ، يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ، وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ، وَلَايَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ، يُبَصَّرُوْنَهُمْ ط يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْيَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ م بِبَنِيْهِ ﴾ الاٰية۔[1]

اور یہ نہایت ہی واضح ہے کہ اوصاف مذکورہ قیامت ہی کے دن کے لئے ثابت ہیں، پس اگر یوم عروج کو شریعت کا زمانہ تسلیم کیا جائے گا، جیسے بابیوں کا خیال ہے تو ماننا پڑے گا

---

[1]......سورۂ معارج، آیت نمبر: ۶ تا ۱۱۔

ترجمہ:...... یہ لوگ اسے دور سمجھ رہے ہیں، اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں، (وہ عذاب) اس دن ہوگا جب آسمان تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوجائے گا، اور پہاڑ رنگین روئی کی طرح ہوجائیں گے، اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کو پوچھے گا بھی نہیں، حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دکھا بھی دیئے جائیں گے۔ مجرم یہ چاہے گا کہ اس دن کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنے بیٹے فدیہ میں دیدے۔

کہ قیامت میں ہی شریعت کا نفاذ ہوگا، وھو باطل باتفاق الملل والنحل کلھا۔

خامساً:......اگر آنحضرت ﷺ کی شریعت کے بعد بھی کوئی شریعت تسلیم کی جائے گی تو لازم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین نہ ہوں، حالانکہ اللہ سبحانہ فرماتا ہے ﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ﴾ الآیة۔ [۱]

اور ''ابوداؤد'' و ''ترمذی'' کی حدیث میں ہے: انا خاتم النبیین لا نبي بعدي۔ [۲]

اور ''بخاری ومسلم'' کی حدیث میں ہے: وانا العاقب والعاقب الذی لیس بعده نبي۔ [۳]

اور مسلم کی حدیث میں ہے: اُرسِلتُ الی الخَلقِ کافة، وخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّونَ۔ [۴]

آنحضرت ﷺ نے اپنی خاتمیت کو ایک دلچسپ مثال میں اظہار فرمایا ہے: فی الصحیحین : مثلی ومثل الانبیاء کمثل قصر احسن بنیانه ' ترک منه موضع لبنة '

---

[۱]......سورۂ احزاب، آیت نمبر: ۴۰۔

ترجمہ: (مسلمانو!) محمد (ﷺ) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں، اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔

[۲]......ابوداؤد ص ۵۸۴ ج ۲، باب ، رقم الحدیث:۔

ترمذی ص ۴۵ ج ۲، باب ما جاء لا تقوم الساعة حتی یخرج کذابون ، ابواب الفتن ، رقم الحدیث: ۲۲۱۹۔

ترجمہ:......میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی (کسی قسم کا) نبی نہیں ہوگا۔

[۳]......متفق علیہ، مشکوۃ، باب اسماء النبی صلی اللہ علیه وسلم وصفاته۔

ترجمہ: اور میرا نام 'عاقب' بھی ہے یعنی وہ شخص کہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔ (مظاہر حق ص ۳۳۶ ج ۵)

[۴]......مسلم، مشکوۃ، باب سید المرسلین صلی اللہ علیه وسلم۔

ترجمہ: ساری مخلوق کے لئے مجھے نبی بنا کر بھیجا گیا، اور نبوت ورسالت کا سلسلہ مجھ پر ختم کیا گیا۔
(مظاہر حق ص ۳۱۴ ج ۵)

فطاف به النظار يتعجبون من حسن بنيانه الا موضع تلك اللبنة ' فكنت انا سددت موضع اللبنة ختم بی البنيان وختم بی الرسل۔ [1]

علاوہ اس کے اور بھی بہت سی حدیثیں صحاح وغیرہ میں موجود ہیں جن سے قطعاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے، [2] اگر آپ کے بعد بھی کوئی نبی ہوگا تو ضرور قرآن مقدس کی آیات و احادیث میں تعارض واقع ہوگا، جو کلام الٰہی کی شان سے نہایت ہی بعید ہے۔

یوحنا: (۱۶/۱۴) میں ہے: اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا وہ تمہیں دوسرا تسلی دینے والا بخشے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے یعنی اس کی شریعت۔

زبور: (۲/۴۵) میں ہے: تو حسن میں بنی آدم سے کہیں زیادہ ہے، تیرے ہونٹوں میں لطف بتایا گیا ہے، اس لئے خدا نے تجھ کو ابد تک مبارک کیا۔

## کیا اسلام موجودہ زمانہ کے ساتھ نہیں چل سکتا؟

اگر کوئی شخص تعلیم الٰہی کو نظر انداز کر کے صرف فلسفیانہ لہجہ میں یہ کہنا چاہے کہ اس وقت کا

[1]...... متفق علیہ، مشکوۃ، باب سید المرسلين صلى الله عليه وسلم۔
ترجمہ:...... میری اور دوسرے تمام انبیاء (علیہم السلام) کی مثال اس محل کی سی ہے جس کے در و دیوار نہایت شاندار اور عمدہ ہوں، لیکن اس دیوار میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی ہو، اور جب لوگ اس محل کے گرد پھر کر عمارت کو دیکھیں تو عمارت کی شان و شوکت اور در و دیوار کی خوشنمائی انہیں حیرت میں ڈال دے، مگر ایک اینٹ کے بقدر اس خالی جگہ کو دیکھ کر انہیں سخت تعجب ہو، پس میں اس اینٹ کی جگہ کو بھرنے والا ہوں، اس عمارت کی تکمیل میری ذات سے ہوئی ہے، اور انبیاء و رسل (علیہم السلام) کے سلسلہ کا اختتام مجھ پر ہو گیا ہے۔ (مظاہر حق ص ۱۳۱۱ ج ۵)

[2]...... تفصیل کے لئے دیکھئے! حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''ختم نبوت'' کامل ہر سہ حصہ ص ۲۰۲۔

طرز معاشرت بارہ سو پچاس ہجری سے قبل کے طرز معاشرت سے بالکل جداگانہ ہے، اس لئے اس وقت کے احکام موجودہ وقت کے طرز معاشرت کے لئے موزوں نہیں ہو سکتے۔

تو اس کی خدمت میں ہماری یہ عرض ہے کہ جس طرح اس شریعت کے اور صدہا اعجاز ہیں، اسی طرح اس کا ایک یہ بھی معجزہ ہے کہ باوجودیکہ قیامت تک زمانہ میں تغیرات ہوتے رہتے ہیں تاہم اس شریعت کے احکام ہر ایک زمانے کی نسبت نہایت ہی موزوں سمجھے جاتے ہیں، حالانکہ ان احکام کے نزول پر تقریباً آج تیرہ سو سے اوپر سال گزر چکے، تاہم انکا اگر موازنہ موجودہ وقت کے حالات سے کیا جائے تو یوں ہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ احکام موجودہ وقت ہی کے لئے مرتب کے گئے ہیں۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس زمانے میں توحید کی ضرورت نہیں ہے، یا مسئلہ توحید کا جس کو آج مسلمان مان رہے ہیں قابل اصلاح ہے، یا خداوند کریم کے ساتھ نسبت عبودیت کی قائم رکھنے کے لئے پنج اوقات فرصت میں نماز پڑھنا غیر موزوں کہا جا سکتا ہے؟ یا سو روپیہ میں سے جس سے سال بھر نفع اٹھایا گیا ہو بذریعۂ ڈھائی روپیہ کے کسی فلاکت رسیدہ یا خادم اسلام کے ساتھ احسان کرنا غیر موزوں ہوسکتا ہے؟ یا نفس کو مہذب بنانے و بندگان خدا کی ناداری احساس کرنے کے لئے کامل ایک مہینے کا روزہ رکھنا غیر موزوں ہوسکتا ہے؟ یا عمر بھر میں بشرط استطاعت اسلام کی قدیم یادگاروں کی زیارت کرنا اور مسلمانوں کا ایک جگہ مجتمع ہو کے باہمی مبادلۂ خیال کرنا غیر موزوں ہوسکتا ہے؟ یا زناکاری کے قابل نفرت طریق کو روکنے کے لئے کسی زجر بخش سزا کا قائم کرنا غیر موزوں ہے؟ یا شراب خوری کے سلسلہ کو بند کرنے کے لئے جو عقل و مال کے ازالے کے لئے ایک مسلم الثبوت سبب ہے، کسی تعزیر کا معین کرنا غیر موزوں ہے؟

میری دانست میں احکام شرعیہ کی غیر موزونیت کے خیالات ان لوگوں کے دل ودماغ سے پیدا ہوتے رہتے ہیں کہ جن کو ترفّہ وراحت طلبی نے کسی کام کا نہیں رکھا ہے۔ درحقیقت یہ ایک حل طلب مسئلہ ہے، حالانکہ گزشتہ صدیوں میں جب اسلام کا اقبال اوج پر تھا تب نہ مسلمانوں نے شریعت اسلام کے احکام کو چھوڑا، اور نہ ان کے متعلق ان کی زبان سے کوئی حرف شکایت صادر ہوا، اس کو کون نہیں جانتا کہ بڑے بڑے نامور سلاطین جن کی سطوت وشوکت نے تمام دنیا کو ہلا دیا تھا ہر حالت میں احکام شرعیہ کے کاربند رہے۔ سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ ونورالدین زنگی وشیر دل صلاح الدین کے کارناموں کو کون نہیں مانتا مگر انہوں نے بھی احکام شرعیہ کی پابندی کو اپنے لئے مایۂ فخر سمجھ رکھا تھا۔ مگر آج تنزل کے زمانے میں جب مسلمانوں کی عظمت خاک میں مل چکی ایک گروہ مسلمانوں کا اسلامی احکام کو خلاف مصلحت زمانہ خیال کر کے ایک آزاد مذہب کا خواہشمند ہو رہا ہے۔ میرا قیاس اگر صحیح ہے تو اس کی یہی وجہ ہے کہ اس شریعت کا زیادہ تعلق روحانیت سے ہے چونکہ گذشتہ مسلمانوں میں روحانیت ایک اعلی پیمانہ پر پائی جاتی تھی اس لئے وہ احکام شرعیہ کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے بخلاف ان مسلمانوں کے چونکہ ان میں مادیت غالب ہے اس لئے وہ ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔

باقی یہ تو کوئی کہہ ہی نہیں سکتا کہ چونکہ اس شریعت کے احکام وحدود میں اگلی شریعتوں کی طرح تغیر وتبدل ہوگیا ہے، اس لئے یہ دستور العمل کے قابل نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اس کی حفاظت ونگہبانی خداوند کریم کے ذمے میں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ ﴾[1]

[1] ترجمہ:...... حقیقت یہ ہے کہ یہ ذکر (یعنی قرآن کریم) ہم نے ہی اتارا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (سورۂ حجر، آیت نمبر: ۹)

البتہ امتداد زمانہ کی وجہ سے بعض کور باطن شورہ پشت اس شریعت کی ابدی روشنی مٹانے کے لئے کبھی کچھ سازش کر گزرتے ہیں، مگر خداوند کریم فوراً ایک ایسے مدبر حقیقت شناس شخص کو پیدا کر دیتا ہے کہ وہ حق و باطل میں امتیاز ثابت کر کے اسلام کی تجدید کر دیتا ہے، جس سے مطلع اسلام ہمیشہ بے لوث رہتا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ان اللّٰہ یبعث لهذه الامة علی رأس کل مائة سنةٍ مَن یجدِّدُ لها دینها ، رواه ابوداؤد [۱]

بابیوں کا یہاں یہ شبہ بھی قابل ذکر ہے، سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ خاتم تو تھے مگر صرف نبیوں کے خاتم تھے رسولوں کے نہیں، پس اگر آپ کے بعد بھی کوئی رسول ہو تو آپ کا خاتم النبیین ہونا اس کے منافی نہیں ہوسکتا۔

مگر یہ شبہ بالکل غلط فہمی پر مبنی ہے، اس لئے کہ یہ ایک مسلم امر ہے کہ رسول ہونے کے واسطے نبی ہونا لازم ہے، اس لئے کہ رسول کہتے ہیں پیغام پہنچانے والے کو، اور نبی وہ ہے جس کو بذریعہ وحی خبر دی گئی ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ رسول پیغام ادا نہیں کرسکتا جب تک کہ بذریعۂ وحی اس کو خبر نہ دی گئی ہو، بخلاف نبی کے کہ اس کے لئے رسول ہونا ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ بذریعہ وحی خبر کئے جانے کے لئے اس کا پیغام کرنا ضروری نہیں ہے۔ بنا بر اس کے رسول خاص ہوا اور نبی عام، اور جو عام کا سلسلہ ختم کرنے والا ہوگا وہ ضرور خاص کا سلسلہ بھی ختم کر دے گا۔

منطقیوں کا یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے کہ: عام کے انتفا سے خاص کا انتفا ہو جاتا ہے، حیوان

---

[۱]......ابوداؤد ص ۲۳۳ ج ۲، باب ما یُذکر فی قرن المئة ، اول کتاب الملاحم ، رقم الحدیث: ۴۲۹۱۔

ترجمہ:......اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر سو برس پر ایک شخص کو بھیجتا ہے، جو اس کے دین کو تازہ کرتا ہے۔
(الرفیق الفصیح ص ۳۷۴ ج ۳)

کی نفی کرنے سے انسان کی نفی ہو جاتی ہے، چونکہ نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے سے رسولوں کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کی ایک حدیث میں تصریح بھی کردی تاکہ کسی کو شبہ کی گنجائش نہ رہے: فی الصحیحین ' قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم : ختم بی البنیان وختم بی الرسل[۱]

گرنہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب راچہ گناہ [۲]

## لطیفہ: آپ ﷺ نے "لانبی بعدی" فرمایا "لانبية بعدي" نہیں فرمایا

ایک عورت نے دعویٰ نبوت کا کیا تھا، جب اس سے کہا گیا کہ چونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے "لا نبی بعدی" یعنی میرے بعد نبی نہیں ہے، اس لئے تیرا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہوسکتا، اس نے جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ نے "لانبی بعدی" فرمایا "لانبية بعدي" تو نہیں فرمایا۔[۳]

## حدیث: "عمر الدنیا سبعة ایام" بچند وجوہ ناقابل استدلال ہے

رہی حدیث: عمر الدنیا سبعة ایام و بعثت انا فی اٰخر الیوم السادس وان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون۔ جو ریویلیشن میں مذکور ہے یہ بچند وجوہ ناقابل استدلال ہے۔

---

[۱]...... متفق علیہ، مشکوۃ، باب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔
ترجمہ:...... اس عمارت کی تکمیل میری ذات سے ہوئی ہے، اور انبیاء ورسل (علیہم السلام) کے سلسلہ کا اختتام مجھ پر ہوگیا ہے۔ (مظاہر حق ص ۱۱۳ ج ۵)

[۲]...... اگر چمگادڑ کی آنکھ آفتاب کی روشنی نہ دیکھ سکے تو اس میں آفتاب کا کیا قصور؟

[۳]...... فتح الباری شرح بخاری۔ ختم نبوت کامل ص ۲۱۸۔

اولاً:......اس حدیث کی صحت پر کیا سند ہے؟ بدون صحت سند نقلیات پر وثوق نہیں کیا جاتا۔

ثانیاً:......اگر اس کی صحت تسلیم بھی کی جائے تاہم چونکہ یہ حدیث قولہ تعالٰی : ﴿ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا ط قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ج لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ ﴾[۱] کے معارض ہے، اس لئے اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

ثالثاً:......اس حدیث کا مفاد صرف اتنا ہی ہے کہ دنیا کا دورہ سات ہزار سال گزرنے پر ختم ہوجائے گا، باقی یہ بات کہ سات ہزار سال کے بعد دوسرا نبی مبعوث ہوگا یا دوسری شریعت نازل ہوگی یہ حدیث سے نہیں ثابت ہوسکتا۔

رابعاً:......واقعہ خود حدیث کی تکذیب کررہا ہے، اس لئے کہ حدیث سے اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ سات ہزار سال گزرنے پر آخرت آجائے گی، اس لئے کہ دنیا کے بعد آخرت ہی ہے، حالانکہ ایک حساب سے سات ہزار سال گزر چکے، مگر قیامت نہیں آئی۔

خامساً:......آنحضرت ﷺ کی بعثت کب ہوئی؟ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ چھٹے ہزار کے اخیر میں ہوئی۔ اور بعض کا یہ قول ہے کہ چار ہزار چھ سو بارہ سال گزرنے پر ہوئی۔ واقعات پر غور کرتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ مؤخر الذکر قول صحیح ہے، اس لئے کہ پیدائش آدم سے چار ہزار سال گزرنے پر عیسی (علیہ السلام) پیدا ہوئے اور عیسی (علیہ السلام) کی پیدائش سے چھ سو بارہ سال گزرنے پر آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے، بنا بر اس کے، قولہ وبعثت انا فی الیوم السادس، مشکوک ہوگیا، اور مشکوک قابل استدلال نہیں ہوسکتا۔

---

[۱]......سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۱۸۷۔

ترجمہ:......(اے رسول!) تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب برپا ہوگی؟ کہہ دو کہ: ''اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے، وہی اسے اپنے وقت پر کھول کر دکھائے گا، کوئی اور نہیں''۔

ریویلیشن میں ہے کہ: اسلامی کتابوں میں لکھا ہے کہ بارہویں امام کے انتقال کے بعد جس کو علمائے فن تاریخ عرب ۲۶۰ھ متفق علیہ قبول کرتے ہیں علاوہ ایک ہزار سال اور گزرتے ہی حضرت امام مہدی ظاہر ہوں گے اور ان کے ظہور سے امت محمدی کا وقت پورا ہوجائے گا، اور تمام دنیا پر غالب رہنے والی خدا کی نئی بادشاہت اچانک آجائے گی، الخ۔

## حضرت مہدی رضی اللہ عنہ

اقول:......قبل اس کے اس قول پر بحث کی جائے بطور تمہید میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ مہدی کی نسبت اہل سنت والجماعت واہل تشیع کا کیا خیال ہے؟ یہ تو ظاہر ہے کہ مہدی موعود (رضی اللہ عنہ) کا ذکر قرآن میں نہ صراحۃً ہے نہ اشارۃً، ان کا ذکر اگر ہے تو صرف احادیث ہی میں ہے۔ چونکہ مہدی (رضی اللہ عنہ) کا ثبوت احادیث ہی سے ہے، اس لئے مہدی (رضی اللہ عنہ) کے متعلق جو صحیح حدیث پیش کی جائے گی وہ قابل صحت سمجھی جائے گی۔

احادیث میں نہایت وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ مہدی (رضی اللہ عنہ) کس کی اولاد سے ہوں گے، ان کا حلیہ ان کے والد کا کیا نام ہوگا، ان کے ہاتھ پر اول کہاں بیعت کی جائے گی، اور سب سے پہلے ان کی کون لوگ بیعت کریں گے، اور وہ کونسی شریعت کے پابند ہوں گے، اور ان کی فرمانروائی کب تک باقی رہے گی؟

مہدی موعود (رضی اللہ عنہ) حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کی اولاد سے ہوں گے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم : المھدی من عِترتی' من ولد فاطمۃ ، رواہ ابوداؤد ۔[1]

---

[1]......بذل المجهود فی حل سنن ابی داؤد ص۳۲۷ ج۱۲، باب : فی ذکر المهدی ، اول کتاب المهدی ، رقم الحدیث: ۴۲۸۴ ۔(دار البشائر الاسلامیه)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی اور بھی توضیح کر دی ہے، حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کو دیکھ کر آپ نے فرمایا تھا:

’’ان ابنی هذا سيدٌ ، كما سمّاه النبی صلى الله عليه وسلم ، وسيخرُج من صُلبه رجل يسمَّى باسم نبيكم ، يُشْبِهُهُ فی الخُلُق ، ولا يُشبهُه فی الخَلْق ، رواه ابوداؤد۔ [۱]

ان کی پیشانی کشادہ‘ ان کی ناک اوپر سے اٹھی ہوئی‘ اور درمیان کسی قدر چپٹی ہوگی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: المهدی منِّی اجلَى الجَبهة‘ اَقْنَى الْاَنفِ‘ يملأ الارض قِسطا وعدلا كما ملئت ظلما وجورا‘ يملِک سبع سنينَ، رواه ابوداؤد۔ [۲]

ان کا نام محمدؐ اور ان کے والد کا نام عبداللہ ہوگا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: لولم يبق من الدنيا الا يوم‘ لطوّل اللّٰه ذلک اليومَ‘ حتی يبعث رجلا منی يواطئ اسمه اسمی‘ واسم ابيه اسم ابی يملأ الارض قِسطا و عدلا‘ كما مُلئت ظلما وجورا ، رواه ابوداؤد ۔[۳]

ان کی بیعت مکہ معظّمہ میں حجر اسود و مقام ابراہیم کے درمیان ہوگی۔ اور سب سے اول ان کی بیعت اہل مکہ کریں گے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

يكون اختلافٌ عند موت خليفةٍ ، فيخرُج رجل من اهل المدينة هاربًا الى مكةَ ،

---

[۱]......بذل المجهود فی حل سنن ابی داؤد ص۳۳۲ ج۱۲، باب : فی ذكر المهدی ، اول كتاب المهدی ، رقم الحديث: ۴۲۹۰۔(دار البشائر الاسلاميه)

[۲]......بذل المجهود فی حل سنن ابی داؤد ص۳۲۸ ج۱۲، باب : فی ذكر المهدی ، اول كتاب المهدی ، رقم الحديث: ۴۲۸۵۔(دار البشائر الاسلاميه)

[۳]......بذل المجهود فی حل سنن ابی داؤد ص۳۲۵ ج۱۲، باب : فی ذكر المهدی ، اول كتاب المهدی ، رقم الحديث: ۴۲۸۲۔(دار البشائر الاسلاميه)

فیأتیه ناسٌ من اهل مکةَ ، فیُخرِجونهُ ' وهو کارهٌ ' فیبایعونه بین الرُّکن و المقامِ ، رواه ابوداؤد۔[۱]

اور وہ شریعت اسلام کے متبع ہوں گے، اوران کی حکومت سات برس تک قائم رہے گی، پھران کی وفات علی الفراش ہوگی، اور جب وفات ہوگی تو ان کے جنازے کی نماز مسلمان ہی پڑھادیں گے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

یعمل فی الناس بسنة نبیهم، ویُلقِی الاسلامُ بجِرَانِه الی الارض، فیلبثُ سبعَ سنین ، ثم یُتوفّٰی ویُصلی علیه المسلمون ، رواه ابوداؤد ۔[۲]

یہ علامتیں جن کو آنحضرت ﷺ نے صریح الفاظ میں بیان فرمایا ہے، چونکہ یہ مہدی موعود (رضی اللہ عنہ) کی تشخیص کے لئے کافی سمجھی جاتی ہیں، اس لئے ان کو پیش نظر رکھ کے باب کا ان سے ہم موازنہ کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ باب کے نسب اوراس کے حلیہ کی ہمیں پوری طور پر اطلاع نہیں ہے، اس لئے یہ بحث ہم ان لوگوں کے متعلق کرتے ہیں جوان دونوں سے واقف ہیں۔

## امام مہدی رضی اللہ عنہ اور باب میں کوئی مشابہت نہ تھی

لفظ محمد مفرد اور علی محمد مرکب ہے اور مفرد و مرکب میں جو تباین ہے وہ ظاہر ہے۔ آنحضرت ﷺ کے والد کا نام عبداللہ تھا، اور باب کے گذشتہ سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے والد کا نام مرزا رضا تھا، پس نہ باب کا نام آنحضرت ﷺ کے نام نامی سے

---

[۱]......بذل المجهود فی حل سنن ابی داؤد ص۳۲۸ ج ۱۲، باب : فی ذکر المهدی ، اول کتاب المهدی ، رقم الحدیث:۴۲۸۶۔(دار البشائر الاسلامیه)

[۲]......بذل المجهود فی حل سنن ابی داؤد ص۳۳۰ ج ۱۲، باب:فی ذکر المهدی ، اول کتاب المهدی ، رقم الحدیث:۴۲۸۶۔(دار البشائر الاسلامیه)

مطابق ہوا، نہ اس کے والد کا نام آنحضرت ﷺ کے والد کے نام سے مطابق ہوا۔ نہ اہل مکہ نے حجر اسود و مقام ابراہیم کے درمیان اس کے ہاتھ پر اول بیعت کی، نہ اس شریعت پر اس کا عمل رہا، نہ اس شریعت کے احیا کے لئے اس نے کوشش کی، نہ اس کی وفات علی الفراش ہوئی، نہ مسلمانوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی، روئے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دینا تو درکنار بالشت بھر زمین کا بھی وہ مالک نہ بن سکا، اگرچہ اس نے رجماً بالغیب یہ پیشین گوئی کی تھی کہ آئندہ سال مکہ معظّمہ سے شمشیر بکف میں خروج کروں گا، اور جملہ روئے زمین پر میں قابض ہوں گا، مگر علی رغم انفہ ابھی کامیابی کی امنگیں اس کے دل ہی میں تھیں کہ تیس سالہ عمر میں نہایت ذلت کے ساتھ قتل کیا گیا۔ [1]

## باب کی کتاب ''البیان'' اور اس کی واہیات، مثلا: میرے مرید پر کوئی مواخذہ نہیں، بہن سے خواہش پوری کرنا زنا نہیں، شراب حرام نہیں، ایک عورت نو مردوں سے نکاح کرسکتی ہے وغیرہ

پہلے میں بیان کر چکا کہ باب شریعت اسلام کو منسوخ سمجھتا تھا، بجائے اس کے اس نے ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی تھی، اس مذہب کی کفیل باب کی کتاب ''البیان'' ہے، جس کو بابی کتاب الٰہی خیال کرتے ہیں۔ اس مذہب میں آزادی کا دائرہ نہایت ہی وسیع قرار دیا گیا ہے۔ خود باب نے اعلان کر دیا تھا کہ اگر میرے مریدوں میں سے کوئی شخص منہیات شرعیہ کا مرتکب ہو یا احکام شرعیہ کو ادا نہ کرے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ اس کے نزدیک حقیقی بہن سے مبتلا ہونا زنا نہیں۔ ایک عورت نو مرد سے نکاح کرسکتی ہے۔ شراب خوری

[1]...... رجما بالغیب: بغیر سوچے سمجھے۔ اٹکل سے۔
رغم انفہ: اس کا ناک خاک آلود ہو، ناپسندیدگی کے وقت بولتے ہیں۔

رکاوٹ نہیں، مگر افسوس باب کی طرح باب کی شریعت کا بھی تھوڑی مدت میں خاتمہ ہو گیا، اس کے فوت ہونے پر تیرہ سال گزرے تھے کہ اس کے خلیفہ بہاء اللہ نے اس کو منسوخ کر کے بجائے اس کے شریعت بہائیہ قائم کر دی۔

## باب کا دعوائے نبوت اور طلبِ معجزہ پر عجز

باب نے مہدویت کی آڑ میں مستقل نبوت کا دعویٰ کرلیا تھا، دعوئے نبوت پر جب اس سے معجزہ طلب کیا گیا تو وہ کوئی معجزہ پیش نہ کرسکا۔ شعر گوئی کو جس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ ﴾ ۱

﴿ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴾ ۲ باب نے اپنے لئے اعجاز سمجھ رکھا تھا، مگر چونکہ ان اشعار میں اصول نحو کی رعایت نہ تھی، اس لئے وہ اعجاز کا کام نہ دے سکے۔

## معجزہ یا سازش

''جوابِ لکچر قادیانی'' میں مرزا محمود صاحب نے باب کا ایک معجزہ بیان کیا ہے، مگر مرزا صاحب اگر ایک منصف شخص کی آنکھ سے اسے دیکھتے تو غالباً وہ یقین کرتے کہ باب کی سازش پر یہ ایک بین دلیل ہے۔ مرزا صاحب نہایت ہی فخر سے لکھتے ہیں کہ: جب باب کو صلیب پر چڑھایا گیا، اور ارمنی قوم کے مسیحی مذہب والے سولجروں کی ایک پلٹن کو ایک بارگی ان پر فائر کرنے کے لئے حکم کیا گیا، ان کے فائر کرنے اور گولیوں کی ایک بارگی تیر بارانی کرنے سے تھوڑا سا صدمہ بھی حضرت باب کے نورانی جسد منیر کو نہیں پہنچا۔ بار دوم پھر اسی

---

۱......سورۂ یٰسٓ، آیت نمبر ۶۹۔

ترجمہ: ......اور ہم نے (اپنے) ان (پیغمبر) کو نہ شاعری سکھائی ہے، اور نہ وہ ان کے شایان شان ہے۔

۲......سورۂ شعراء، آیت نمبر: ۲۲۴۔

ترجمہ: ......رہے شعراء لوگ، تو ان کے پیچھے تو بے راہ لوگ چلتے ہیں۔

فوج کو فائر کرنے کے لئے حکم ہوا، مگر انہوں نے انکار کردیا، تو دوسری فوج مسلمان نصیری مذہب والوں کی فائر کرنے کے لئے حاضر کی گئی، اور اس مرتبے میں اس مسلمان فوج کے فائر سے حضرت باب کا سینہ چھلنی ہوگیا، اور ان کا جسم نورانی زخمی ہوگیا (اور فوت ہوگئے) انتہیٰ۔

مجھ کو اس پر سخت تعجب ہے کہ جب پہلے فائر کی گولیوں کا باب کو نہ لگنا باب کا اعجاز تھا تو پھر دوسرے فائر کی گولیاں کیوں لگیں؟ اور ان سے خاتمہ کیوں ہوگیا؟ کیا یہ فوری اعجاز تھا کہ فرعون کے جادوگروں کی طرح بہت جلد مٹ گیا اور باب کو بچا نہ سکا۔ میری دانست میں اس کی وجہ یا تو یہ ہونی چاہئے کہ فائر کرنے والوں کو رشوت دی گئی تھی، یا یہ ہونی چاہئے کہ باب نے کچھ جنات تابع کر رکھے تھے، ان جنات نے عیسائیوں کی بددینی کی وجہ سے گو ان کی گولیوں سے باب کو ایک طرح سے بچادیا، مگر جب مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کے فائر کردیئے تو یہ جنات تاب نہ لا سکے، اور بھاگ کھڑے ہوئے، اور گولیوں نے ایک جعلی مہدی کا کام تمام کردیا۔

## مدعی نبوت پر ایک وار ناکام مگر بسم اللہ کا وار کامیاب

یہ ایک مشہور روایت ہے کہ عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت میں حارث دمشقی نے شام میں دعویٰ نبوت کا کیا تھا، چونکہ جنات اس کے تابع تھے، اس لئے جب یہ قید کیا جاتا تو جنات پاؤں سے بیڑی نکال دیتے، اور جب تلوار یا نیزہ اس کو مارا جاتا تو اس کا اثر اس کے جسم پر محسوس نہ ہونے دیتے، جب اس واقعے کی اطلاع عبدالملک کو دی گئی تو اس نے کہا: بسم اللہ پڑھ کر وار کیا جائے، چنانچہ بسم اللہ پڑھ کے وار کیا گیا، جس سے فوراً وہ قتل ہوگیا۔

## اسود عنسی کا قتل اور شیطان کا مکر نا کام

اسود عنسی جس نے آنحضرت ﷺ کے اخیر عہد میں دعویٰ نبوت کا کیا تھا سو یا ہوا تھا اور مسلمان اس کو قتل کرنے کے لئے جا پہنچے، مسلمانوں کو دیکھتے ہی شیطان نے اسود کو ایک بے روح قالب کی طرح بٹھا دیا، اور اس کی زبان سے گویا ہوا، مگر مسلمان کے سامنے شیطان کا مکر کہاں چل سکتا تھا؟ فیروز نے پیش قدمی کر کے اس کو قتل کر دیا،

صدق اللّٰہ ، ان کید الشیطان کا ن ضعیفا ، و ان کنت فی شک مما قلنا فاقرأ ما قال تعالیٰ ﴿ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَاغَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّىْ جَارٌلَّكُمْ ج فَلَمَّا تَرَآءَ تِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ ﴾ ؎۱

الحاصل اہل تسنن کے نزدیک مہدی موعود میں متذکرہ بالا علامتیں ہونی چاہئیں، چونکہ یہ علامتیں باب میں نہیں پائی جاتی ہیں، اس لئے وہ کبھی مہدی نہیں ہوسکتا ہے۔

## اہل تشیع میں سے اثنا عشریہ کا مہدی کے متعلق عقیدہ

رہے اہل تشیع ان میں سے اثنا عشریہ کا مہدی کی بابت یہ عقیدہ ہے کہ امام حسن عسکری کے بیٹے محمد جو ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے تھے، جب ان کے والد حسن عسکری نے ۲۶۰ھ میں انتقال کیا تو یہ غائب ہو گئے تھے، یہی محمد بن حسن عسکری ان کے نزدیک مہدی موعود منتظر صاحب زمان و حجت و قائم سمجھے جاتے ہیں، یہ ابھی تک زندہ ہیں، مگر دشمنوں کے خوف سے غائب ہیں، کسی وقت ظہور کر کے زمین کو ظلم و جور سے پاک صاف کر کے عدل سے

---

؎۱ ...... سورۂ انفال، آیت نمبر: ۴۸۔

ترجمہ: ...... اور وہ وقت ( بھی قابل ذکر ہے ) جب شیطان نے ان ( کافروں ) کو یہ سمجھایا تھا کہ ان کے اعمال بڑے خوشنما ہیں، اور یہ کہا تھا کہ: ’’ آج انسانوں میں کوئی نہیں ہے جو تم پر غالب آسکے، اور میں تمہارا محافظ ہوں ‘‘۔ پھر جب دونوں گروہ آمنے سامنے آئے تو وہ ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹا۔

لبریز کردیں گے۔اور بعض کا قول ہے کہ وہ مرگئے،مگر لوٹ کر پھر وہی دنیا میں آویں گے۔

اس عقیدہ کے مطابق بھی باب مہدی نہیں ہوسکتا،اس لئے کہ یہ ظاہر ہے کہ باب نہ حسن عسکری کا بیٹا محمد ہے،اور نہ دوسوساٹھ سال سے یہ غائب ہے،اور نہ اس نے زمین کو عدل وانصاف سے لبریز کیا۔اس پر سے ناظرین ریویلیشن میں جو لکھا ہے کہ حضرت باب نے ۱۲۵۰ھ میں دین اسلام کی پیشین گوئی کے مطابق ظہور کیا تو باصطلاح اسلام حضرت مہدی یا قائم کے ظہور کا مصداق ان کے ظاہر ہونے سے پورا ہوا،انتہی۔

سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کہاں تک صحیح ہے کہ ایک صریح کذب و بہتان نہیں ہے تو کیا ہے؟

اس تمہید کو پیش کرنے کے بعد میں مؤلف ریویلیشن سے دریافت کرتا ہوں کہ اس نے جو لکھا ہے کہ بارہویں امام کا انتقال باتفاق مؤرخین: ۲۶۰ھ میں ہوا ہے یہ غلط ہے،اس لئے کہ اثر اہل تشیع ان کے انتقال کے قائل نہیں ہیں، باقی اہل تسنن مانتے ہیں کہ ان کا انتقال ہوگیا ہے،مگر وہ نہیں مانتے کہ وہ مہدی ہیں،اور جو یہ لکھا ہے کہ اسلامی کتابوں میں لکھا ہے کہ دوسوساٹھ سال پر ایک ہزار سال گزرتے ہی امام مہدی ظاہر ہوں گے،اگر کسی کتاب میں لکھا ہوا ہے تو اس کا نام لیا جائے،اس کی عبارت نقل کی جائے،اور اگر کہا جائے کہ **قوله تعالیٰ ﴿يدبر الامر من السماء الى الارض﴾ الأية ، وحديث : الدنيا سبعة الاف سنة)** [1] اس کی دلیل ہے،تو ان دونوں کے متعلق ہم نہایت ہی وضاحت سے بحث

---

[1] ……حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

دنیا کی عمر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر، حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی نبوت تک تورات کے نسخہ سبعینیہ ُباب ''عہد آدم الی تارح فی ذکر السنین'' کے مطابق (۶۰۰۰) سال ہے۔جبکہ نسخہ عبرانیہ کے اعتبار سے چھ ہزار سال سے بہت زیادہ ہے۔دنیا کی کل عمر کی بابت یہی بات زیادہ صحیح ہے۔……رہی حدیث نبوی ''الدنيا سبعة الاف سنة انا فى آخرها الفا '' کہ دنیا کی عمر سات ہزار

کر چکے کہ یہ کسی طور سے بھی اس مدعا کے لئے دلیل نہیں ہو سکتے، اگر شک ہو تو پھر دوبارہ نہایت تعمق سے اس پر غور کیا جائے، جب اس مدعا کے ثبوت میں بابیوں کو شریعت اسلام سے کوئی دلیل نہیں ملی، تو مایوسانہ انہوں نے بائیل کو جا پکڑا، اور بائیل کی چند عبارتیں نقل کر کے اس مدعا کے لئے وہ دلیل قرار دی گئیں ﴿ كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ﴾[1]

چنانچہ مؤلف ریویلیشن نے اس پر بہت کچھ زور دیا ہے، اور کھینچ تان کر چند عبارتیں بائبل کی جاہلوں کو بہکانے کے لئے نقل کر دیں، مگر اسلامی سیف قلم کے سامنے اس قلم کی سازش کہاں چل سکتی ہے؟

دراصل ان عبارتوں میں آنحضرت ﷺ کی بعثت یا حضرت عیسی (علیہ السلام) کے نزول کی پیشین گوئی تھی، مگر بابیوں نے زبردستی سے ان میں سے بعض کو باب پر اور بعض کو بہاء اللہ پر چسپاں کر دیا۔

## کیا آپ ﷺ کی حکومت بارہ سو ساٹھ سال تک رہے گی؟

چنانچہ ریویلیشن میں لکھا ہے: مکاشفات (۱۲/۱) میں تصریح ہے: اور ایک بڑا نشان

---

سال ہے اور میری بعثت آخری ہزار میں ہے۔ اس کے بعد دنیا کے ختم ہونے کی تمہید ہے، خواہ کتنے سال بعد ہو (اسے طبرانی اور امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں نقل کیا ہے) تو یہ روایت اگر چہ اسناد کے لحاظ سے بالکل ساقط ہے، لیکن اس میں وہی بات مذکور ہے، جس کی شہادت تاریخ بھی دیتی ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے! حیات ابن مریم (علیہ السلام) ص ۴۳۱۔

[1]...... سورۂ رعد، آیت نمبر: ۱۴۔

ترجمہ: ...... جو پانی کی طرف اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر یہ چاہے کہ پانی خود اس کے منہ تک پہنچ جائے، حالانکہ وہ کبھی خود منہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

آسمان پر نظر آیا، ایک عورت سورج اوڑھے ہوئے اور چاند اس کے پاؤں تلے اور اس کے سر پر بارہ ستاروں کا تاج تھا (۲) اور وہ حاملہ تھی اور درد سے چلاتی اور جننے سے اینٹھتی تھی (۵) اور وہ فرزند نرینہ جنی جو کہ لوہے کا عصا لیکے سب قوموں پر حکومت کرے گا، اور اس کا لڑکا خدا کے اور اس کے تخت کے آگے اٹھالیا گیا (۶) اور وہ عورت بیابان میں جہاں اس کی جگہ ہے جو خدا نے تیار کی تھی بھاگ گئی تا کہ وہاں وہ ایک ہزار دو سو ساٹھ دن تک اس کی پرورش کریں (۱۴) اور اس عورت کو بڑے عقاب کے دو پر دیئے گئے تا کہ وہ اس سانپ کے سامنے سے بیابان کو اپنے مقام تک اڑ جائے، جہاں ایک زمان: ۳۶۰ر اور دو زمان ۷۲۰ر اور نیم زمان: ۱۸۰ر تک اس کی پرورش مقرر کی گئی، انتہیٰ۔

مؤلف نے اس عبارت کو متفرق طور پر نقل کر کے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ فرزند نرینہ سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں، آنحضرت ﷺ لوہے کا عصا یعنی تلوار لیکر حکومت و سلطنت فرماویں گے، اور آپ کی حکومت بارہ سو ساٹھ سال تک رہے گی، بارہ سو ساٹھ سال بعد باب کی حکومت شروع ہوگی، اس لئے کہ بارہ سو ساٹھ ہی میں باب نے ظہور کیا ہے، انتہیٰ ملخصا۔

اقول:......اس استدلال میں نہایت چالبازی سے کام لیا گیا ہے۔

اولاً:......حالت موجودہ خود بتا رہی ہے کہ اس فرزند نرینہ سے مراد آنحضرت ﷺ نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ اس سے اگر آپ ہی مراد ہوتے تو بارہ سو ساٹھ سال گزرنے پر آپ کی حکومت و سلطنت بنا بر عبارت و مکاشفات زائل ہو جاتی، حالانکہ بارہ سو ساٹھ تو کیا آج تیرہ سو ستائیس سال گذر چکے تاہم ابھی تک آپ کی سلطنت آپ کے جانشینوں میں موجود ہے، اور انشاء اللہ ہمیشہ تک جاری رہے گی، پس یا تو یہ کہا جائے گا کہ فرزند نرینہ سے مراد

آنحضرت ﷺ نہیں ہیں، یا یہ کہا جائے گا کہ مراد اس سے آپ ہی ہیں، مگر بارہ سو ساٹھ دن سے مراد تحدید مقدار زمانہ نہیں ہے، بلکہ مراد اس سے زمانۂ طویل ہے، یا اور کوئی ایسی تاویل کی جائے کہ حالت موجودہ اس کی مزاحمت نہ کر سکے، ورنہ عبارت بائبل کی غلط ہو جائے گی۔

ثانیاً:......ہم نے فرض کر لیا کہ آنحضرت ﷺ کی حکومت بارہ سو ساٹھ سال ہی تک رہی، مگر مکاشفات سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اس کے بعد مہدی کی حکومت شروع ہوگی، ممکن ہے کہ اور کسی بادشاہ کی حکومت شروع ہو، اگر مہدی ہی کی حکومت ہے تو وہ کہاں ہے، خیال ہی میں ہے، اس پر سے ایک دانا شخص سمجھ سکتا ہے کہ مؤلف نے جو لکھا ہے کہ: حضرت باب نے مکاشفات (۶/۱۲) کی پیشین گوئی کے مطابق وقت و زمان و تاریخ مقررہ کے مصداق پر ظہور کیا ہے، سراسر چالبازی ہے۔

ثالثاً:......مجھ کو مؤلف کی جسارت پر سخت تعجب ہے کہ وہ کہتا ہے کہ باب کا ظہور بارہ سو ساٹھ سال میں جو ہوا، یہ بروقت معین ہوا، کیا دنیا میں کوئی شخص ایسا بھی ہے کہ اس نے بے وقت ظہور کیا ہو جس طرح اور لوگ بروقت ظاہر ہوئے، باب بھی بروقت ظاہر ہوا اس میں کلام نہیں۔ کلام ہے تو اس میں ہے کہ اس سال میں اس کا ظہور بطور مہدی ہونے کے ہوا یا نہیں، اگر ہوا تو پھر اس نے اسلامی سلطنت کی باگ چھین کے اپنے ہاتھ میں کیوں نہیں لی اور زمین کو عدل و انصاف سے کیوں لبریز نہیں کیا؟ اور بجائے حکومت کے اسیرانہ ذلت کو برداشت کر کے اسیرانہ حالت ہی میں کیوں ہلاک ہو گیا؟ ﴿هَلْ يَسْتَوِىْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾[1]

---

[1]......سورۂ نحل، آیت نمبر: ۷۶۔

میرے خیال میں مؤلف نے چونکہ لوہے کا عصا نہیں دیکھا، اس لئے اس کو یہ مغالطہ ہوگیا اگر اس کو وہ دیکھ لیتا تو کبھی وہ اس قول پر جرأت نہ کرتا۔ مؤلف کی طرح پادری بھی بارہ سو ساٹھ سال کو نہایت مبارک خیال کرتے تھے، چنانچہ پادری عمادالدین نے تفسیر مکاشفات میں ایسب صاحب کی تفسیر سے نقل کیا ہے کہ یروشلم ان مسلمانوں کے ہاتھ میں پامال کرنے کے لئے بارہ سو ساٹھ سال تک رہے گا، مگر جب اس میعاد کے ختم ہونے پر مدعا حاصل نہیں ہوا تو اپنا سا منھ لیکے رہ گئے۔

رابعاً:...... مؤلف نے (۱۲۶۰) سال کو شمسی بنانے میں سخت غلطی کی ہے، اس لئے کہ بحساب فی صدی تین (۱۲۶۰) میں سے جب (۳۷) ساقط کئے جاتے ہیں تو (۱۲۲۳) باقی رہتے ہیں، اور ان کے ساتھ ۶۲۲ر ملانے سے کل (۱۸۴۵) ہوتے ہیں نہ (۱۸۴۴) پھر اس سے جب بعثت سے ہجرت تک کے دس سال ساقط کئے جاتے ہیں تو ۱۸۳۵ر سال رہتے ہیں، پس باب کا ظہور ۱۸۳۵ر میں ہونا چاہئے تھا، مگر بقول مؤلف اس کا ظہور ۱۸۴۴ر میں ہوا، نو برس تک باب لیٹ ہوگیا، شاید نو برس گزر جانے کے بعد اس کو پیشین گوئی کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہوگا دیکھتے ہی بے ہنگام دعویٰ کردیا۔

خامساً:...... مؤلف نے جو لکھا ہے کہ اسماعیل کے حق میں جو بارہ شہزادے اور سرداروں کی جو پیشین گوئی ہوئی ہے ان سے مراد یہی بارہ امام ہیں ایک سخت سازش ہے۔ پیدائش (۱۳ر۲۵) میں ہے، یہ اسماعیل کے بیٹوں کے نام ہیں۔ اسماعیل کا پلوٹھا[۱]: بنیت، قدار، او بید، مبسام، مسماع، دومہ، منشا، حدر، یتمہ، اطرِ نفیس، قدمہ، یہ اسماعیل کے

ترجمہ:...... کیا ایسا شخص اس دوسرے آدمی کے برابر ہوسکتا ہے جو دوسروں کو بھی اعتدال کا حکم دیتا ہے، اور خود بھی سیدھے راستے پر قائم ہے۔

[۱]...... پلوٹھا:۔ پہلا بچہ۔

بیٹے ہیں اور ان کے نام ان کی بستیوں اور قلعوں میں یہ ہیں اور یہ اپنی امتوں کے بارہ رئیس ہیں، انتہیٰ۔ یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ بارہ رئیس سے مراد خود اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہیں، نہ بارہ امام اس سے بڑھ کے کیا نفسانیت ہوگی کہ ایک جدید مذہب کے نشے میں کتاب اللہ میں سازش کرنے کو بھی گناہ نہ سمجھا جائے۔

یہ وہ پیشین گوئیاں تھیں جن پر باب کی مہدیت ونبوت کا مدار تھا۔ اب میں ان پیشین گوئیوں کو بیان کرنا چاہتا ہوں کہ جن پر بہاء اللہ کی مسیحیت ونبوت کا مدار ہے۔

## بہاء اللہ کا دعوی اور جماعت میں تفریق

لکھا ہوا ہے کہ جب باب کی وفات پر تیرہ سال گزر چکے تو بہاء اللہ نے دعویٰ کیا کہ باب نے ''البیان'' میں جس مسیح من یظہرہ اللہ کے لئے پیشین گوئی کی تھی وہ میں ہی ہوں، اور بابی شریعت کو جو ابھی نامکمل تھی منسوخ کرکے بجائے اس کے بہائی شریعت کا سنگ بنیاد رکھ دیا، اور جب اس کی تکمیل ہوچکی تو اعلان کردیا کہ یہ شریعت ایک ہزار سال سے قبل منسوخ نہیں ہوسکتی۔ بہاء اللہ کے اس دعوے نے بابیوں میں تفرق پیدا کردیا، چنانچہ جو لوگ صبح ازل کو پیشوا سمجھتے تھے وہ بابی مذہب پر قائم رہے، اور بہائی شریعت کا انہوں نے انکار کردیا، اور جو لوگ بہاء اللہ کو پیشوا مانتے تھے انہوں نے بابی مذہب کو منسوخ سمجھ کے بہائی شریعت کو تسلیم کرلیا۔ یوں تو یہ دونوں پیشوا بغداد میں نظر قید تھے، مگر اس تفرق نے جب دونوں میں شر انگیز شر پیدا کردیا تو دولت علیہ نے بہاء اللہ کو عکہ میں نظر قید کے لئے حکم دیا، اور صبح ازل کو سائپرس کے ایک جزیرے میں بھیج دیا۔ واقعات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہائی امت بہ نسبت ازلی کے زائد ہے، گو بہاء اللہ کی وفات: ۱۸۹۲ء میں ہوچکی تاہم اس کی امت اس کی مسیحیت ثابت کرنے کے لئے ابھی تک نہایت سرگرم ہے، چنانچہ

مؤلف ریلویشن نے بائیل کی چند عبارتیں نقل کر کے دعویٰ کیا ہے کہ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ بہاء اللہ مسیح موعود ہیں۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات

قبل اس کے کہ میں ان عبارتوں کا موازنہ کروں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مسیح موعود کون اور کہاں اور کس وقت نازل ہوں گے، اوران کا عمل کونسی شریعت پر ہوگا؟ گو قرآن مقدس میں اس امر کی تصریح ہے کہ عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں، مگر ان کے نزول کی بابت اس میں کوئی تصریح نہیں ہے، البتہ قوله تعالیٰ ﴿ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ج وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴾ ۔[1]

وقوله تعالیٰ ﴿ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا ﴾ ۔[2] سے اشارۃً یہ مفہوم ہوتا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ احادیث میں اس کا تذکرہ ایک وسیع پیمانے پر کیا گیا ہے، اس پر کہ مسیح موعود سے مراد عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) ہی ہیں بکثرت احادیث صحیحہ دال ہیں۔

''ترمذی'' کی حدیث میں ہے کہ دمشق کی شرقی جانب سفید منارے [3] کے نزدیک

---

[1]......سورۂ نساء، آیت نمبر: ۱۵۹۔

ترجمہ: اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اپنی موت سے پہلے ضرور بالضرور عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لائے، اور قیامت کے دن وہ ان لوگوں کے خلاف گواہ بنیں گے۔

[2]......سورۂ زخرف، آیت نمبر: ۶۱۔

ترجمہ: اور یقین رکھو کہ وہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی ایک نشانی ہیں، اس لئے تم اس میں شک نہ کرو۔

[3]......دمشق کی شرقی جانب مینارے سے عامۃً لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جامع اموی کا مینارہ مراد ہے۔ راقم کو بھی الحمد للہ دو مرتبہ اس مسجد کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، اور دونوں مرتبہ رہبر نے یہی بتایا کہ یہی وہ مینارہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا، مگر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

مسیح بن مریم نازل ہوں گے، ان کے کپڑے زرد رنگ، ان کے ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر ہوں گے۔ جب سر جھکائیں گے تو اس سے متواتر پسینے کے قطرے گریں گے، اور جب سر اٹھائیں گے تو جو قطرہ پسینے کا گرے گا وہ موتی کی طرح ہوگا، ان کے سانس میں یہ اثر ہوگا کہ جو کافر اسے سونگے گا تو فوراً مرجائے گا۔ دجال کو ڈھونڈتے ہوئے باب لدّ کے قریب پائیں گے وہیں اس کو قتل کردیں گے، پھر بذریعہ وحی مسیح ابن مریم (علیہ السلام) کو اطلاع دی جائے گی کہ میرے بندوں کو کوہ طور پر لیجا کے اپنی حراست میں رکھو، اس لئے کہ یاجوج ماجوج نکالے گئے ہیں، کسی کو ان کے ساتھ قتال کی قدرت نہ ہوگی، چنانچہ یاجوج ماجوج ہر بلندی سے اترنے شروع ہوں گے۔ [1]

چونکہ ابن مریم (علیہ السلام) اور دجال دونوں کو مسیح کہا جاتا ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے امتیاز کے لئے ابن مریم (علیہ السلام) کا حلیہ بیان کرنے میں نہایت کوشش فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ابن مریم (علیہ السلام) کی گندمی رنگت ہے، ان کے زلف گھونگروالی نہیں ہیں، گردن کے درمیانی حصے تک ان کے زلف لٹکے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شباہت میں عروہ بن مسعود (ثقفی رضی اللہ عنہ) کے قریب قریب ہیں۔ [2]

رہی بات کہ ان کا عمل کونسی شریعت پر ہوگا قرآن وحدیث کے لہجے سے صاف معلوم

---

نے اپنے سفرنامہ میں اس کو تفصیل سے لکھا ہے کہ اس مینارہ سے جامع اموی والا مینارہ مراد نہیں، بلکہ دوسرا مینارہ مراد ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے! ''انبیاء کی سرزمین میں'' ص ۱۰۶ و ۱۱۷۔

[1]...... ترمذی شریف، باب ما جاء فی نزول عیسی ابن مریم، و: باب ما جاء فی فتنة الدجال، ابواب الفتن عن رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

[2]...... مسلم شریف ص ۹۵ ج ۱، باب الاسراء برسول الله صلی الله علیه وسلم الی السموٰت وفرض الصلوات، کتاب الایمان۔

ہوتا ہے کہ یہی شریعت اسلام ان کا دستور العمل ہوگا۔

اولاً:...... قولہ﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ﴾ الآیۃ۔ ۱؎ میں نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام انبیاء سے عہد لے چکا ہے کہ اگر تمہارے عہد میں بالفرض محمد ﷺ تشریف لائیں تو تم ان پر ایمان لانا اوران کی حمایت کرنا۔ بناء علیہ جب ابن مریم (علیہ السلام) آنحضرت ﷺ کے عہد شریعت میں نازل ہوں گے تو ضروران کواس شریعت کی پیروی کرنی پڑے گی۔

ثانیاً:......حدیث مسند احمد میں ہے: لو کان موسی حیا ما وسعه الا اتّباعی۔ ۲؎

جب موسی (علیہ السلام) باوجودیکہ آپ صاحب شریعت مستقلہ سمجھے جاتے ہیں بشرط حیات آنحضرت ﷺ کے اتباع پر مجبور ہوتے تو عیسی (علیہ السلام) جو شریعت میں ان کے تابع تھے آنحضرت ﷺ کی اتباع پر کیوں مجبور نہ ہوں گے؟

ثالثاً:......مسند امام احمد وابوداؤد کی حدیث میں تصریح ہے کہ: جب ابن مریم (علیہ السلام) نازل ہوں گے تو صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ چھوڑ دیں گے، لوگوں کو اسلام کی دعوت کریں گے، ان کے زمانے میں اسلام کے سوا کل ملتوں کو اللہ تعالیٰ باطل کردے گا، چالیس سال تک ٹھہریں گے، جب فوت ہوں گے تو مسلمان ہی ان کی نماز

---

۱؎......سورۂ ال عمران، آیت نمبر:۸۱۔

ترجمہ:......اور (ان کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ: ''اگر میں تم کو کتاب اور حکمت عطا کروں۔

۲؎......بیہقی ص ۱۹۹/۲۰۰، حدیث نمبر:۱۷۶، ۱۷۷۔ مسند احمد ص ۳۸۷ ج ۳۔ مشکوۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنة۔

ترجمہ:......اگر موسی (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو ان کے لئے بھی میرے اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ (الرفیق الفصیح لمشکوۃ المصابیح ص ۳۳۵ ج ۳)

جنازہ پڑھیں گے۔ ا؎

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ج وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ ۔۲؎

## بہاء اللہ کیسے مسیح موعود ہوسکتا ہے؟

اب میں کہتا ہوں کہ جب بہاء اللہ نہ ابن مریم ہے، نہ دمشق کے شرقی سفید منارے کے قریب آسمان سے وہ نازل ہوا، نہ دجال کو اس نے قتل کیا، نہ صلیب کو توڑا، نہ خنزیر کو قتل کیا، نہ اسلام کے سوا کل ملل کو اس نے باطل کیا، نہ یاجوج ماجوج کے خوف سے وہ کوہ طور پر اپنی امت کے ساتھ چڑھا، پھر کس بنا پر وہ مسیح موعود بنا؟

## مرزا محمود کی لیاقت پر افسوس

مجھ کو مرزا محمود صاحب کی لیاقت پر سخت افسوس ہے، جو وہ ''جواب لکچر قادیانی'' میں لکھتے ہیں کہ: قولہ تعالیٰ: ﴿ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ، يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴾ ۔۳؎

میں جو ''مکان قریب'' واقع ہے مراد اس سے باتفاق مفسرین مسجد اقصیٰ کا گردونواح ہے۔ مرزا صاحب کا مافی الضمیر یہ ہے کہ ''مکان قریب'' سے مراد شہر عکہ ہے، جہاں بہاء اللہ نظر قید تھا، اور ''مناد'' سے مراد خود بہاء اللہ ہے، مرزا صاحب نے ''مکان قریب'' کو تو دیکھ لیا،

ا؎ ...... مشکوۃ، باب نزول عیسی علیه الصلوۃ والسلام۔

۲؎ ...... سورۂ اٰل عمران، آیت نمبر: ۸۵۔

ترجمہ: ...... اور جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا، تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا، اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہوگا جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔

۳؎ ...... سورۂ قٓ، آیت نمبر: ۴۱/۴۲۔

ترجمہ: ...... جس دن لوگ سچ مچ اس پکار کی آواز کو سنیں گے، وہ قبروں سے نکلنے کا دن ہوگا۔

مگر آگے چل کے اللہ تعالیٰ نے:

﴿ یوم تشقق الارض عنهم سراعًا ذلک حشر علینا یسیر ﴾۔ ۱

جو بیان کیا ہے اس کو نہیں دیکھا، اگر دیکھتے تو ان کو یہ مغالطہ نہ ہوتا۔ کیا مرزا صاحب کہہ سکتے ہیں کہ جس روز بہاء اللہ نے عکہ میں ندا کی اس روز زمین شق ہوگئی تھی، اور مردے زمین سے نکل کے بھاگنے لگے تھے، کیا وہ اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ اس آیت میں خداوند کریم نے قیامت کا ہولناک منظر بیان کیا ہے۔ کیا وہ قیامت میں بھی کسی ہادی کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں؟

﴿ وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِیْلًا ﴾۔ ۲

اس سے بھی بڑھ کے مرزا صاحب نے قوله تعالیٰ: ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ ﴾۔ ۳

نقل کر کے اظہار لیاقت علمی کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ''حولہ'' سے مراد عکہ ہے۔ اچھا ہم نے مان لیا کہ عکہ ہی مراد ہے، مگر کیا ضرورت ہے کہ جو عکہ میں ہو وہ مسیح ہو جایا کرے، اگر

---

۱......سورۂ قٓ، آیت نمبر: ۴۴۔

ترجمہ: اس دن جب زمین پھٹ کر ان کو اس طرح باہر کر دے گی کہ وہ جلدی جلدی نکل رہے ہوں گے۔ اس طرح سب کو جمع کر لینا ہمارے لئے بہت آسان ہے۔

۲......سورۂ بنی اسرآءیل، آیت نمبر ۷۲۔

ترجمہ: اور جو شخص دنیا میں اندھا بنا رہا، وہ آخرت میں بھی اندھا، بلکہ راستے سے اور زیادہ بھٹکا ہوا رہے گا۔

۳......سورۂ بنی اسرآءیل، آیت نمبر ۱۔

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے ماحول پر ہم نے برکتیں نازل کی ہیں۔

ایسا ہی ہے تو پھر عکہ میں جس قدر آدمی ہیں سب ہی مسیح ہیں؟ کیا مسیح موعود کے لئے احادیث متذکرہ بالا میں جو علامتیں بیان کی گئی ہیں، ہونا شرط نہیں ہیں؟

بابیوں کے اس قول پر بھی ناظرین کو قہقہہ آئے بغیر نہ رہے گا، سناوہ کہتے ہیں کہ: قولہ تعالیٰ﴿ وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ ﴾ ـ۱ میں جو ''دارالسلام'' ہے، مراد اس سے بغداد ہے جہاں بہاء اللہ نظر قید تھا، خیر انہوں نے اپنی خوش فہمی سے یہ تو سمجھ لیا، مگر ان سے یہ کون کہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت بغداد کا تو نام ونشان بھی نہیں تھا، بغداد کی بنیاد: ۱۴۰ھ میں منصور خلیفہ عباسی کے زمانے میں ڈالی گئی تھی، کیا اللہ تعالیٰ بوقت نزول آیت لوگوں کو ایک معدوم شہر کی طرف بلاتا تھا۔ واضح ہو کہ ''دارالسلام'' سے مراد جنت ہے، اور جنت ہی کی طرف اللہ تعالیٰ بلاتا ہے، کما فی قولہ تعالیٰ﴿ وَاللّٰہ یَدْعُوْٓا اِلَی الْجَنَّۃِ وَالْمَغْفِرَۃِ بِاِذْنِہٖ﴾ ـ۲ علاوہ اس کے بغداد کا نام ''دارالسلام'' نہیں بلکہ ''مدینۃ السلام'' تھا، چنانچہ ''مجمع البحار'' میں محمد طاہر پٹنی (رحمہ اللہ) نے اس کی تصریح کر دی ہے۔

## لطیفہ: ایک شخص کا نام ''لا'' تھا اور ''لانبی بعدی'' سے اپنی نبوت پر دلیل پکڑنا

ایک شخص کا نام ''لا'' تھا اس نے دعوی نبوت کا کیا، اور نبوت میں قولہ صلی اللہ علیہ وسلم : لا نبی بعدی، پیش کیا یعنی لا میرے بعد نبی ہے۔۳ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

---

۱......سورۂ یونس، آیت نمبر: ۲۵۔

ترجمہ:......اور اللہ لوگوں کو سلامتی کے گھر کی طرف دعوت دیتا ہے۔

۲......سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۲۲۱۔

ترجمہ:......جبکہ اللہ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔

بابیوں کا استدلال بھی میرے خیال میں اس استدلال سے کچھ کم نہیں ہے، جب یہ تمہید دل نشین ہوچکی تو اب میں ریویلیشن میں جو عبارتیں بائبل کی منقول ہیں ان سے بحث کرنا چاہتا ہوں کہ وہ مؤلف کو کہاں تک مساعدت کرسکتی ہیں؟

## بہاء اللہ کے دعوائے مسیحیت کی ایک دلیل اور سات وجوہات سے اسکا رد

ریویلیشن میں ہے (دانی ایل ۱۲اپ) میں لکھا ہے کہ: اور جس وقت سے دائمی قربانی موقوف کی جائے گی، اور وہ مکروہ چیز جو خراب کرتی ہے قائم کی جائے گی، ایک ہزار دوسو نوے دن ہوں گے۔

مؤلف کہتا ہے کہ: دائمی قربانی کی موقوفی اور بیت المقدس کی بربادی کا زمانہ اس عبارت میں ایک ہزار دوسو نوے دن قرار دئے گئے ہیں، اور دن سے مراد یہاں قمری سال ہے، اور ایک ہزار دوسو نوے سال قمری کے ایک ہزار دوسو اکیاون سال شمسی فیصدی تین سال ساقط کرنے سے ہوتے ہیں، ان سالوں کی ابتدا آنحضرت ﷺ کی بعثت کا زمانہ ماننے سے اس کی نہایت: ۱۸۶۳ء پر ہوتی، اسی سن میں بہاء اللہ نے ظہور کر کے مسیحیت کا دعویٰ کیا تھا، پس اس کا دعویٰ بر وقت معہود سمجھا جائے گا۔

اقول: ......اس استدلال میں مؤلف نے نہایت خود غرضی سے کام لیا ہے۔

اولاً: دن کے لئے سال معنی مجازی ہیں، اور معنی مجازی مراد نہیں لے سکتے تاوقتیکہ کوئی قرینۂ صارفہ موجود نہ ہو، پس اگر دن یہاں بمعنی سال ہی ہے تو ضرور اس کا قرینہ بیان کیا جائے،

---

۳......ایک شخص نے اپنا نام لفظ ''لا'' رکھ لیا، اور نبوت کا دعویدار ہوکر خود اسی حدیث کو اپنی نبوت کا گواہ بنالیا، اور کہنے لگا کہ اصل عبارتِ حدیث یوں ہے: لا نَبِیٌّ بَعْدِی، جس میں لا مبتدا اور نَبِیٌّ بَعْدِی اس کی خبر ہے، جس کے مطابق حدیث کے معنی ہوئے کہ ''میرے بعد یہ شخص مسمی ''لا'' نبی ہوگا۔

(فتح الباری، ختم نبوت ص ۲۱۷)

ورنہ استدلال نامکمل سمجھا جائے گا۔

ثانیاً:......دانی ایلؑ کی اس عبارت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی بربادی کا زمانہ ایک ہزار دوسونوے دن پامال کریں گے، اور بیالیس مہینے کے ایک ہزار دوسوساٹھ دن ہوتے ہیں، پس بائبل کی ان دونوں عبارتوں میں تناقض واقع ہوا، اور متناقض عبارت قابل استدلال نہیں سمجھی جاتی۔

ثالثاً:...... بیت المقدس کا برباد کرنا تو درکنار آنحضرت ﷺ کے عہد میں یہ مفتوح بھی نہیں ہوا تھا، پس آنحضرت ﷺ کو بیت المقدس کا بربادکن خیال کرکے آپ ﷺ کی بعثت کے زمانے کو اس میعاد کا مبدأ قرار دینا ایک صریح ظلم سمجھا جائے گا۔

رابعاً:...... ۶۳۷ھ میں حضرت فاروق (رضی اللہ عنہ) کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے بیت المقدس کو فتح کیا تھا، پس انصاف تو یہی تھا کہ یہی سن میعاد مذکور کے لئے مبدا قرار دیا جاتا، مگر چونکہ اسے مبدا ٹھہرانے میں مدعا فوت ہوئے جاتا تھا، اس لئے یہ نظرانداز کیا گیا۔

خامساً:...... یہ ایک تنقیح طلب امر ہے کہ مسلمانوں کے تسلط کے بعد بیت المقدس ویران ہوا یا آباد ہوا؟ اور اس کی قربانی موقوف ہوئی یا اور قربانی کا سلسلہ جاری ہوا؟ تاریخی شہادتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاروق (رضی اللہ عنہ) کے تسلط کے قبل بیت المقدس ایک ویران سا شہر تھا، اور سلسلہ قربانی کا بھی بالکل موقوف ہو چکا تھا، اس لئے کہ ہیکل کے برباد ہونے کے بعد یہود نے یک لخت قربانی موقوف کردی تھی، اور عیسیٰ علیہ السلام کی مصلوبیت کی وجہ سے نصاریٰ تو اس کی ضرورت ہی نہیں تسلیم کرتے تھے، جب حضرت فاروق (رضی اللہ عنہ) کا اس پر تسلط ہوا تو چونکہ وہ پہلے ہی سے اس کی عظمت و بزرگی سے

واقف ہو چکے تھے، اس لئے انہوں نے نہایت فراخ دلی سے اس کی تعمیر کے لئے حکم دے دیا، اس تعمیر نے ان کو اعمال کی اس پیشین گوئی کا مصداق ثابت کر دیا، اعمال (۱۸/۱۶) میں ہے:

''بعد اس کے پھر میں آؤں گا، اور داؤد کے گرے ہوئے ڈیرے کو اٹھاؤں گا، اور اس کے ٹوٹے پھوٹے کی مرمت کر کے اسے پھر کھڑا کروں گا، کہ قوم کا بقیہ اور سب غیر قومیں جو میرے نام کہلاتی ہیں خداوند کو ڈھونڈیں، خداوند جو یہ سب کچھ کرتا اور ایسا فرماتا ہے خدا کو شروع سے اپنے سب کام معلوم ہیں'' انتہی۔

پھر جو مسلمان وہاں رہنے لگے ان کو چونکہ معلوم تھا کہ قربانی ابراہیم علیہ السلام کی ایک قدیم سنت ہے، اور اس پر وہ کاربند بھی ہو چکے تھے، اس لئے انہوں نے قربانی کا سلسلہ بھی جاری کر دیا، جس سے (۱۳/۶۶) زبور کی یہ پیشین گوئی پوری ہوگئی:

''میں قربانیوں کے ساتھ تیرے گھر میں آؤں گا، اپنی نذریں تجھ سے ادا کروں گا، جنہیں میرے لبوں نے کہا اور میری تنگی میں میرا منہ بولا، میں فربہ بروں کی قربانیاں میڈھوں کی خوشبوئی سمیت تجھ سے گذرانوں گا، بیل بکروں سمیت قربانی کروں گا'' انتہی۔

چونکہ حضرت فاروق (رضی اللہ عنہ) کی یہ کارگزاری مخلصانہ طور پر تھی، اس لئے اگر چہ ان کی قائم کردہ سلطنت پر تقریباً تیرہ سو سال گزر چکے تاہم وہ ابھی تک باقی ہے، اور انشاء اللہ قیامت تک باقی رہے گی، اور باقی ہی رہنا چاہئے، اس لئے کہ 'یسعیاہ' میں ہے (۱/۲۵):

''جاگ جاگ اے صیحون، اپنی عزت پہن لے، اور یروشلم شہر مقدس اپنا لباس درخشان اوڑھ لے، کیونکہ آگے کوئی نامختون اور ناپاک تجھ میں پھر داخل نہ ہوگا''

اور دانی ایل میں ہے (۴۴/۳):

''ان بادشاہوں کے ایام میں آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کرے گا جو تا ابد نیست نہ ہوگی، اور وہ سلطنت دوسری قوم کے قبضے میں نہ پڑے گی، وہ ان سب مملکتوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور نیست کرے گی، اور وہی تا ابد قائم رہے گی'' انتہی ۔

اچھا قطع نظر اس سے ہم نے چند دقیقے کے لئے فرض کرلیا کہ حضرت فاروق (رضی اللہ عنہ) کے تسلط سے بیت المقدس ویران ہوگیا، اور قربانی بھی موقوف ہوگئی، مگر میعاد مذکور کے لئے ان کا سن تسلط مبدأ کیوں نہیں قرار دیا جاتا؟ جس طرح پادری عمادالدین نے بارہ سوساٹھ سال کے لئے اس کو مبدا قرار دیا تھا۔

سادساً:...... بنابراس کے واقعہ خود دانی ایل کی عبارت کی تکذیب کرتا ہے، اس لئے کہ باوجودیکہ بارہ سونوے سال کب سے گذر چکے، تاہم نہ بیت المقدس کی ویرانی موقوف ہوئی، نہ سلسلہ قربانی کا جاری ہوا۔

سابعاً:...... دانی ایل میں بارہ سونوے سال بیت المقدس کی ویرانی وقربانی کی میعاد قرار دی گئی ہے، باقی مبشر بہ کے ظہور کا وقت تو دانی ایل کی پچھلی آیت میں بیان کیا گیا ہے (۱۲/۱۲)

''مبارک وہ جو انتظار کرتا ہے، اور ایک ہزار تین سو پینتیس روز تک آتا ہے''

اور یہ ظاہر ہے کہ اس میعاد پر نہ باب کا ظہور ہوا نہ بہاء اللہ کا۔

## یہ پیشین گوئی کہ ''بہاء اللہ سے ریاست کا عصا جدا نہ ہوگا'' غلط نکلی

ریویلیشن میں ہے پیدائش (۱۰/۴۹) میں ہے: یہوداہ سے ریاست کا عصا جدا نہ ہوگا، اور نہ حاکم اس کے پاؤں کے درمیان سے جاتا رہے گا جب تک کہ سیلا نہ آوے، اور قومیں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی۔

مؤلف کہتا ہے کہ: اب وہ زمانہ پورا ہوچکا ہے، اور سیلا موعود اپنے وقت معین پر ظاہر

ہو چکا ہے، سب فرقے کے لوگ اس کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں۔

اقول:...... یہ استدلال بھی صرف مغالطے ہی پر مبنی ہے، اس لئے کہ سیلا سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں:

اولاً:...... اس لئے کہ مابعد کے فقرے میں سیلا کی توضیح کی گئی ہے کہ اس کے پاس قومیں اکٹھی ہوں گی، اور یہ مسلم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ہر ایک قوم کے آدمی اس کثرت سے جمع ہو چکے ہیں کہ بہاء اللہ تو کیا کسی نبی کے پاس بھی اس قدر جمع نہ تھے، مجھ کو اس پر سخت افسوس ہے کہ توارت کی اصلی عبارت تو یہ تھی کہ "قومیں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی" مگر مؤلف نے اپنا مدعا ثابت کرنے کے لئے بجائے اس کے یہ لکھ دیا کہ لوگوں کو اکٹھے اور جمع کرنے کی قوۃ اس میں رہے گی، اگر سیلا ہونے کا مدار جمع کرنے کی قوت اور امکان ہی پر ہے تو ہر ایک شخص میں یہ امکان وقوت موجود ہے، کیا اس سازش سے مؤلف قولہ تعالیٰ ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ق ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِاللّٰهِ﴾ الآية ، [1] کا مصداق نہ ہوگا؟

ثانیاً:...... سیاق عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کا عصا جو یہوداہ سے چھینا گیا وہ سیلا کو دیا جائے گا، واقعات پر غور کرنے سے یقین کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو حکومت کا عصا عطا کیا گیا تھا، اس لئے آپ صاحب الہرادہ (عصا) کہے جاتے تھے، پھر یہ عصائے حکومت آپ کے جانشینوں کی طرف منتقل ہو گیا، اور ابھی تک ان میں ہے اور قیامت تک انشاء اللہ انہیں میں رہے گا، بخلاف باب و بہاء اللہ کے کہ عصائے حکومت کی آرزو میں

[1]...... سورۂ بقرہ، آیت نمبر: ۷۹۔

ترجمہ:...... لہذا تباہی ہے ان لوگوں کی جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر (لوگوں سے) کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

اسیرانہ زندگی بسر کر کے راہی ملک عدم ہو گئے، مگر عصائے حکومت ان کو نہ ملا۔

## بخت نصر کا عجیب خواب اور حضرت دانیال علیہ السلام کی تعبیر، اوراس سے بہاء اللہ کی سلطنت پر بے تکا استدلال اوراس کا وجواب

دانی ایل میں ہے (۳۱/۲):

’’تو نے اے پادشاہ! نظر کی، اور دیکھی ایک بڑی مورت، تھی وہ بڑی مورت جس کی رونق بے نہایت، تھی تیرے سامنے کھڑی ہوئی، اوراس کی صورت ہیبت ناک تھی، اس مورت کا سر خالص سونے کا تھا، اس کا سینہ اوراس کے بازو چاندی کے، اس کا شکم اور رانیں تانبے کی تھیں، اس کی ٹانگیں لوہے کی، اوراس کے پاؤں کچھ لوہے کے اور کچھ مٹی کے تھے، اور تو اسے دیکھتا رہا یہاں تک کہ ایک پتھر بغیر اس کے کہ کوئی ہاتھ سے کاٹ کے نکالے آپ سے نکلا، جو اس شکل کے پاؤں پر جو لوہے اور مٹی کے تھے لگا، اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کیا، تب لوہا اور مٹی اور تانبا اور چاندی اور سونا ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے، اور تابستانی کھلیان کی بھوسی کے مانند ہوئے، اور ہوا انہیں اڑا لے گئی، یہاں تک کہ ان کا پتہ نہ ملا، اور وہ پتھر جس نے اس مورت کو مارا ایک بڑا پہاڑ بن گیا، اور تمام زمین کو بھر دیا۔‘‘ انتہی۔

یہ بخت نصر کا خواب تھا جس کو دانی ایل نے بیان کیا تھا، پھر اس کی تعبیر بھی دانی ایل نے بیان کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: سونے کے سر سے مراد خود بخت نصر کی سلطنت ہے، اوراس کے بعد ایک سلطنت ہوگی جو اگلی سے چھوٹی ہوگی، اس کے بعد تیسری سلطنت تانبے کی طرح ہوگی وہ تمام روئے زمین پر حکومت کرے گی، اس کے بعد چوتھی سلطنت لوہے کے مانند ہوگی، ان بادشاہوں کے ایام میں خداوند کریم اور ایک سلطنت قائم کرے گا، وہ تمام سلطنت کو نابود کر دے گی، اور خود وہ تا ابد قائم رہے گی، یہ سلطنت وہ پتھر ہے جو

بدون کاٹے کٹکے پہاڑ سے نکلا، اور لوہے، تانبے، مٹی، چاندی وسونے کو اس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔[۱]

ریویلیشن میں لکھا ہے کہ: یہ پتھر خدا کی ابدی سلطنت ہے، جس کو خدا تعالیٰ نے حضرت بہاء اللہ کے ذریعے سے دنیا میں قائم فرمائی ہے، اور تمام عالم میں پھیلا دی ہے۔

اقول:...... پہلی بادشاہت سے مراد بخت نصر کی بادشاہت ہے، اور دوسری اس کے بیٹے بلشان کی سلطنت ہے، جو عیسی (علیہ السلام) کی میلاد سے پانچ سو چھتیس سال قبل بابل پر قابض تھا، یہ سلطنت تمام روئے زمین پر حاوی تھی، چوتھی اسکندر فیلبوس رومی کی سلطنت ہے، یہ عیسی (علیہ السلام) کی میلاد سے تین سو تیس سال قبل فارس پر مسلط ہوا تھا، چونکہ سکندر نے بعد میں اپنی سلطنت کو طوائف الملوکی [۲] بنا دی تھی، اس لئے ساسانیوں کے غلبے تک کمزور رہی اور پھر قوی ہوگئی تھی، پھر نوشیرواں کے عہد میں آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے اور آپ کو ایک سلطنت قاہرہ عطا کی گئی، یہ سلطنت وقتاً فوقتاً مشرق ومغرب میں پھیلتی رہی، یہاں تک کہ تمام دیار فارس پر بھی، جہاں یہ رؤیا واقع ہوا تھا حاوی ہوگئی، اسی سلطنت نے تمام سلطنتوں کا شیرازہ منتشر کر دیا، اور تمام شاہی ایوانوں کو تہ وبالا کر دیا تھا، بحمد اللہ اس سلطنت پر آج تیرہ سو ستائیس سال گزر چکے، اور انشاء اللہ قیامت تک باقی رہے گی، یہ وہی پتھر ہے جو بلا دست یاری [۳] ہاتھ کے پہاڑ سے کٹ کے نکلا، اور خزف [۴] وغیرہ کل

---

[۱]...... بخت نصر کے اس خواب اور اس کی دلچسپ تعبیر کی تفصیل کے لئے دیکھئے! حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کے ''خطبات حکیم الاسلام'' ص ۱۵۱ تا ۱۶۰/ ج ۴۔

[۲]...... طوائف الملوکی: کسی ملک میں ایک سے زیادہ بادشاہ ہونے کی حالت۔ بدنظمی۔ لاقانونیت۔

[۳]...... بلا دست یاری: بغیر مدد۔

[۴]...... خزف: ٹھیکری۔

دھاتوں کو نابود کر دیا تھا۔

باقی باب یا بہاء اللہ کی تو ایک خیالی سلطنت تھی، ابھی اس کو صفحہ ظہور میں لانے کی امنگیں ان کے دل ہی میں تھیں کہ بحالت اسیری راہی ملک عدم ہو گئے۔

## ایک اور پیشینگوئی کہ اٹھارہ سو سال کے بعد مقدس پاک ہو جائے گا

دانی ایل (۱۳/۸) میں ہے:

’’اور میں نے ایک قدسی کو بولتے سنا، اور دوسرے قدسی نے اس قدسی سے جو کلام کرتا تھا پوچھا کہ وہ رؤیت دائمی قربانی کی بابت اور اس اجاڑنے والے کی شرارت کی بابت کہ مقدس اور لشکر دونوں دیئے گئے کہ پامال ہوویں کب تک رہے گی؟ اس نے مجھ سے کہا کہ: دو ہزار تین سو دن تک ہے، پھر مقدس پاک ہو جائے گا‘‘۔

ریویلیشن میں لکھا ہے کہ: اس میعاد کی ابتدا دانی ایل کی نبوت کے زمانے سے ہے، دانی ایل کی نبوت کے زمانے سے عیسی (علیہ السلام) کی میلاد تک پانچ سو سال ہوتے ہیں، بنابراس کے یہ پیشین گوئی اٹھارہ سو پر ختم ہوگئی۔

اقول: ...... جب یہ پیشین گوئی اٹھارہ سو عیسوی پر ختم ہو چکی تو اسی سال میں باب یا بہاء اللہ کو ظاہر ہونا تھا، پھر وہ دونوں چوالیس سال تک لیٹ کیوں رہے؟ کیا اس وقت ان کے پاس اس دعوے کے اسباب فراہم نہ تھے؟ یا اس وقت تک اس پیشین گوئی کو انہوں نے نہیں دیکھا تھا؟ جب مؤلف کو اس استدلال میں سکتہ پڑ گیا تو اس نے ایک مجہول پادری کے قول سے مدد لینا چاہا کہ ایک پادری نے لکھا ہے کہ:

’’۱۸۴۴ء ہماری سب دلی امیدوں کے برآنے کا برس ہے، یعنی اسی سال میں مسیح نازل ہوں گے‘‘۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ پادری صاحب نے ۱۸۴۴ء کو اپنی امیدوں کی برآوری کا زمانہ سمجھ لیا، لیکن ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ کس حساب سے؟ آیا ذاتی الہام سے یا کسی آسمانی پیشین گوئی سے؟ اگر ذاتی الہام سے ہے تو یہ ان ہی کو مبارک، اور اگر کسی آسمانی پیشین گوئی سے ہے تو وہ پیش کی جائے، اگر مان بھی لیا جائے کہ پادری صاحب کے پاس اس کی کوئی معتبر شہادت موجود ہے، مگر ان کی امیدوں کا برآنا تو اس پر موقوف ہے کہ یروشلم سے مسلمانوں کا تسلط بھی اٹھ جائے۔ ۱۸۴۴ء کو جانے دیجئے، آج ۱۹۰۹ء ہے مگر مسلمانوں کا تسلط اس پر ہنوز جوں کا توں ہی ہے۔ اس پیشین گوئی کی بابت خود علمائے یہود و نصاریٰ میں ایک وسیع پیمانے پر اختلاف ہے، جمہور کی یہ رائے ہے کہ اس کا مصداق اینٹولس شاہ روم کا عہد تسلط ہے، جو ایک سو اکسٹھ سال عیسیٰ (علیہ السلام) کی میلاد سے قبل یروشلم پر قابض ہوا تھا، اور یوم سے مراد یہی معمولی دن ہے، مگر طامسن نیوٹن نے اپنی تفسیر میں جمہور کے اس قول کی تردید کی ہے، اور کہا کہ: اس کے مصداق سلاطین روم و باباہیں۔ دوالی ورچرڈ منٹ نے تفسیر میں لکھا ہے کہ: اس پیشین گوئی کا مبدأ و منتہا قبل از وقوع بتانا نہایت ہی مشکل ہے، جب وقوع ہوگا تو خود بخود اس کا مبدأ و منتہا معلوم ہو جائے گا۔

## چار ظہور کی پیشینگوئیاں اور ان میں چوتھے سے بہاء اللہ ہونے کا دعوی

استثنا (۲/۳۲) میں ہے:

”اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا، اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا، فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا“۔

ریویلیشن میں ہے کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیشین گوئی کی ہے کہ خدا کے بڑے دن آنے کے قبل اس کے دنیا میں تین دن اور چار ظہور ہیں: کوہ سینا کا تعلق حضرت موسی

(علیہ السلام) سے اور موسوی ظہور سے ہے، اور شعیر کی نسبت حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے عیسوی ظہور سے ہے، پھر کوہ فاران حضرت محمد ﷺ اور محمدی دین کی بابت ہے، اور چوتھا ظہور بہاء اللہ کا ہے۔

اقول:...... چوتھا ظہور حضرت عیسیٰ بن مریم کا ہے جب وہ دمشق میں دجال کو قتل کرنے کے لئے آسمان سے نازل ہوں گے، چنانچہ بالتفصیل اس کو ہم بیان کر چکے نہ بہاء اللہ کا۔

## بائبل کی دو پیشینگوئیاں: ایک عیسی علیہ السلام اور دوسری بہاء اللہ کے لئے

ریویلیشن میں ہے: بائبل میں دو طرح کی پیشین گوئیاں ہیں: ایک حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے ظہور کی بابت، دوسری حضرت بہاء اللہ کے ظہور کی بابت۔ ان دونوں میں تمیز کرنے کے لئے دو قانون ہیں: پہلا قوم یہود کی ذلت کے واسطے جتنی پیشین گوئیاں ہیں ان کا تعلق حضرت عیسی (علیہ السلام) و حضرت محمد ﷺ کے ساتھ ہے۔ دوم: بنی اسرائیل کی نجات، ان کی جمع آوری کے متعلق جتنی ہیں ان کا تعلق حضرت بہاء اللہ کے ساتھ ہے۔

اقول:...... یہ بھی ایک صریح دھوکا ہے:

اولاً:...... یہود کی جمع آوری اور ان کی رفع ذلت کو جس قدر تعلق آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہے وہ کسی کے ساتھ نہیں ہے، آنحضرت ﷺ کے جانشین حضرت فاروق (رضی اللہ عنہ) نے یروشلم میں سلطنت قائم کردی، اور آپ کے ہوا خواہ مسلمانوں نے وہاں سلسلہ قربانی کا جاری کردیا تھا، یہود و نصاریٰ کو وہاں ہر طرح کی آزادی بخشی گئی تھی، چنانچہ حجی (۹/۲) میں ہے:

’’اس سے پچھلے گھر کی بزرگی پہلے گھر کی بزرگی سے زیادہ ہوگی‘ رب الافواج فرماتا ہے۔ اور میں اس مکان میں سلامتی بخشوں گا‘ رب الافواج فرماتا ہے‘‘۔

دانی ایل (۷/۲۷) میں ہے: ''اور تمام آسمان بلکہ سارے ملکوں کی سلطنت اور مملکت اور سلطنت کی حشمت حق تعالیٰ کے مقدس لوگوں کو بخشی جائے گی، اس کی سلطنت ابدی سلطنت ہے، اور ساری مملکتیں اس کی بندگی کریں گی، اور فرمانبردار ہوویں گی''۔

ثانیاً:...... بنی اسرائیل کی جمع آوری کا تعلق بہاء اللہ کے ساتھ اس وقت صحیح ہوسکتا ہے کہ اس کے ہاتھ میں سلطنت خصوصاً بیت المقدس کی ہوتی، ایک شخص جو کسی سلطنت کے زیر حراست اسیرانہ اپنی زندگی کے مراحل طے کر چکا ہو، اور سلطنت کی آرزو میں جس کی جان پرواز ہو چکی ہو، اس کو کسی سلطنت کا مالک سمجھنا اور دوسری قوم کی آزادی کو اس کی طرف منسوب کرنا دیوانوں کی بڑ سے کچھ کم نہیں ہے۔

## ایک بات کو خوش فہمی میں بہاء اللہ کی خیالی سلطنت کے ساتھ منطبق کرنا

ریویلیشن میں ہے: دانی ایل (۷/۹) میں لکھا ہے کہ:

''میں یہاں دیکھتا رہا کہ کرسیاں رکھی گئیں اور قدیم الایام بیٹھ گیا، پھر لکھا اور لاکھوں لاکھ اس کے آگے کھڑے تھے، عدالت ہو رہی تھی اور کتابیں کھلی ہوئی تھیں'' الخ۔

اقول:...... بظاہر عبارت سے مفہوم ہے کہ یہ قیامت کے حالات و واقعات کا ہیبت ناک منظر و نمونہ ہے، جس کو مؤلف نے خوش فہمی سے بہاء اللہ کی خیالی سلطنت کے ساتھ منطبق کرنا چاہا۔

## عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی پیشینگوئی کو بہاء اللہ پر منطبق کرنا

ریویلیشن میں ہے: میکاہ کے ب: ۵/ کی ابتدائی چار آیتوں میں مسیح کے دوبارہ اور دو وقت ظہور کرنے کا حال مذکور ہے، چنانچہ لکھا ہے کہ:

''وہ کلمہ جو ازل الآزال سے زمانوں تک ظہور فرماتا اور نکلتا چلا آیا ہے، ایک دن

اسرائیل کے گھرانے میں حاکم ہوگا'' الخ۔

اقول :....... یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مسیح بن مریم (علیہ السلام) کا نزول آسمان سے قبیل قیامت کے دجال کوقتل کرنے کے لئے دمشق میں ضرور ہوگا، مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں اخذ کیا جاسکتا ہے کہ بہاء اللہ وہی مسیح بن مریم ہی ہے، اگر وہ مسیح بن مریم ہی ہے، تو کیا وہ آسمان سے دمشق کے سفید منارے کے قریب اترا؟ دجال کوقتل کیا صلیب کوتوڑا؟ وغیرہ وغیرہ، اگر یہ وہی ہے تو کیا کسی کتاب میں ہے کہ جب ان کا نزول ہوگا تو وہ شہر بدر کئے جائیں گے، اور عکہ میں نظر قید رہیں گے، اور ایک موہوم سلطنت کی دھن میں ان کی جان پرواز کر جائے گی۔ جس طرح میکاہ کی اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق مسیح بن مریم (علیہ السلام) کے دوبارہ ظہور کے ساتھ ہے، چنانچہ لفظ دوبارہ جو مؤلف کی عبارت میں ہے علانیہ اس پر دال ہے، اسی طرح پچھلی پیشین گوئی کا تعلق بھی انہی کے دوبارہ ظہور کے ساتھ ہے، چنانچہ بائبل کی یہ عبارت ناطق ہے:

''یہ اس برہ کی بازگشت دوبارہ ظہور کرنے کا دن ہے جو ایک بار قربانی ہو چکا ہے، پہلی بار اس نے موت اور شہادت کا دکھ اٹھایا ہے'' انتہی۔

ان بہائیوں سے کون پوچھے کہ کیا بہاء اللہ اپنی اس زندگانی کے قبل بھی دنیا میں پیدا ہوئے تھے، اور پیدا ہو کے قربان کئے گئے اور شہادت کا دکھ اٹھا چکے تھے، ریویلشن میں آئندہ اور بھی تھوڑے سے بیانات ہیں، لیکن ان کا غیر واقعی ہونا چونکہ تھوڑے سے غور سے معلوم ہوسکتا ہے، اس لئے ان کے متعلق میں قلم فرسائی کرنا نہیں چاہتا، مجھ کو صرف یہی دکھانا تھا کہ بائبل کی گذشتہ پیشن گوئیوں کے مصداق باب و بہاء اللہ بن سکتے ہیں یا نہیں؟ وہ بحمد اللہ ہم نے باحسن وجوہ دکھادیا۔

## اللہ کی روح نے انسان یعنی بہاء اللہ کے ہیکل میں ظہور فرمایا

رہی یہ بات کہ ریویلیشن کے اخیر صفحہ میں جو لکھا ہے کہ:

’’اس غیر محدود ذات یعنی اللہ کی روح نے انسان یعنی بہاء اللہ کے ہیکل میں ظہور فرمایا ہے‘‘

گو فی نفسہ ایک بہت ہی سخت کلمہ ہے، مگر غالی شیعہ کے عقائد پر جب غور کیا جاتا ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ ایک غالی شیعہ کی زبان سے یہ کلمہ نکلنا کچھ بعید نہیں ہے، غالی شیعہ کا یہ مشہور عقیدہ ہے کہ انبیاء وائمہ خدا ہیں، یا خدا نے ان میں حلول کیا ہے، ﴿ کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ط اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا ﴾ [1]

**والحمد للّٰہ رب العالمین ، والصلوۃ والسلام علی خاتم المرسلین ، وعلی اٰلہ وصحبہ اجمعین۔**

کتبہ: عبدالحیؒ عفی عنہ
خطیب جامع مسجد رنگون

---

[1] ......سورۂ کہف، آیت نمبر: ۵۔

ترجمہ: ...... بڑی سنگین بات ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے، جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں، وہ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔

نوٹ: ...... حاشیہ میں جن آیات کے ترجمے کئے گئے ہیں وہ سارے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے ’’آسان ترجمۂ قرآن‘‘ (توضیح القرآن) سے لئے گئے ہیں۔

مرغوب احمد لاجپوری

# الشِّہاب الثاقِب علی من قال باتِّحاد المذاہب

اس رسالہ میں انجینئر محمد حسین کا رسالہ ''اتحاد مذاہب عالم'' اوراس کے گمراہ کن عقائد، ان کے فاسد خیالات وعقائد، اوران کے باطل دعوے اوران کے جوابات' وغیرہ امور بڑی تحقیق اورعمدگی سے جمع کئے گئے ہیں۔

حضرۃ العلام مولانا عبدالحئیؒ صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ

ترتیب' حاشیہ' عنوانات اورمقدمہ......از: مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیۃ

# عرض مرتب وتعارف رسالہ

رنگون، برما، میں ایک شخص گذرا ہے جس کا نام تھا: انجینئر محمد حسین، اس نے ایک رسالہ لکھا ''اتحاد مذاہب عالم'' اس رسالہ میں اس نے اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف ایک نظریہ اور گمراہ کن خیالات لکھے، اس رسالہ کا بنیادی مقصد تھا کہ تمام ادیان ایک ہی ہیں اور سب حق پر ہیں۔ ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث سے اس عقیدے کا بطلان اظہر من الشّمس ہے، اس لئے علماء امت نے فوری طور پر اس کے باطل خیالات کی تردید ضروری سمجھی، صاحب تفسیر حقانی حضرت مولانا عبدالحق صاحب حقانی رحمہ اللہ نے ایک مختصر رسالہ اس کی تردید میں تحریر فرمایا، اس کے بعد قدرے تفصیل سے حضرۃ العلام مولانا عبدالحئیؒ صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ نے قلم اٹھایا اور ''الشهاب الثاقب على من قال باتحاد المذاهب'' کے نام سے اس کے اوہام باطلہ اور خیالات فاسدہ کا بہترین رد لکھا۔ اس رسالہ میں اس کے تمام عقائد باطلہ کی تردید قرآن وحدیث کے واضح ارشادات سے کھل کر کی گئی۔

موصوف نے دیباچہ میں اس رسالہ کی وجہ تالیف لکھ کر اس کی علمی لیاقت کا پول بھی کھول دیا، پھر درج ذیل مختلف عنوانات سے اس رسالہ کی تردید کا حق ادا کردیا:

(۱):......دیباچہ: اخیر زمانے میں جھوٹے دجال پیدا ہوں گے۔

(۲):......ایک گمراہ شخص کے عقائد وواہیات۔

(۳):......اس گمراہ کی علمی لیاقت اور مصنف تفسیر حقانی کا مختصر ومؤلف کا تفصیلی رد۔

(۴):......تمہید: قرآن کریم کا ایک عجیب اور نا قابل انکار معجزہ۔

(۵):......انجینئر محمد حسین حال ساکن رنگون کا خانہ ساز اسلام مسمیٰ ''اتحاد مذاہب عالم'' اور قرآن سے اس کی تردید۔

(۵):......مسلمان وہ ہے کہ تمام بنی نوع انسان کو اپنا مذہبی بھائی سمجھے۔

(۶):......شریعت اور دین دونوں علیحدہ ہیں۔

(۷):......انبیاء کے دین کی بنیاد توحید ہے، اور دیگر اہل مذاہب کی توحید کا حال۔

(۸):......رسولوں اور فرشتوں پر ایمان لانا بھی دین انبیاء کا رکن سمجھا جاتا ہے۔

(۹):......شریعت کا بیان۔

(۱۰):......مؤلف کا احادیث نبویہ کی اہانت کرنا اور قرآن سے اس کی تردید۔

(۱۱):......حدیث کا زنگ، اور حدیث ناپاک' مصنوعی لچر۔

(۱۲):......صدیق اکبر کا احادیث کو جلا دینا اور عمر فاروق کا روایت پر سختی کرنا۔

(۱۳):......راوی میں جھوٹ کا احتمال ہے اس لئے احادیث پر اعتماد نہیں ہوسکتا۔

(۱۴):......نئی روشنی کے گرویدوں کا تاریخ پر وحی سے زیادہ اعتماد اور اس کی وجہ۔

(۱۵):......حدیثوں کی طرح کلمۂ توحید بھی مؤلف کی زبان درازیوں سے نہ بچ سکا۔

(۱۶):......کلمہ کی طرح نماز بھی مؤلف کے دست برد سے نہ بچ سکی۔

(۱۷):......مؤلف کے دست برد سے نماز کی طرح زکوۃ بھی محفوظ نہ رہ سکی۔

(۱۸):......قرآن پر اعراب وغیرہ بعد میں لگانے کا الزام۔

(۱۹):......مسئلہ: کفارۂ صوم۔

(۲۰):......حج جو شریعت کا ایک رکن اعظم ہے وہ بھی مؤلف کی نکتہ چینیوں سے نہ بچ سکا۔

(۲۱):......ارکان اسلام پر خونخوار حملہ کے بعد سود کی حلت۔

راقم الحروف نے اس رسالہ کی جدید ترتیب میں چند باتوں کا اہتمام کیا:

(۱):......جدید کمپوزنگ سے آراستہ کیا۔

(۲):......اکثر جگہوں پر عنوانات نئے لگائے، بعض جگہوں پر عنوانات تھے ان کو باقی رکھا اور چند عنوانات میں اضافہ کیا۔

(۳):......آیات کریمہ کی تخریج کی۔ اکثر آیات کا ترجمہ خود مصنف رحمہ اللہ نے حاشیہ میں لکھ دیا تھا، ان کو باقی رکھا اور جہاں ترجمہ رہ گیا تھا، وہاں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے ''آسان ترجمۂ قرآن'' سے ترجمے لکھ دیئے گئے۔

(۴):......احادیث کی تخریج بھی کی گئی، اور جہاں ترجمے نہ تھے وہاں ترجمے بھی کئے گئے

(۵):...... جہاں فارسی اشعار تھے ان کا ترجمہ بھی حاشیہ میں لکھ دیا گیا۔

اللہ تعالی اس حقیر کاوش کو شرف قبولیت سے نواز کر حضرت مؤلف رحمہ اللہ اور راقم الحروف اور اس کی طباعت میں تعاون کرنے والے احباب کے لئے ذخیرۂ آخرت و ذریعۂ نجات بنائے، آمین۔ مرغوب احمد لاجپوری

## ''الشهاب الثاقب'' رسالہ کے نام کی تحقیق

قرآن کریم میں بھی لفظ ''شهاب ثاقب'' آیا ہے ''سورۂ صٰفت'' میں ہے: ﴿الا من خطف الخطفة فاتبعه شهاب ثاقب﴾۔ (آیت نمبر:۱۰)

ترجمہ:......البتہ جو کوئی کچھ اچک لے جائے تو ایک روشن شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔

یعنی شیاطین آسمان پر جا کر راز کی باتیں سن کر ان میں ملاوٹ کر کے پھیلاتے، اس پر فرمایا کہ: اگر شیطان کوئی بات لے آتے تو روشن شعلہ ان کا پیچھا کرتا۔

''شهاب'' کے معنی ہیں: آگ کی چمک، چنگاری، انگارہ۔ اور ''ثاقب'' کے معنی ہیں: روشن اور چمکدار۔ ''الشهاب الثاقب علی من قال باتحاد المذاهب'' کا معنی ہوا: جو اتحاد مذاہب کا دعوی کرے اس کے رد میں یہ رسالہ روشن اور چمکدار آگ کا شعلہ ہے۔ مرغوب

## دیباچہ: اخیر زمانے میں جھوٹے دجال پیدا ہوں گے

قال رسول اللہ ﷺ : یکون فی آخر الزمان دجّالون کذابون، یأتونکم من الأحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا آباؤکم، فإیاکم وإیاھم ! لا یُضِلُّونکم ولا یَفتِنُونکم ، رواه مسلم[1]

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: اخیر زمانے میں جھوٹے دجال پیدا ہوں گے وہ تمہارے سامنے ایسی باتیں کریں گے جو نہ تم نے سنی ہوگی، نہ تمہارے آباء واجداد نے، تم ان سے بچتے رہو کہ وہ تم کو گمراہی وفتنہ میں نہ ڈالیں۔

ناظرین! شاید آپ نے انجینئر محمد حسین حال ساکن رنگون کا نام سنا ہوگا، اس شخص نے چونتیس سال کے عرصے میں نیچری، وہابی وغیرہ مذاہب باطلہ سے ایک گمراہ کن مذہب کشید کیا، اور اس کے متعلق ایک رسالہ مسمیٰ ''اتحاد مذاہب عالم'' لکھا ہے، اس رسالے میں تصریح کی گئی ہے کہ مسلمان، یہود، نصاریٰ، بت پرست وغیرہم کل بنی آدم کا ایک ہی دین وشریعت ہے، اس گمراہ کن خیال کے اظہار میں چونکہ احادیث سید المرسلین ﷺ وارکان اسلام زیادہ تر رکاوٹ پیدا کرتے تھے، اس لئے ان پر اس نے مختلف وجوہ سے ایسے جاہلانہ خونخوار حملے کئے ہیں کہ ان کے سنتے ہی ایک سچے مسلمان کا دل کانپ اٹھے بغیر نہیں رہ سکتا، چنانچہ اس رسالے میں لکھا ہوا ہے کہ:

## ایک گمراہ شخص کے عقائد وواہیات

احادیث نبویہ زنگ ہے، ناپاک شراب ہے، صحاح ستہ ناپاک مصنوعی لچر حدیثوں، روایتوں کا دفتر ہے ''لا الہ الا اللہ'' کے ساتھ ''محمد رسول اللہ'' کہنا یہ شرک فی الکلمہ

[1] ...... مسلم شریف ص ۹ ر ج ۱، باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء والاحتیاط فی تحملھا۔

ہے، نماز کے لئے صرف اللہ کی طرف دھیان باندھ لینا کافی ہے، وہ بھی دو ہی وقت: صبح وشام اور دو وقت بھی بشرط اطمینان، نماز میں التحیات' درود پڑھنا یہ شرک فی الصلوۃ ہے، صرف ایک ہی روزہ فرض ہے' وہ بھی اگر تکلیف نہ ہو، ورنہ فدیہ کافی ہے، زکوۃ مروجہ ایک ٹیکس ہے، زکوۃ کے لئے کوئی حد نہیں جو چاہے دے دے، حج مالداروں کے لئے ایک سیر وتفریح ہے، تابعین نے قرآن میں زیر وزبر پیش حسب پسند لگائے ہیں، چوگنا سود حرام اس سے کم جائز ہے۔

## اس گمراہ کی علمی لیاقت اور مصنف تفسیر حقانی کا مختصر ومؤلف کا تفصیلی رد

گو مؤلف کا ''محمد رسول اللہ'' کو ''محمد الرسول اللہ'' لکھنا اور ربوا کو ربوون سے مشتق کہنا، اس سے اس کی علمی لیاقت کا صحیح اندازہ کر کے ان کے حملے کے جواب میں صرف ﴿ وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴾ [1] کہہ دینا کافی تھا، مگر چونکہ یہ صرف زندقہ والحاد ہی نہیں تھے، بلکہ عموماً مسلمانوں کے دلوں کو سخت رنج پہنچانے والے اور جاہلوں کو فتنے اور گمراہی میں ڈالنے والے تھے، اس لئے اسلامی دنیا میں ان کی تردید نہایت ہی ضروری سمجھی گئی، چنانچہ عالی جناب مولوی ابو محمد عبدالحق صاحب مصنف تفسیر حقانی (رحمہ اللہ) نے سب سے پہلے اس رسالہ کا ایک دنداں شکن جواب لکھ کے اس کی اشاعت کر دی ہے۔

چونکہ مولانا کا یہ جواب نہایت ہی مختصر تھا، اس لئے اس کمترین نے بھی اس کا ایک بسیط جواب لکھا اور اس کا نام '' الشِّھابُ الثَّاقِب علی من قال باتِّحاد المذاھب'' رکھا

---

[1] ......سورۂ فرقان، آیت نمبر: ۶۳۔
ترجمہ: اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) خطاب کرتے ہیں تو وہ سلامتی کی بات کہتے ہیں۔

ہے، اس جواب میں مؤلف کی کل کارسازیوں، دست اندازیوں کی نہایت ہی عمدگی سے قلعی کھول دی گئی ہے، اوران کے ادلہ وشبہات کے محققانہ انداز پر طمانیت بخش جواب لکھے گئے ہیں، میں یقین کرتا ہوں کہ مؤلف اگر کچھ عرصے کے لئے پردۂ تعصب کو ہٹا کے بنظر انصاف اس جواب کو دیکھیں گے تو ضرور وہ ان ناپاک خیالات سے رجوع کریں گے اور اپنی ان گذشتہ کارسازیوں سے دست کش ہوجائیں گے، وما علینا إلا البلاغ المبین ۔

اس موقعہ پر میں ''سورتی مسلم ایسوسی ایشن رنگون'' واقع اسٹران روڈ' نمبر: ۲۵؍ کا شکریہ ادا کرنا بھی نہایت ہی ضروری خیال کرتا ہوں۔

''سورتی مسلم ایسوسی ایشن'' کی یہ ایک قابل قدر اسلامی ہمدردی ہے کہ صرف اسلام کی حمایت وخیرخواہی کے خیال سے اس نے اس رسالے کی اشاعت میں جوایک شخص کے ناپاک خیالات کی تردید میں لکھا گیا مالی تائید کی۔

میں امید کرتا ہوں کہ اور اسلامی ایسوسی ایشن بھی اس کی ایسے امور میں تقلید کر کے وقتاً فوقتاً اسلام کی حمایت کرتی رہیں گی۔

عبدالحیؒ عفی عنہ

خطیب جامع رنگون

## تمہید، قرآن کریم کا ایک عجیب اور نا قابل انکار معجزہ

### بسم اللہ الرحمن الرحیم

یوں تو بہت سی کتابیں آج دنیا میں آسمانی مانی جاتی ہیں، مگر ہوا پرستوں کے دست تصرف سے سوائے قرآن مقدس کے اور کوئی بھی آسمانی کتاب محفوظ نہ رہ سکی، قرآن مقدس پر گو آج تیرہ سو برس سے بھی کچھ زیادہ عرصہ گذر چکا ہے، تاہم جس ہیئت وشان سے نبی عربی (روحی فداہ) پر نازل کیا گیا تھا بعینہ اسی ہیئت وشان پر اس وقت تک موجود ہے، نہ اس میں کوئی چیز بڑھائی گئی، نہ اس سے کوئی چیز گھٹائی گئی۔ یہ قرآن مقدس کا ہی ایک بے نظیر اعجاز ہے کہ اس کے گھمنڈ پر وہ جہاں تک اور کتب ساوی پر فخر ومباہات کرے نہایت ہی زیبا ہے۔ قرآن مقدس کی بلیغ عربی عبارت کی تہ میں چونکہ حقائق ومعارف کے نہایت قیمتی جواہر مخفی تھے، ان کو پبلک کے سامنے پیش کرنے کے لئے علمائے روحانیین کو جس جس علم کی ضرورت محسوس ہوتی گئی اس کی تدوین ان کے دماغی مشینوں سے ہوتی گئی، اور وقتاً فوقتاً اس میں نمایاں ترقی ہوتی رہی، اور صدہا بسیط ووجیز کتابیں لکھی گئیں، یہاں تک کہ قرآن مقدس کا قیمتی خزانہ ایک ایسا سہل الماخذ کر دیا گیا کہ بوساطت ان علوم کے ہر ایک ملک اور قوم کا ہر ایک شخص نہایت ہی آسانی اور سہولت سے اس سے متمتع ہوسکتا ہے۔

درحقیقت یہ علوم علم القرآن کے لئے مبادی سمجھے گئے ہیں، بدون ان مبادی کے قرآن کی تہ کو پہنچنا اور اس کے اصلی اغراض ومقاصد تک رسائی پیدا کرنا ایسا ہے جیسے بدون آنکھ کے دیکھ لینا اور بدون کان کے سن لینا۔

واقعی علمائے اسلام کا اسلام اور مسلمانوں پر بہت ہی بڑا احسان ہے کہ اگر وہ ان علوم کی

---

[۱]...... صدہا بسیط ووجیز: سینکڑوں، مبسوط ومختصر۔

تدوین نہ کرتے‘ اوران کی اشاعت کے لئے عرق ریزی نہ فرماتے‘ تو نہ ہم قرآن کی تہ کو پہنچ سکتے اور نہ قرآن نیچریانہ خیالات کی آمیزشوں اور غارت گریوں سے محفوظ رہ سکتا۔

آج آزادی کی تند ہوانے ہوا پرست اشخاص کے نور فطرت کو مٹا کے ان میں جہل مرکب کا ایک ایسا سرکش دیو پیدا کردیا ہے کہ اس کے بل پر وہ اپنے جہل کو بھی نہیں سمجھ سکتے، جس طرح وہ شخص کہ اصول جہاز رانی سے بالکل ناواقف ہواور جہاز رانی کے لئے مستعد ہو جائے احمق کہا جاسکتا ہے، اسی طرح وہ شخص جو نہ قرآن مقدس کا صحیح ترجمہ جانتا ہو اور نہ اس کے مبادی سے مس رکھتا ہواور، پھر قرآن کی اصلاح اوران کے جاننے والوں کی تغلیط کے لئے کوشش کرے ایک دیوانے سے کم نہیں ہوسکتا۔

قرآن مقدس کے نزول کا اصلی منشا تو یہی تھا کہ انسان نفسانی خواہش وجذبات کو احکام قرآن کے تابع بنا کے خود میں اوصاف ملکیہ پیدا کرنے کی کوشش کرے، مگر یہ آزادی کے دلدادے قرآن مقدس ہی کو خواہش وجذبات نفسانی کے تابع بنا کے اپنے میں اوصاف شیطانیہ پیدا کرنا چاہتے ہیں: ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

بلاشک آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان نہایت ہی صحیح ہے کہ: جب شریعت کا اعتماد نالائقوں پر کیا جائے گا تو سمجھو کہ قیامت قریب ہے۔[1]

---

[1]......اذ اوسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة۔

(بخاری ج ۱، باب من سئل علما وهو مشغول فی حدیثه ، فاتم الحدیث ثم اجاب، کتاب العلم، رقم الحدیث ۵۹۔ باب رفع الامانة ، کتاب الرقاق ، رقم الحدیث: ۶۴۹۶)

# انجینئر محمد حسین حال ساکن رنگون کا خانہ ساز اسلام مسمیٰ ''اتحاد مذاہب عالم'' اور قرآن سے اس کی تردید

ناظرین نے محمد حسین حال ساکن رنگون کا نام سنا ہوگا، اس شخص کے شوریدہ[۱] سر میں ایک مدت سے اتحاد مذاہب عالم کا ملحدانہ خیال گونج رہا تھا، آخر چونتیس سال کے عرصہ میں یہ سربستہ خیال ایک رسالے کے لباس میں ظاہر ہوا، اس رسالے کا نام بھی ''اتحاد مذاہب عالم'' ہی رکھا گیا، اس رسالے میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ اس وقت دنیا بھر میں جتنے مذاہب موجود ہیں سب متحدہ اور حق ہیں، مسلمانوں کو چاہئے کہ یہود ونصاری وبت پرست وغیرہ کل بنی آدم کو اپنا مذہبی بھائی سمجھیں، چنانچہ رسالۂ اتحاد مذاہب کے صفحہ: ۳۵/۳۶/ میں لکھا ہے کہ:

## مسلمان وہ ہے کہ تمام بنی نوع انسان کو اپنا مذہبی بھائی سمجھے

مسلمان وہ ہے کہ تمام بنی نوع انسانوں کو اپنا قریبی رشتہ دار یعنی مذہبی پیارا بھائی سمجھے، دراصل عیسائی اور یہودی مسلمانوں کے بلحاظ مذہبی عمر کے بڑے بھائی ہیں' الخ۔

اقول:......اس دعوے کے ثبوت میں اس نے یہ آیت پیش کی ہے:

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى ﴾۔ [۲]

یعنی جس دین کے لئے اللہ تعالیٰ نے نوح اور ابراہیم اور موسی اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی، اور محمد ﷺ کی طرف وحی نازل کی ہے وہی دین اللہ تعالیٰ نے (مسلمانوں) تمہارے لئے

[۱]......شوریدہ: پریشان، حیران، جنونی، دیوانہ۔

[۲]......سورۂ فرقان، آیت نمبر:۶۳۔

مقرر کیا ہے۔

میں قطعی طور پر تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ مؤلف کا یہ دعویٰ اپنی ذاتی تحقیق پر مبنی ہے یا پھر نیچر کی تقلید پر، مگر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ دعویٰ اور یہ استدلال حقیقت حال کی ناواقفیت کا سراسر نتیجہ ہے، صرف یہی ایک بات نہیں، بلکہ آج نئی روشنی والے اپنی تھوڑی سی بساط علمی پر جس جس امر میں مشاہیر حامیان اسلام کی مخالفت کر کے اپنے منہ پر خاک ڈال رہے ہیں، یہ بالکل ان کی غلط فہمیوں کا ثمرہ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ انسان جب ایک چیز کی حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے اور پھر اس سے بحث کرنے پر اقدام کرتا ہے تو قدم بقدم اس کو ٹھوکریں لگتی جاتی ہیں، اور سوائے ''خسر الدنیا والآخرۃ'' کے اس پر کوئی بھی نتیجہ مترتب نہیں ہوتا ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ اس موضوع پر محققانہ پہلو سے کسی قدر بسط (وتفصیل) کے ساتھ بحث کی جائے، تا کہ اس بات میں غلط فہمی کا تاریک خیال جو وقتاً فوقتاً اسلامی دنیا میں شورش پیدا کرتا رہتا ہے رفع ہو جائے۔

## شریعت اور دین دونوں علیحدہ ہیں

عربی لغات کا ماہر اس میں شک نہیں کرسکتا کہ مذہب بمعنی شریعت ہی ہے، البتہ یہ امر قابل غور ہے کہ کیا شریعت و دین ایک ہے یا دونوں علیحدہ؟ قرآن مقدس جس کو مسلمان آفتاب ہدایت تسلیم کرتے ہیں، وہ اس امر پر روشنی ڈالتا ہے کہ شریعت و دین دونوں علیحدہ ہیں ایک نہیں ہو سکتے ہیں، سورہ شوریٰ کی آیت: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ﴾ (الآیۃ)۔ جو پہلے لکھی جا چکی، اس سے نہایت وضاحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جتنے انبیاء ورسول گذر چکے سب کا ایک ہی دین تھا، تمام کا یہی دین تھا کہ اللہ تعالیٰ ذات وصفات میں

یکتا سمجھا جائے ۱، اللہ تعالیٰ ہی کو مستحق عبادت مانا جائے ۲، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے تمام اوامر ونواہی کی پیروی کرنا فرض سمجھا جائے ۳، تمام انبیاء ورسل، اور تمام کتب منزلہ، اور تمام فرشتوں پر ۴ ایمان اور آخرت ۵ اور حیات بعد موت پر ۶ اور دوزخ ۷ وجنت ۸ وقیامت کے کل متعلقات پر ایمان لایا جائے، اسی دین کا نام اسلام ہے، اسی اسلام کی بابت نوح (علیہ السلام) نے فرمایا تھا ﴿ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ

۱......﴿ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾۔ (سورۂ بقرہ، آیت نمبر:۱۶۳)

ترجمہ:......تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔

۲......﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا ﴾۔ (سورۂ نساء، آیت نمبر:۳۶)

ترجمہ:......اور اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

۳......﴿ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ﴾۔ (سورۂ ال عمران، آیت نمبر:۳۲)

ترجمہ:...... کہہ دو اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔

۴......﴿ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ﴾۔ (سورۂ بقرہ، آیت نمبر:۲۸۵)

ترجمہ:...... یہ سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔

۵......﴿ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴾۔ (سورۂ ضحیٰ، آیت نمبر:۳)

ترجمہ:......اور یقیناً آگے آنے والے حالات تمہارے لئے پہلے حالات سے بہتر ہیں۔

۶......﴿ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ﴾۔ (سورۂ بقرہ، آیت نمبر:۲۸)

ترجمہ:......پھر وہی تمہیں موت دے گا، پھر وہی تم کو (دوبارہ) زندہ کرے گا۔

۷......﴿ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴾۔ (سورۂ بقرہ، آیت نمبر:۲۴)

ترجمہ:......تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

۸......﴿ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾۔ (سورۂ ال عمران، آیت نمبر:۱۳۳)

ترجمہ:......اور وہ جنت حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ کر تیزی دکھاؤ جس کی چوڑائی اتنی ہے کہ اس میں تمام آسمان اور زمین سما جائیں، اور وہ پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ (بقیہ ص ۱۵ اپر)

الْـمُسْلِمِیْنَ ﴾ ۱ اسی اسلام کی بابت ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی اور فرمایا تھا: ﴿فَلاَ تَـمُـوْتُـنَّ اِلَّا وَاَنْتُـمْ مُسْـلِـمُوْنَ ﴾ ۲ اسی اسلام کے لئے موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا تھا: ﴿ اِنْ كُـنْتُـمْ اٰمَـنْتُـمْ بِـاللّٰــهِ فَـعَلَیْـهِ تَوَكَّلُوْآ اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ ﴾ ۳ اسی اسلام کے لئے عیسیٰ (علیہ السلام) کے سامنے حواریوں نے کہا تھا: ﴿ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ج وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴾ ۴ اسی اسلام کی شان میں قرآن میں تصریح ہے: ﴿ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾۔۵

اس سے یہ امر تو طے ہو چکا کہ آج تک جتنے انبیاء گذر چکے سب کا ایک ہی دین تھا، مگر ابھی تک یہ بات بحث طلب ہے کہ اس وقت جتنی آسمانی کتابیں دنیا میں مانی جاتی ہیں کیا ان میں یہ دین موجود ہے؟ اور ان کے ماننے والے کیا اس دین پر قائم ہیں؟

جو شخص قرآن کو کلام الٰہی تسلیم کرتا ہے، وہ یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا ہے کہ قرآن کے سوا کسی آسمانی کتاب میں یہ دین موجود نہیں ہے، قرآن کے طرز بیان سے صاف یہ معلوم

---

۱......سورۂ یونس، آیت نمبر: ۷۲۔

ترجمہ:......اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں بردار لوگوں میں شامل رہوں۔

۲......سورۂ بقرہ، آیت نمبر: ۱۳۲۔

ترجمہ:......لہٰذا تمہیں موت بھی آئے تو اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔

۳......سورۂ یونس، آیت نمبر: ۸۴۔

ترجمہ:......اگر تم واقعی اللہ پر ایمان لے آئے ہو تو پھر اسی پر بھروسہ رکھو، اگر تم فرماں بردار ہو۔

۴......سورۂ آل عمران، آیت نمبر: ۵۲۔

ترجمہ:......ہم اللہ پر ایمان لا چکے ہیں، اور آپ گواہ رہئے کہ ہم فرماں بردار ہیں۔

۵......سورۂ آل عمران، آیت نمبر: ۱۹۔

ترجمہ:......بیشک (معتبر) دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

ہوتا ہے کہ ان آسمانی کتابوں میں خصوصا کتب عہد قدیم وجدید میں ہوا پرستوں نے اس قدر خود غرضانہ سازشیں وتعدیین کی ہیں کہ انبیاء کے دین نے ان کتابوں کو خیر باد کہہ دیا، اور بجائے اس کے ایک خانہ ساز مذہب نے ان کتابوں کو اپنا قرار گاہ بنالیا ہے، سورہ بقرہ میں موجود ہے:

﴿ فَوَيْلٌ لِلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ ۚ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ ۱؎

سورۂ عمران میں ہے:

﴿ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ ج وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ج وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ ۲؎

حسب ہدایت قرآن مقدس جب ناعاقبت اندیش ہوا پرستوں کی سازشوں نے انبیاء کے دین کو ان آسمانی کتب سے رخصت کر کے ان کو ایک خانہ ساز مذہب کا آشیانہ بنا دیا ہو، کیا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ ان کتابوں کے ماننے والے انبیاء کے دین پر قائم ہیں یا وہ مسلمانوں کے جو انبیاء کے دین پر قائم ہیں مذہبی یا دینی بھائی ہو سکتے ہیں؟

---

۱؎......سورۂ بقرہ، آیت نمبر: ۷۹۔

ترجمہ:......لہذا تباہی ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر (لوگوں سے) کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

۲؎......سورۂ اٰل عمرٰن، آیت نمبر: ۷۸۔

ترجمہ:......اور انہی میں سے ایک گروہ کے لوگ ایسے ہیں جو کتاب (یعنی تورات) پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو مروڑتے ہیں تا کہ تم (ان کی مروڑ کر بنائی ہوئی) اس عبارت کو کتاب کا حصہ سمجھو، حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہوتی۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ (عبارت) اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی۔ اور (اس طرح) وہ اللہ پر جانتے بوجھتے جھوٹ باندھتے ہیں۔

## انبیاء کے دین کی بنیاد توحید ہے، اور دیگر اہل مذاہب کی توحید کا حال

اس میں شک نہیں جو شخص انبیاء کے دین سے واقف ہے، وہ ضرور یہ کہے گا کہ انبیاء کے دین کی عظیم الشان عمارت کی بنیاد توحید ہے، آج قرآن کے سوا جتنی کتابیں آسمانی مانی جاتی ہیں ان میں توحید کا نام ونشان بھی باقی نہیں ہے، اگر یہود کو دیکھتے ہیں تو وہ عزیر (علیہ السلام) کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں [۱] صرف اتنا ہی نہیں وہ اللہ کو فقیر [۲] اور بخیل [۳] بھی کہتے ہیں، اگر نصاری کو دیکھتے ہیں تو وہ عیسی (علیہ السلام) [۴] اور مریم اور روح القدس کو خدا کہتے ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ عیسی (علیہ السلام) کو خدا کا بیٹا بھی مانتے ہیں۔ [۵] باقی بت پرستوں نے تو توحید کے نام ہی کو بالکل مٹا دیا ہے۔

پھر قیامت اور اس کے متعلقات پر ایمان لانا بھی دین انبیاء کا بہت بڑا رکن سمجھا جاتا ہے، مگر اس میں بھی اس قدر افراط وتفریط کی گئی کہ ان پر ایمان لانا اور نہ لانا برابر ہے، یہود

---

۱...... ﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ ﴾۔ (سورۂ توبہ، آیت نمبر: ۳۰)

ترجمہ: ...... یہودی تو کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔

۲...... ﴿ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْآ اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ ﴾۔ (سورۂ آل عمران، آیت نمبر: ۱۸۱)

ترجمہ: ...... اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جو یہ کہتے ہیں کہ: اللہ فقیر ہے۔

۳...... ﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ﴾۔ (سورۂ مائدہ، آیت نمبر: ۶۴)

ترجمہ: ...... اور یہودی کہتے ہیں کہ: اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔

۴...... ﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْآ اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ﴾۔ (سورۂ مائدہ، آیت نمبر: ۷۳)

ترجمہ: ...... وہ لوگ (بھی) یقیناً کافر ہو چکے ہیں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ: اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔

۵...... ﴿ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ﴾۔ (سورۂ توبہ، آیت نمبر: ۳۰)

ترجمہ: ...... اور نصرانی یہ کہتے ہیں کہ: مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔

نہایت زور سے دعوی کرتے ہیں کہ: جنت میں ہمارے سوا کوئی داخل نہ ہوگا، ۱ ہم جہنم میں کبھی نہیں جائیں گے، اگر جائیں گے بھی تو صرف چند روز کے لئے ۔۲ نصاری کہتے ہیں کہ: جنت کا ہمارا اجارہ ہے، ۳ یہود وغیرہ کبھی جنت میں نہیں داخل ہوسکتے ہیں۔ بت پرست کہ وہ تو قیامت ہی کو سرے سے نہیں مانتے ہیں۔

## رسولوں اور فرشتوں پر ایمان لانا بھی دین انبیاء کا رکن سمجھا جاتا ہے

پھر رسولوں پر ایمان لانا بھی دین انبیاء کا رکن رکین سمجھا جاتا ہے، مگر وہ بھی ان کی تعدیوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ یہود نے عیسی (علیہ السلام) کی شان میں جو جو گستاخیاں کی ہیں ان کو کون نہیں جانتا؟ صرف اتنا ہی نہیں آنحضرت ﷺ کی رسالت کو بھی وہ دانستہ انکار کرتے ہیں۔۱ نصاری صرف آنحضرت ﷺ کی رسالت کا انکار ہی نہیں کرتے۔ بلکہ تقریراً وتحریراً آنحضرت ﷺ پر طرح طرح کے بہتان باندھتے رہتے ہیں۔ اور بت پرستوں کا تو پوچھنا ہی کیا؟ وہ تو ان میں سے کسی کو بھی نبی نہیں مانتے۔

پھر فرشتوں پر ایمان لانا بھی انبیاء کے دین کا جزء اعظم ہے، مگر وہ بھی ان کی سازش

۱......﴿ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْداً اَوْ نَصٰرٰى ﴾۔(سورۂ بقرہ، آیت نمبر:۱۱۱)
ترجمہ:......اور یہ (یعنی یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ: جنت میں سوائے یہودیوں یا عیسائیوں کے کوئی بھی داخل نہیں ہوگا۔

۲......﴿ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ﴾۔(سورۂ بقرہ، آیت نمبر:۸۰)
ترجمہ:......اور یہودیوں نے کہا کہ: ہمیں گنتی کے چند دنوں کے علاوہ آگ ہرگز نہیں چھوئے گی۔

۳......﴿ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْداً اَوْ نَصٰرٰى ﴾۔(سورۂ بقرہ، آیت نمبر:۱۱۱)
ترجمہ:......اور یہ (یعنی یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ: جنت میں سوائے یہودیوں یا عیسائیوں کے کوئی بھی داخل نہیں ہوگا۔

سے چھوٹنے نہ پائے، یہود جبرئیل (علیہ السلام) کی نسبت سخت دریدہ دہنی [۱] کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ: جبرئیل تو ہمارا دشمن ہے، وہ ہمارے دلی رازوں کا افشا کیا کرتا ہے۔

غرض یہود ونصاریٰ وغیرہم کی ان کشمکشوں وتعدیوں کے سبب دین انبیاء نے ان کی کتابوں کو خیر باد کہہ کے قرآن مقدس کو جس کی حفاظت کا حامی وذمہ دار خود خداوند کریم ہے اپنا ماوی ومسکن ٹھہرالیا ہے، خود قرآن مقدس ناطق ہے:

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾۔ [۲]

حسب ارشاد قرآن جب یہود ونصاریٰ وغیرہم میں نہ توحید پائی جاتی ہو اور نہ آخرت، اور رسل وکتب الٰہی وفرشتوں پر جو دین انبیاء کے حقیقی اجزا ہیں ان کا ایمان صحیح نہ ہو تو ایک ملحد شوریدہ سر کا یہ کہنا کہ یہود ونصاریٰ، بلکہ تمام بنی آدم مسلمانوں کے دینی بھائی ہیں، کیا یہ قرآن کا انکار اور جہالت کا نتیجہ نہیں ہوسکتا ہے؟

مسلمانوں کا دین بعینہ انبیاء کا دین ہے، مسلمانوں کا دین وایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ذات وصفات میں یکتا ہے، جس طرح عیسی وموسی وابراہیم (علیہم السلام) وغیرہم انبیا تھے محمد ﷺ بھی نبی ہیں، جس طرح تورات وانجیل وزبور وغیرہم جو تحریف سے محفوظ تھیں آسمانی کتابیں ہیں، قرآن مقدس بھی آسمانی کتاب ہے، فرشتے موجود معصوم ہیں، آخرت اور اس کے متعلقات حق ہیں، جنت کا حقدار وہی ہوسکتا ہے جو دین حق پر قائم ہو، ان میں سے اگر ایک شی کا بھی کوئی انکار کرے گا تو قرآن اس کو کافر کہے بغیر نہیں رہے گا، قرآن ناطق ہے:

---

[۱] ......دریدہ دہنی: گستاخ، بدزبان، منہ پھٹ۔

[۲] ......سورۂ نمل، آیت نمبر ۷۷۔

ترجمہ: ......واقعہ یہ ہے کہ یہ قرآن بنو اسرائیل کے سامنے اکثر ان باتوں کی حقیقت واضح کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلاً م بَعِيْدًا ﴾۔ ۱

بناءً علیہ اگر کوئی آنحضرت ﷺ اور قرآن پر ایمان نہ لائے گا تو وہ کافر ہے، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہود ونصاری آنحضرت ﷺ اور قرآن پر ایمان رکھتے ہیں؟ جب آنحضرت ﷺ اور قرآن پر ایمان نہ لائے تو کیا قرآن کی رو سے وہ انبیاء کے دین پر قائم کہے جا سکتے ہیں؟ پھر مؤلف جو کہتا ہے کہ یہود ونصاری مسلمانوں کے دینی بھائی ہیں، کیا یہ ایک صریح جہالت کا نتیجہ نہیں؟

مجھ کو اس پر سخت حیرت ہے کہ جب تمام بنی آدم مسلمانوں کے دینی بھائی قرار دیئے جائیں گے تو کل بنی آدم مومن ہوں گے، پھر قرآن جا بجا جن پر کفر کا فتویٰ دیتا رہتا ہے، وہ کونسے کافر ہیں؟ کیا یہ کافر کسی اور نوع کے افراد ہیں؟ جب انسان کی دماغی مشین بگڑ جاتی ہے تو پھر اس قسم کی لغو باتیں اسے پیدا ہوا کرتی ہیں۔

## شریعت کا بیان

گو تمام انبیاء اور رسولوں کا ایک ہی دین تھا، لیکن ہر ایک رسول کی شریعت جداگانہ تھی، قرآن مقدس ناطق ہے: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾ ۲ شریعت چند احکام کے مجموعہ کا نام ہے، ان میں سے بعض احکام متحد ہیں اور بعض مختلف ہیں، بلحاظ ذات یا ارکان وآداب کے اس امر کی توضیح کے لئے کہ تمام انبیاء کی شریعتیں جداگانہ ہیں،

۱......سورۂ نساء، آیت نمبر: ۱۶۳۔

ترجمہ:......اور جو شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس کے رسولوں کا اور یوم آخرت کا انکار کرے، وہ بھٹک کر گمراہی میں بہت دور جا پڑا۔

۲......سورۂ مائدہ، آیت نمبر: ۴۸۔

ترجمہ:......تم میں سے ہر ایک (امت) کے لئے ہم نے ایک (الگ) شریعت اور طریقہ مقرر کیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ایک دل چسپ مثال بیان فرمائی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ہے:
''الأنبیاء أخوة من علاّت وأمهاتهم شتّی ودینُهم واحد'' ۱؎ یعنی انبیاء علاتی بھائی ہیں (ماں) یعنی شریعتیں ان کی مختلف ہیں اور (باپ) دین ان کا ایک ہی ہے۔

درحقیقت شریعت نبی وامت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک دستورالعمل قرار دیا گیا ہے، اس پر ایمان لانا' اس کی پیروی کرنا فرض اوراس کا انکار کرنا اتفاقاً کفر سمجھا گیا ہے، قرآن مقدس میں جس طرح انبیاء کا دین اپنی اصلی صورت پر ظاہر کیا گیا، اسی طرح اس میں ایک جامع و مستقل شریعت بھی نہایت عمدہ پیرایہ میں بیان کی گئی ہے، چونکہ شریعت کا ذکر کسی قدر اجمال کے ساتھ قرآن میں کیا گیا ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے احادیث میں اس کی پوری توضیح وتشریح کردی ہے، یہ شریعت حسب اقتضائے وقت نہایت سہولت پر مبنی ہے، یہ شریعت اگلی شریعتوں سے جداگانہ اوران کے لئے ناسخ ہے، اس لئے کہ اگلی شریعتیں ہوا پرستوں کی سازشوں کے سبب خواہشات وہوا کا ایک مجموعہ بن گئی ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کی شریعت کی پیروی کرنے سے صاف انکار کردیا ہے، قرآن مقدس میں موجود ہے:

﴿وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَ هُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَکَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ﴾ ۲؎

۱؎......مشکوۃ شریف، ص۵۰۹، باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء علیهم الصلوہ والسلام۔

۲؎......سورۂ بقرہ، آیت نمبر:۱۲۰۔

ترجمہ:......اور یہود ونصاریٰ تم سے اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کے مذہب کی پیروی نہیں کروگے۔ کہہ دو کہ حقیقی ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے۔ اور تمہارے پاس (وحی کے

اورقرآن شریعت کی پیروی کرنے کوفرض بتایا ہے،قرآن میں ہے:

﴿ ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾۔[۱]

چونکہ یہود ونصاری دین انبیاء کو جوقرآن مقدس میں مذکور ہے نہیں مانتے ہیں، اسی طرح وہ اس شریعت کوبھی نہیں مانتے جوقرآن میں مذکور ہے،اس لئے قرآن نے ان پر کفر کا فتویٰ جاری کرکےان کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا ہے،قرآن میں تصریح ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ ﴾۔[۲]

جب یہود ونصاری اس دین وشریعت کونہیں مانتے ہیں جن کومسلمان مانتے ہیں تو وہ مسلمانوں کے دینی ومذہبی کیسے بھائی ہوسکتے ہیں؟

بلاشبہ جس کے دل ودماغ میں متکبرانہ خیالات کی تاریکی پھیل جاتی ہے،تو وہ انورِالٰہی سے بالکل روک دیا جاتا ہے،قرآن میں موجود ہے:

---

ذریعے ) جوعلم آگیا ہے،اگرکہیں تم نے اس کے بعد بھی ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرلی توتمہیں اللہ سے بچانے کے لئے نہ کوئی حمایتی ملے گا نہ کوئی مددگار۔

[۱]......سورۂ جاثیہ،آیت نمبر:۱۸۔

ترجمہ:......پھر (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں دین کی ایک خاص شریعت پر رکھا ہے،لہٰذا تم اسی کی پیروی کرو،اوران لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلنا جوحقیقت کا علم نہیں رکھتے۔

[۲]......سورۂ توبہ،آیت نمبر:۲۹۔

ترجمہ:......وہ اہل کتاب جونہ اللہ پرایمان رکھتے ہیں، نہ یوم آخرت پر، اور جواللہ اوراس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کوحرام نہیں سمجھتے،اورنہ دین حق کو اپنا دین مانتے ہیں،ان سے جنگ کرو، یہاں تک کہ وہ خوار ہوکراپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔

﴿ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَق ﴾۔ ۱

چنانچہ بعض لوگوں نے اپنی ہمہ دانی کے زعم میں قولہ تعالیٰ:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾۔ ۲

سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہود ونصاری وصابئین مسلمانوں کے دینی ومذہبی بھائی ہیں، اس لئے کہ اس آیت میں اخروی سعادت حاصل کرنے کے لئے صرف اللہ وآخرت پر ایمان لانا اور نیک کام کرنا کافی بتایا گیا ہے، اور یہ دونوں باتیں جس طرح مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں اسی طرح یہود ونصاری وصابئین میں بھی پائی جاتی ہیں، بعبارت دیگر اس کے یہ معنی ہوئے کہ اخروی سعادت حاصل کرنے کے لئے نہ رسولوں پر ایمان لانے کی ضرورت ہے، نہ کتب منزلہ پر، نہ فرشتے وغیرہ ضروریات دین پر۔

اقول:...... جس شخص کو علم القرآن ہوگا وہ کبھی بھی اس نتیجہ کو تسلیم نہیں کرسکتا، یہ امر پہلے مبرھن ہو چکا ہے کہ آدمی جب تک انبیاء کے متفق علیہ دین اور شریعت پر ایمان نہ لائے تب تک وہ مومن نہیں ہوسکتا، انبیاء کے دین میں جس طرح اللہ تعالیٰ وآخرت پر ایمان لانا ضروری سمجھا گیا ہے، اسی طرح جملہ رسول وکتب منزلہ وفرشتوں پر بھی ایمان لانا ضروری

---

۱...... سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۱۴۶۔

ترجمہ:...... میں اپنی نشانیوں سے ان لوگوں کو برگشتہ رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔

۲...... سورۂ بقرہ، آیت نمبر: ۶۲۔

ترجمہ:...... حق تو یہ ہے کہ جو لوگ بھی، خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی یا نصرانی یا صابی، اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئیں گے اور نیک عمل کریں گے، وہ اپنے پروردگار کے پاس اپنے اجر کے مستحق ہوں گے، اور ان کو نہ کوئی خوف ہوگا، نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے۔

بتایا گیا ہے، ورنہ قولہ تعالیٰ:

﴿ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ﴾ [1]

کے کیا معنی ہوں گے؟

بناءً علیہ یہ ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے گو یہاں ایمان مبدأ و معاد کو ذکر کر دیا ہے، مگر مراد اس سے تمام ضروریات دین پر ایمان لانا ہے، ورنہ آیات قرآنی میں تعارض واقع ہوگا جو کلام الٰہی کی شان سے بالکل خلاف ہے، رہی یہ بات کہ یہاں پر صرف مبدأ و معاد پر کیوں اکتفا کیا گیا؟ اور دوسرے ضروریات دین جن پر بھی ایمان لانا ضروری ہے ان کا کیوں نہیں ذکر کیا گیا؟ اس میں کیا نکتہ ہے؟

اس میں یہ نکتہ ہے کہ مبدأ و معاد دونوں اطراف ہیں، اور دوسرے ضروریات دین درمیان میں واقع ہیں، اور یہ مسلم ہے کہ اطراف کے ذکر سے اوساط کا ضمناً ذکر ہو جاتا ہے۔

بنابراس تحقیق کے آیت کا یہ مطلب و مفاد ہوگا کہ منافق جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہود و نصاریٰ و صابئین کو قیامت میں ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا بشرطیکہ اللہ تعالیٰ و آخرت وغیرہ جملہ ضروریات دین پر ایمان لاویں، اور ظاہر ہے کہ یہود و نصاریٰ و صابئین کا نہ آنحضرت ﷺ پر ایمان ہے، نہ قرآن مقدس پر، پس ان کو قیامت میں کیسے بدلہ دیا جا سکتا ہے؟ اور کیسے وہ مسلمانوں کے دینی و مذہبی بھائی ہو سکتے ہیں؟ قرآن شاہد ہے:

---

[1]......سورۂ نساء، آیت نمبر: ۱۳۶۔

ترجمہ: ......اور جو شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس کے رسولوں کا اور یوم آخرت کا انکار کرے وہ بھٹک کر گمراہی میں بہت دور جا پڑا۔

﴿ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ ﴾۔ [۱]

علاوہ اس کے یہود ونصاری گو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، مگر حقیقت میں ان کا یہ ایمان کلا ایمان ہے، چنانچہ تفصیلاً میں اس کو پہلے بیان کر چکا۔

## مؤلف کا احادیث نبویہ کی اہانت کرنا اور قرآن سے اس کی تردید

چونکہ مؤلف کو اپنے خانہ ساز اسلام کے تراشنے میں احادیث نبویہ قدم بقدم رکاوٹیں پیدا کرتی رہتی ہیں، اس لئے احادیث کا نام آجانے سے اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے، چنانچہ رسالے کے ابتدا ہی میں ایک گستاخانہ انداز لکھا ہے:

## حدیث کا زنگ، اور حدیث ناپاک' مصنوعی لچر

قولہ:...... فی الحال اس مشین کے قریباً تمام پرزوں پر حدیثوں کا اس قدر زنگ چڑھا ہوا ہے کہ جس سے ہر پرزے کی شکل ہی تبدیل ہوگئی ہے، اس لئے جو کام وہ پہلے کرتی تھی اب نہیں کرتی۔

صفحہ: ۵۵ / میں ہے: ناپاک' مصنوعی لچر' حدیثوں' روایتوں کے دفتر بنام نہاد کتب صحاح ستہ کے اثر سے ملانہ اسلام راہ سے بے راہ ہو کر نہ دنیا کا رہا نہ دین کا۔

ص ۳۴ / میں ہے: ملانہ اسلام کچھ ایسا ناپاک' حدیثوں کی شراب سے مدہوش ہوگیا ہے کہ اسے اپنے آگے پیچھے کی بھی خبر نہیں رہتی۔

احادیث کی بے اعتباری کی وجہ اس نے ص ۵۷ / میں لکھی ہے:

---

[۱]......سورۂ توبہ، آیت نمبر: ۵۴۔

ترجمہ:......اور ان کے چندے قبول کئے جانے میں رکاوٹ کی کوئی اور وجہ اس کے سوا نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کا معاملہ کیا ہے۔

## صدیق اکبر کا احادیث کو جلا دینا اور عمر فاروق کا روایت پر سختی کرنا

قولہ:......اول خلیفہ ابوبکر کا تحریری حدیثوں کا جلا دینا۔ دوم: خلیفہ عمر فاروق کا حدیثوں کے شیوع سے لوگوں کو کوڑے مارنا، پھر درمیانی زمانۂ تبع تابعین تک یعنی دوسو برس تک حدیثوں کا کتابی صورت میں نہ لانا، جس سے تبع تابعین کے درمیانی زمانہ تک ان تمام بزرگوں کا حدیثوں کی برائیوں سے واقف ہونا پایا جاتا ہے، الخ۔

اقول:......اس میں شک نہیں کہ جب انسان کی دماغی مشین بگڑ جاتی ہے، اوراس کے دل میں تعصب کی بدبودار ہوا نفوذ کر جاتی ہے تو چونکہ قوت ممیّزہ اس کی بیکار ہو جاتی ہے، اس لئے اگر وہ آزادی کے زمانہ میں اصول مذہب پر ناجائز طریق سے حملہ کر کے کار بندان مذہب کی دل شکنی کرے تو کچھ تعجب نہیں، تعجب ہے تو صرف اس بات پر ہے کہ جس مذہب کے اصول کی توہین جس زبان سے کی جاتی ہے پھر اسی زبان سے اس کا دعویٰ کیوں کیا جاتا ہے؟ درحقیقت جو لوگ زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر دل ان کے اسلام سے بیزار ہیں، ان سے اسلام اور مسلمانوں کو جس قدر صدمہ پہنچتا رہتا ہے اس قدر صدمہ اور مذہب والوں سے نہیں پہنچتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ مار آستین ہیں، ان کے زہریلے افسوں سے بچنا ایسے آزادی کے وقت میں نہایت ہی مشکل ہے، مگر جس کو خداوند کریم اپنے فضل سے بچاوے۔

وہ حدیثیں جو آنحضرت ﷺ سے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہیں، اوران کا ذکر کتب احادیث میں نہایت ہی احتیاط سے کیا گیا ہے، ان کے انکار اوران کی اہانت پر وہ شخص جو قرآن کو کلام الٰہی تسلیم کرتا ہے کبھی جسارت نہیں کر سکتا ہے۔ جو شخص حقائق ومعارف قرآن سے آگاہ ہے وہ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ احادیث قرآن کے سمجھنے وسمجھانے میں بلاشبہ ایک

مشعل کا کام کرتی ہیں، یہ احادیث مجملات ومبہمات قرآن کے لئے ایک شرح کا کام کرتی ہیں، بدون اس کی استعانت کے حقیقت حال کا پورا انکشاف جس طرح چاہئے نہیں ہوسکتا ہے۔ان احادیث کو قرآن مقدس نے کبھی حکمت سے تعبیر کیا ہے، اور کبھی بیان سے۔ سورہ نساء میں ہے: ﴿ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾۔ ۱

اورسورۂ قیامہ میں ہے:

﴿ فَاِذَا قَرَأنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ، ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴾۔ ۲

پچھلی آیت سے ایک سلیم الطبع شخص ضرور یہ سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے لئے قرآن کو بیان کرنے کی ذمہ داری لی تھی، بلا شک اس ذمہ داری کو اس نے بذریعہ احادیث کے پورے کردی ہے۔

یہ ایک بدیہی بات ہے کہ ایک بلیغ کلام میں حسب اقتضائے حال کبھی اجمال سے کام لیا جاتا ہے اور کبھی تفصیل سے، جب اجمال ہوگا تو اس کی توضیح مؤلف یا اس کی طرف سے ضرور ہی ہونی چاہئے، ورنہ اجمال مفید مطلب نہیں ہو سکے گا، چونکہ قرآن میں بھی جا بجا اجمال سے کام لیا گیا ہے، اس لئے اس کی تشریح کبھی قرآن ہی میں اور کبھی احادیث میں کردی گئی ہے۔

یہ ایک قدیم دستور ہے کہ جب کسی فن میں کوئی کتاب لکھی جاتی ہے تو ضرور اس میں

---

۱......سورۂ نساء، آیت نمبر: ۱۱۳۔

ترجمہ: ......اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے۔

۲......سورۂ قیامہ، آیت نمبر: ۱۸/۱۹۔

ترجمہ: ......پھر جب ہم اسے (جبرئیل کے واسطے سے) پڑھ رہے ہوں تو تم اس پڑھنے کی پیروی کرو۔ پھر اس کی وضاحت بھی ہماری ذمہ داری ہے۔

اجمال واشکال وابہام ہوا کرتا ہے، اس لئے توضیح کے واسطے اس کی شرحیں لکھی جاتی ہیں، پھر اگر ان شرحوں سے بھی کافی توضیح نہ ہوئی تو ان پر حواشی لکھے جاتے ہیں، جس شخص نے ''کافیہ'' یا ''سُلّم'' پڑھی ہوگی وہ جان سکتا ہے کہ ان پر کس قدر شروح وحواشی لکھے جا چکے ہیں، پھر اگر اللہ تعالیٰ نے قرآن کا بیان بھی آنحضرت ﷺ کی زبانی بذریعہ احادیث کر دیا تو کونسی عادت کے خلاف ہوا؟

بلا شک مولوی شبلی صاحب نے ''الفاروق'' میں بحوالۂ حاکم یہ روایت لکھی ہے کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پانچ سو حدیثیں قلم بند کی تھیں، لیکن پھر ان کو آگ میں جلا دیا، اور کہا کہ: ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو ثقہ سمجھ کر اس کے ذریعہ سے روایت کی ہو اور در حقیقت وہ ثقہ نہ ہو۔[۱]

اور یہ بھی انہوں نے بحوالۂ ''تذکرۃ الحفاظ'' لکھا ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابومسعود وابوالدرداء وغیرہما رضی اللہ عنہم کو کثرتِ روایت احادیث پر قید کر لیا تھا۔[۲]

اقول: ......مگر اس سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ حدیثوں کو برا مانتے تھے، یا حدیثوں سے انکار کرتے تھے، اگر حدیثوں سے ان کو انکار تھا تو پھر ان دونوں نے وہ حدیثیں جو ''مسند احمد'' و ''مسند ابوداؤد طیالسی'' وغیرہ میں ان کے ذریعے سے روایت کی جاتی ہیں کیوں روایت کیں؟ اور پھر حدیثوں پر انہوں نے کیوں عمل کیا؟ اور عمل کے لئے لوگوں کو کیوں ہدایت کی؟ اس کو کون محدث نہیں جانتا کہ حدیث ''الأئمة من قريش '' [۳] کے، وحدیث ''إنا معاشر الأنبياء لا نورث '' [۴] کے، وحدیث ''الأنبياء

[۱]......الفاروق ص ۳۶۹، کثرت روایت سے روکنا۔

[۲]......الفاروق ص ۳۷۰، حضرت عمر رضی اللہ کے کم روایت کرنے کی وجہ۔

[۳]......مجمع الزوائد ص ۳۵۷ ج ۵، حدیث نمبر: ۸۹۷۶، الخلافة في قريش والناس تبع لهم۔

يـدفـنـون حيـث يموتون ‘‘ ۱ وغیرہ بیسوں احادیث کے راوی واقعی حضرت ابوبکرؓ ہی ہیں، اور حدیث ’’إنـمـا الأعـمـال بالنيات ‘‘ ۲ کے، وحدیث ’’لا تـزال طـائفة من أمتی علی الحق حتی يأتی أمر الله ‘‘ ۳ کے، وحدیث ’’مـن لبس الحرير فی الدنيا لم يلبسه فی الآخرة ‘‘ ۴ وغیرہ متعدد احادیث کے راوی قطعاً حضرت عمرؓ ہی ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے ’’حجۃ اللہ البالغہ‘‘ میں لکھا ہے کہ: حضرت ابوبکرؓ کے پاس جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو اس کی بابت اگر قرآن میں کوئی حکم دیکھ لیتے تو قرآن ہی سے اس کو فیصلہ کر دیتے، ورنہ اگر اس کے متعلق کسی حدیث کو دیکھ لیتے تو اس

---

۴..... کنز العمال ص ۱۲۹۱ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۵۶۰۰، باب فضائل الصحابة، فصل: فضل الصديق ۔

۱..... مشکوۃ میں اسی مضمون کی حدیث دوسرے الفاظ سے ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوگیا اور آپ ﷺ کی تدفین کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف رائے پیدا ہوا' تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے (اس سلسلہ میں) خود رسول اللہ ﷺ سے ایک بات سنی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ’’ما قبض الله نبيا الا فی الموضع الذی يحب ان يدفن فيه ادفنوه فی موضع فراشه ‘‘ اللہ تعالیٰ ہر نبی کی روح اس جگہ قبض کرتے ہیں جہاں وہ نبی دفن ہونا پسند کرتے ہیں (یا یہ کہ جہاں اللہ تعالیٰ اس نبی کا دفن کیا جانا پسند فرماتے ہیں) لہذا آپ ﷺ کو اس جگہ دفن کرنا چاہئے جہاں آپ ﷺ بستر مرگ پر تشریف فرما تھے۔ (مشكوة، باب وفاة النبی صلی الله عليه وسلم۔ مظاہر حق ص ۵۷۷ ج ۵)

۲..... بخاری شریف، باب كيف كان بدء الوحی الی رسول الله صلی الله عليه وسلم۔

۳..... کنز العمال ص ۱۵۱۰ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۹۵۸۷، كتاب القيامة ، الاشراط الصغری ۔

۴..... کنز العمال ص ۱۵۷۲ ج ۲، رقم الحدیث: ۴۱۲۲۱/ ۴۱۲۲۴، لبس الحرير والذهب۔

مگر یہ دونوں ’’کنز العمال‘‘ کے حوالوں والی روایتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نہیں، بلکہ ایک حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی ہے اور دوسری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔ حضرت عمر کی روایت کے الفاظ یہ ہے: ’’من لبس الحرير فی الدنيا والديباج لم يلبسه فی الآخرة‘‘۔ (کنز العمال: ۴۱۲۱۹)

حدیث سے اس کا فیصلہ کر دیتے، ورنہ مسلمانوں سے سوال کرتے کہ کیا تمہارے پاس اس کے متعلق کوئی آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے؟

قاضی شریح کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا کہ: جس مقدمہ کا حکم قرآن میں مصرح ہو تو قرآن ہی سے اس کا فیصلہ کیا جائے، ورنہ اگر حدیث میں ہے تو حدیث سے فیصلہ کیا جائے، ورنہ لوگ جس پر اتفاق کریں اس پر عمل کیا جائے۔

مولوی شبلی صاحب نے ''الفاروق'' میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے مناقب میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ:

احادیث نبویہ کو بالفاظہا نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے، جس سے ان کی عام اشاعت ہو جاتی تھی، یہ حدیثیں اکثر مسائل و احکام کے متعلق ہوتی تھیں، صحابہ رضی اللہ عنہم میں جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے ان کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لئے آپ بھیجتے تھے۔[1]

مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ ''ازالۃ الخفاء'' میں لکھتے ہیں کہ: ''حضرت فاروق رضی اللہ عنہ تمام علم حدیث را اجمالاً تقویت دادہ و اعلان نمودہ'' الخ۔

رہی یہ بات کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پانچ سو حدیثوں جو قلم بند کی گئیں تھیں کیوں جلا دیا؟

اس کا جواب ہے کہ: یہ حدیثیں دراصل اسرائیلیات یعنی بنی اسرائیل کی روایتیں وقصص تھیں، ان احادیث کے راوی تابعین یا کچھ صحابہ و کچھ تابعین تھے، اور اس میں شک نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب ثقہ و عدول تھے، البتہ تابعین میں ثقہ و غیر ثقہ دونوں موجود

---

[1] ......الفاروق ص ۳۶۴، احادیث کا تفحص۔

تھے، چونکہ ان احادیث کو قلم بند کرتے وقت ان کے راویوں کی تنقید نہیں کی گئی تھی کہ ثقہ تھے یا غیر ثقہ، اس لئے ان حدیثوں کو جو زائد از ضرورت تھیں حضرت ابو بکرؓ نے غیر معتبر سمجھ کے جلا دیا، چنانچہ خود حضرت ابو بکرؓ کا یہ قول کہ:

''ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو ثقہ سمجھ کے اس کے ذریعہ سے روایت کی ہو اور وہ در حقیقت ثقہ نہ ہو''

ہماری اس توجیہ پر روشنی ڈالتا ہے، اس لئے کہ ثقہ و غیر ثقہ کا احتمال تابعین ہی میں نکل سکتا ہے، باقی صحابہ تو سب کے سب ثقہ ہی تھے۔

باقی حضرت عمرؓ نے ابو مسعودؓ و ابو الدرداءؓ وغیرہما کو کیوں قید کر لیا تھا؟

اس کی یہ وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ کا یہ مذہب تھا کہ احادیث انہی الفاظ سے روایت کی جائیں جن الفاظ میں آنحضرت ﷺ کی زبانی ظاہر ہوئی تھیں، چونکہ کثرت روایت میں اس امر کا التزام جس طرح چاہئے نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے تکثیر روایت پر یہ لوگ قید کر لئے گئے تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ کا یہ قول کہ:

''لولا انی اکرہ ان ازید فی الحدیث او انقص لحدثتکم''۔[۱]

اس پر شاہد صادق ہے، اس لئے کہ جب روایت احادیث کی باللفظ نہ ہو، بلکہ بالمعنی ہو تو ضرور الفاظ میں کمی بیشی ہو ہی جائے گی۔

چونکہ حضرت عمرؓ کو روایت بالمعنی سے سخت انکار تھا، اس لئے بڑے بڑے صحابہ مارے ہیبت کے کثرت روایت پر جرأت نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے ابو سلمہؓ نے پوچھا تھا کہ: آپ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی اسی طرح حدیثیں

[۱]......سنن کبری للبیہقی ص۵۳۹ ج۹، باب ما جاء فی الارنب، رقم الحدیث:۱۹۳۹۹۔

روایت کیا کرتے تھے؟ بولے: نہیں، ورنہ دُرے مارے جاتے۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تشدد سے گو حدیثیں کم روایت کی گئیں، مگر جس قدر روایت کی گئی تھیں شبہات سے نہایت ہی بے لوث تھیں۔

گو حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت بالمعنی کو اور ہر ایک حدیث کو بلا تحقیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے، مگر ہرگز اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مطلق حدیث کو برا سمجھتے تھے، اگر ایک شخص میز پر بیٹھ کے کھانا پسند نہ کرتا ہو تو کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ مطلق کھانے ہی کو پسند نہیں کرتا، اس قسم کے نتیجے وہی شخص نکال سکتا ہے جس کے دماغی قویٰ حریت کے سمیت سے بالکل بے کار ہو چکے ہوں۔

مولوی شبلی صاحب نے جو ''الفاروق'' میں لکھا ہے کہ:

''اخبار آحاد کے قبول کرنے یا نہ کرنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جو اصول تھا اس کی بنا صرف تحقیق حق تھی، اس زمانے کے آزاد خیالوں کی طرح نفس کی پیروی مقصود نہ تھی کہ جس حدیث کو چاہا صحیح مان لیا اور جس کو چاہا غلط کہہ دیا''۔[1] واقعی نہایت ہی صحیح ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''خبردار عنقریب ایک سیراب شکم تخت پر تکیہ لگائے کہے گا کہ: (مسلمانو!) قرآن ہی پر عمل کرو، جس کو اس میں حلال یا حرام دیکھو اس کو حلال یا حرام سمجھو، حالانکہ جس کو میں نے حدیث میں حرام کیا ہے وہ بھی محرمات الٰہی کی طرح ہے''۔[2]

مؤلف کی جہالت پر ان سے بڑھ کر اور کونسی دلیل ہوگی؟ وہ لکھتا ہے کہ:

'پھر درمیانی زمانہ تبع تابعین تک یعنی دوسو برس تک حدیثوں کا کتاب کی صورت میں لانا' اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک محدود زمانے کے لئے قرآن کے سوا اور

---

[1]......الفاروق ص ۳۸۳، خبر آحاد کے قابل احتجاج ہونے کی بحث۔

[2]......مشکوۃ ص ۲۹، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

شی کی کتاب سے ممانعت کردی تھی، تاکہ وہ قرآن کے ساتھ مخلوط ہو کے قرآن بھی اگلی کتابوں کی طرح ایک معجون مرکب نہ بن جائے۔

پھر جب قرآن مکتوب ہو کے اطراف عالم میں پھیل گیا، اور ہزار ہا لوگوں نے اس کو یاد کرلیا، اور اس میں غیر شی کے اختلاط کا بالکل شبہ باقی نہیں رہا، اور حامیانِ اسلام کو احادیث کی طرف سے جو لوگوں کی زبانوں پر تھیں ضائع ہو جانے کا خوف پیدا ہونے لگا، تو دوسری صدی کی ابتدا اور تابعین کے عہد میں احادیث کو قلم بند کرنے کی کوشش کی گئی۔

''مؤطا'' میں بروایت محمد بن الحسن موجود ہے کہ: عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا تھا کہ: رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو جانچ کر کے لکھنا شروع کر دو، مجھ کو علم اور علماء کے مٹنے کا خوف ہے۔

''فتح الباری'' کے مقدمہ اور ''مرقات'' میں ہے کہ: سب سے پہلے ربیع بن صبیح وسعید بن ابی عروبہ وزہری (رحمہم اللہ) وغیرہم نے احادیث کی تدوین شروع کی تھی، یہ لوگ ہر باب میں ایک مستقل کتاب لکھا کرتے تھے، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلفائے راشدین میں سے تھے، ایک جلیل القدر تابعی تھے، ۹۹ھ (ننانوے ہجری) میں مسند نشین خلافت ہوئے، اور ایک سو ایک ہجری میں انتقال ہو گیا تھا، بنا بر اس کے مؤلف کے اس قول کا کہ ''پھر درمیانی زمانہ تبع تابعین تک یعنی دو سو برس تک حدیثوں کا کتابی صورت میں نہ لانا'' الخ۔ ایک دانا شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ کہاں تک صحیح ہے؟

## راوی میں جھوٹ کا احتمال ہے اس لئے احادیث پر اعتماد نہیں ہوسکتا

نیچریانہ خیالات والوں کی جانب سے یہ بھی شبہ کیا جاتا ہے کہ حدیثوں کا مدار چونکہ راویوں پر سمجھا جاتا ہے، اور راویوں میں چونکہ احتمال خطا وجھوٹ کا ہوا کرتا ہے، اس لئے

ان کی احادیث پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

اقول: ...... جب قولہ تعالیٰ:

﴿ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴾ [۱]

میں اس امر کی ترغیب دی گئی کہ ہر ایک قبیلہ سے ایک یا دو سے زائد شخص سفر کر کے علم دین حاصل کریں، اور لوٹ کے اپنی قوم کو اس کی تعلیم دیں، تو اس پر سے اگر کوئی شخص حدیث حاصل کر کے کہیں سے آیا اور اس کی حدیث پر اعتماد کر کے عمل کیا گیا تو کیا یہ قرآن کے مطابق نہیں ہے؟

باقی صرف احتمال کذب کی وجہ سے اگر راویوں کی روایت کردہ حدیث پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تو چاہئے کہ پھر دنیا کی کسی تواریخ واخبار پر بھی جن پر تمام معاملات کا مدار ہے اعتماد نہ کیا جائے، اس لئے کہ ان کا مدار بھی راویوں ہی پر ہے، بلکہ التزام صحت وصداقت کے لحاظ سے تواریخ واخبار کو احادیث سے کچھ بھی نسبت نہیں ہے۔

اس کو کون نہیں جانتا کہ احادیث کی تحقیق وموشگافی کے لئے جو جو اہتمام کیا گیا ہے وہ قرآن کے سوا کسی آسمانی کتاب کو بھی نصیب نہیں ہوا، ہر ایک حدیث کے رجال بیان کئے گئے، ہر ایک راوی کی عدالت وحفظ پر ایک وسیع پیمانے پر بحث کی گئی، جب یقین یا گمان

---

[۱] ...... سورۂ توبہ، آیت نمبر: ۱۲۲۔

ترجمہ: ...... لہذا ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک گروہ (جہاد کے لئے) نکلا کرے، تاکہ (جو لوگ جہاد میں نہ گئے ہوں) وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لئے محنت کریں، اور جب ان کی قوم کے لوگ (جو جہاد میں گئے ہیں) ان کے پاس واپس آئیں تو یہ ان کو متنبہ کریں، تاکہ وہ (گناہوں سے) بچ کر رہیں۔

غالب ہو گیا کہ یہ حدیث ہی ہے تو اس پر اعتبار کیا گیا، ورنہ داخل دفتر کی گئی۔

اس امر میں امام بخاری و مسلم وغیرہما نقادفن نے جو جو عرق ریزی و جانگدازی کی ہے وہ اسلامی دنیا میں نہایت ہی وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے، واقعی انہوں نے آئندہ نسل کے لئے ایک ایسی قابل قدر کسوٹی چھوڑ رکھی ہے کہ اس سے نہایت ہی عمدگی سے حدیث وغیر حدیث میں امتیاز ہوسکتا ہے، مگر آج اسلامی دنیا میں ایک ایسی قوم پیدا ہوئی ہے کہ بجائے اس کے کہ ان نامیوں کے گرامی قدر احسانوں کا اعتراف کرتے، ان کی خدمت کرتے، ان کی اہانت کو فخر سمجھتے ہیں۔

## نئی روشنی کے گرویدہ کا تاریخ پر وحی سے زیادہ اعتماد کی وجہ

مجھ کو اس پر سخت حیرت ہے کہ نئی روشنی والے تواریخ پر تو وحی سے بھی زیادہ اعتبار کرتے رہیں، مگر جب ان کے سامنے آنحضرت ﷺ کی مقدس احادیث کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کو ایک حقارت آمیز نظر سے دیکھتے ہیں، میری دانست میں اس کی یہی وجہ ہے کہ چونکہ حدیثیں ان کی نفسانی خواہشات کے لئے قدم بقدم رکاوٹیں پیدا کرتی رہتی ہیں، اس لئے وہ گو کیسی ہی صحیح و یقینی ہو ان کو قبولیت کی نظر سے نہیں دیکھ سکتے۔

یہ کون کہتا ہے کہ اسلامی مشین کے تمام پرزوں کی شکلیں تبدیل ہو گئیں، جو وہ پہلے کام کرتی تھیں اب نہیں کرتی، چونکہ قولہ تعالیٰ: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ [۱] میں اللہ تعالیٰ نے اس مشین کی حفاظت کے لئے ذمہ داری لی ہے، اس کے پرزوں کی شکل

[۱]......سورۂ حجر، آیت نمبر: ۹۔
ترجمہ:......حقیقت یہ ہے کہ یہ ذکر (یعنی قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

کبھی بھی تبدیل نہیں ہوسکتی، جس طرح آنحضرت ﷺ کے مبارک عہد میں یہ مشین نہایت آب وتاب اورزوروقوت پرتھی اب بھی ویسی ہی ہے، جس طرح اس وقت اقتضائے وقت یہ اپنا کام دیتی تھی اب بھی دے رہی ہے، روس جیسے دارالکفر میں آج ہزارہا مسلمان ہو رہے ہیں یہ اسی مشین کا اثر ہے، جیسے کفرستان میں آج صدہا انگیریزوں کی پیشانی پر ہلال اسلام چمک رہا ہے یہ بھی اسی مشین کا اثر ہے ۔[1]

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

## حدیثوں کی طرح کلمۂ توحید بھی مؤلف کی زبان درازیوں سے نہ بچ سکا

چنانچہ لکھا ہے:

قولہ:......اصلی اسلام کا کلمہ یہ ہے:"لا إله إلا الله وحده لا شريك له" اورملانہ اسلام کا کلمہ یہ ہے:"لا إله إلا الله، محمد رسول الله" پہلے کلمہ میں صرف توحید ہی نہیں تھی، بلکہ شرک سے انکار تھا، اب مسلمانی کلمہ میں اللہ کے نام کے ساتھ حضرت محمد(ﷺ) کا نام شریک کیا ہے، جس کو شرک فی الکلمہ کہنا کیا بیجا ہے؟

اقول:...... چونکہ اتحاد مذاہب ثابت کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کی رسالت مؤلف کے نزدیک بہت بڑی رکاوٹ پیدا کرتی تھی، اس لئے اس نے آنحضرت ﷺ کی رسالت کے اقرار کو شرک فی الکلمہ ٹھہرایا، مگر یہ زندیق یہ نہیں جانتا کہ جب آنحضرت ﷺ کی رسالت ہی تسلیم نہیں کی جائے گی تو قرآن کلام الٰہی کیسے تسلیم کیا جائے گا؟

میں اس پر نہایت محوحیرت ہوں کہ گو مؤلف نے"لااله الا الله وحده لا شريك له"

---

[1]......اگر دن میں چمگاڈر کی آنکھ (جو چوندھی ہوتی ہے) نہ دیکھ سکے تو آفتاب کے چشمہ یعنی سورج کا کیا قصور۔

کواصلی اسلام کا کلمہ ٹھہرایا، مگر جب ان سے کوئی یہ سوال کرے گا کہ یہ کلمہ بایں ترکیب اس سرے سے اس سرے تک قرآن میں تو موجود نہیں ہے، تو اس خجالت بخش سوال کے جواب میں اس کو یہی کہنا پڑے گا کہ گو یہ قرآن میں نہیں، مگر حدیث میں تو ہے، بھلا اس جہالت کی کوئی حد بھی ہے کہ آزادی کے نشے میں تو مؤلف نے احادیث کو زنگ کہا' ناپاک کہا' راہزن کہا' شراب سے تشبیہ دی، مگر جب اس کو اس کے خانہ ساز اسلام کے لئے کلمہ کی ضرورت محسوس ہوئی تو حدیث کا کلمہ اخذ کیا، حقیقت تو یہ ہے کہ مؤلف نے قرآن شریف پڑھا ہی نہیں، اگر وہ قرآن کو پڑھا ہوتا تو کبھی اس کو یہ مغالطہ نہ ہوتا۔

پھر مؤلف سے یہ کون پوچھے کہ جب ''لا إله إلا الله' محمد رسول الله'' کے ساتھ محمد رسول اللہ ملنے سے شرک ہو گیا تو ''لاالـه الا الـلـه وحده لا شريک لـه '' کے ساتھ شریک ملنے سے کیوں شرک نہیں ہوا؟ اگر کہے کہ شریک کی تو نفی کی گئی، تو جواب دیا جائے گا کہ ہم بھی کہاں محمد ﷺ کو اللہ کا شریک مانتے ہیں، ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے شریک نہیں، بلکہ اللہ کے رسول ہیں۔

میری دانست میں مؤلف اس قسم کے سوالات سے معذور سمجھا جائے، اس لئے کہ لفظ رسول اللہ پر الف ولام لکھ کے اس نے تو اشارہ کر دیا ہے کہ میں ایک جاہل شخص ہوں، مجھے اتنی بھی تمیز نہیں کہ لفظ رسول اللہ پر الف ولام ہونا چاہئے یا نہیں، تقلیداً نیچر واہل قرآن سے سنی سنائی باتیں میں لکھتا رہتا ہوں، گویا ان میں غلطیاں ہیں تو ان کے ذمہ دار وہی ہیں، مجھے اس سے کیا؟ افسوس آج ایسے جاہل اسلامی دنیا میں اسلام کے راز دار سمجھے جاتے ہیں، اوران کی تعریف کی جاتی ہے، اور جو واقعی راز دار ہیں ان پر تبرا کیا جاتا ہے، اوران کی برملا ہجو کی جاتی ہے، درحقیقت جو قوم اپنے پیشواؤں کی اہانت کرنا اپنا فرض وفخر سمجھتی ہو وہ قوم

کبھی بھی عزت وعظمت کی نظر سے نہیں دیکھی جا سکتی، شعر ۔ ۱ ؎

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنۂ پاکان برد

کلمۂ توحید کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ جو ذکر کیا جاتا ہے اس کے راز کو جو شخص نہ سمجھا درحقیقت وہ شخص توحید ہی کو نہ سمجھا، اس کو کون نہیں جانتا کہ یوں تو عیسائیوں نے بہت سی دینی باتوں میں بیجا مداخلت کی ہے، مگر توحید میں بیجا مداخلت کر کے انہوں نے کچھ ایسی پیچیدگیاں پیدا کر رکھی ہیں کہ کسی طور سے وہ بھی حل نہیں ہوسکتیں، وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے بھی قائل ہیں اور اس کے ساتھ عیسی (علیہ السلام) کو اللہ اور اللہ کا بیٹا بھی مانتے ہیں، اس لئے جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کلمۂ توحید کی تلقین کی تو اس کے ساتھ یہ بھی ان کو سمجھا دیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ یعنی محمد ﷺ اللہ کے پیغمبر مانے جاویں، نہ وہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے ہیں جیسا کہ نصاریٰ کا عیسی (علیہ السلام) کی نسبت خیال ہے، اس پر ایک منصف شخص ضرور یہ کہہ سکتا ہے کہ ’’لا إله إلا الله‘‘ کے ساتھ ’’محمد رسول الله‘‘ (ﷺ) جو ذکر کیا جاتا ہے یہ ایک شرک کے توہم سے بچانے کے لئے ذکر کیا جاتا ہے، نیز اس واسطے ذکر کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کی توحید کا قائل ہو اور تمام اگلے رسولوں کی رسالت کو بھی مانتا ہو، مگر آنحضرت ﷺ کی رسالت کا منکر ہو تو وہ حسبِ ہدایت قرآن کبھی مسلمان نہیں ہوسکتا، چنانچہ قرآن میں موجود ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ ﴾ ۲ ؎ یہ سب کچھ ہے، مگر مؤلف کی جو یہ غرض ہے کہ اسلام اور مذاہب کے ساتھ متحد بنایا جائے، اور آنحضرت ﷺ کی رسالت تسلیم کرنے سے چونکہ یہ غرض اس کی مکمل نہیں ہوسکتی، اس لئے

۱ ؎ ...... جب خدا چاہتا ہے کہ کسی شخص کا پردہ چاک کرے، تو وہ نیک لوگوں کو طعنہ دینے میں مبتلا ہو جاتا ہے

۲ ؎ ...... سورۂ حدید، آیت نمبر: ۲۸۔

ترجمہ: ...... اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ۔

کہ اور مذہب والے آپ کی رسالت کوتسلیم نہیں کرتے، اس لئے اس نے اپنے ملحدانہ انداز پرآنخضرت ﷺ کی رسالت کے اقرار کوشرک فی الکلمہ بتایا۔

## کلمہ کی طرح نماز بھی مؤلف کے دست برد سے نہ بچ سکی

چنانچہ لکھاہے:

قولہ:......قرآن نے صرف ایک ہی فرض توجہ الی اللہ کواصلی رکن نماز قرار دیا ہے، گومعاونِ نماز رکوع وسجود وغیرہ بھی قائم ہوسکتے ہیں، افسوس بجائے اس ایک رکن کے اب ملانہ اسلام میں بنابر مذہب ابوحنیفہ ایک سوتین ارکان ہیں۔

اقول:......نماز بمعنی نیاز ہے، نماز خالص ایک عبادت، توجہ وتقرب الی اللہ کا نام ہے، اس عبادت میں چونکہ نہایت فروتنی وانکساری کی حالت میں رب العالمین کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے، اس لئے جس طرح ایک بادشاہی دربار میں داخل ہونے کے لئے شروط وآداب معینہ کی پابندی ضروری سمجھی جاتی ہے، اسی طرح اس عبادت کے لئے بھی قرآن نے چند شروط وارکان اورآداب کی پابندی کے لئے مختلف مقامات میں ہدایت کی ہے۔

(۱):......روح اگرنجاست حکمی جنابت سے ناپاک ہوتوغسل ورنہ وضوکیاجائے۔

(۲):......کپڑانجاست سے پاک کیاجائے، علی ہذابدن اورمکان بھی۔

(۳):......نہایت خلوص کے ساتھ ''اللہ اکبر'' کہہ سکے۔

(۴):......روبقبلہ ہاتھ باندھے۔

(۵):......مؤدب کھڑاہوجائے۔

(٦):......اور نیازمندانہ لہجے میں قرآن ہی کی عبارت میں اپنے پروردگار کی مہربانیوں کا شکریہ ادا کرے اوراس کی غیرمحدود عظمت کا اعتراف کیاجائے، اورخطاب کرکے عرض کیا

جائے کہ تیری مدد سے تیری ہی میں عبادت کرتا ہوں، اور پھر طریق مستقیم پر ثابت رہنے کی التجا کرتا ہوں، اس کے ساتھ اور بھی قرآن کی تھوڑی سی تلاوت کی جائے، یہ پہلا مرحلہ اظہار فروتنی و تعظیم الٰہی کا ہے، جب یہ مرحلہ طے ہو چکے تو۔

(۷):...... پیٹ کو خم کر کے اپنے پروردگار کے تقدس اور اس کی عظمت کا نہایت عجز کے ساتھ بار بار اظہار کیا جائے، جب یہ دوسرا مرحلہ فروتنی کا بھی طے ہو چکے تو اعلیٰ درجہ کی فروتنی ظاہر کرنے کے لئے۔

(۸):......سر کو زمین پر رکھے، اور ایک نیازمندانہ لہجے میں اپنے پروردگار کے تقدس اور کبریائی کا مکرر سہ کرر اعتراف کرے، چونکہ یہ فروتنی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے، اس لئے اس کو پھر دوبارہ کرے، جب یہ تینوں مرحلے اسی طرح دو یا تین یا چار مرتبہ طے کر چکے تب مودب ہو کے بیٹھ جائے، اور استحقاق عبادت کا اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کر کے التجا کی جائے۔

اس بیان سے جس کا ہر ایک مقدمہ الٰہی کی روشنی لئے ہوئے ہے، ایک منصف شخص ضرور یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ نماز تقرب یا توجہ الی اللہ کا نام ہے، اور قیام و قرأت و رکوع و سجود وغیرہ اس کے ارکان و اجزاء ہیں۔

بدون ان کے نماز کا جائز ہونا ایسا ہے جیسے بدون حیوان و ناطق کے انسان بن جانا، یہ سب ٹھیک ہے اور قرآن سے ثابت بھی ہے، مگر مؤلف نے تو ایک ایسی نماز تراشی ہے کہ جس کو تمام مذہب والے قبول کر سکیں، اور ظاہر ہے کہ جس نماز میں قیام و قرأت و رکوع و سجود وغیرہ ارکان و شرائط ہوں گے اس کو تمام مذاہب والے قبول نہیں کر سکتے، اس لئے اس نے ملحدانہ انداز پر ان سب کو اڑانا چاہا، مگر کہیں پھونک مارنے سے بھی پہاڑ اڑ سکتا ہے۔

مؤلف کے اس قول پر کہ از روئے مذہب ابوحنیفہ ارکانِ نماز ایک سو تین ہیں، مجھ کو

سخت تعجب ہے، درحقیقت جس کے سر پر جہالت کا بھوت سوار ہو وہ کیا جانے کہ ارکان کس کو کہتے ہیں؟ اور ارکان وشرائط اور واجبات وآداب میں کیا فرق ہے؟ اور نماز کے ارکان کتنے ہیں؟ میری دانست میں مؤلف اگر کسی مکتب ہی میں جا کے کسی بچے سے پوچھ لیتا کہ نماز کے کتنے ارکان ہیں؟ تو یہ فاحش خطا ان سے نہ ہوتی، لیجئے میں ہی بتاتا ہوں کہ نماز کے صرف چھ ہی رکن ہیں، اگر شک ہے تو علی گڈھ ہی کی کسی دینیات کے رسالے میں دیکھ لیا جائے۔

قولہ:……قرآن نے طریق نماز مروجہ حال مقرر نہیں کیا ہے، ہر شخص کو اپنی خواہش روحانی سے اپنے لئے نماز پسند کر کے مقرر کرنے کا حق حاصل ہے۔

اقول:……اس وقت جو طریقہ نماز کا مروج ہے وہی قرآن سے ثابت ہے، چنانچہ تفصیلاً میں اس کو بیان کر چکا ہوں، کسی شخص کو مجاز نہیں کہ اس معین طریقۂ نماز میں کسی نوع کا تغیر وتبدل کرے، ورنہ مخالفت قرآن کا جرم اس کی طرف عائد ہوگا اور ﴿ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِہٖ ﴾ [۱] کا وہ مصداق سمجھا جائے گا۔

قولہ:…… ہر ایک نبی نے اپنی تمدنی وتہذیبی حالت کے موافق اپنے لئے طریقۂ نماز مقرر کیا تھا۔

اقول:…… یہ ایک محض افتراء ہے کہ نبی نے اپنے لئے خاص طریق نماز مقرر کیا تھا، قولہ تعالیٰ: ﴿ اِرْکَعُوْا، وَاسْجُدُوْا ﴾ [۲] وغیرہ میں اللہ سبحانہ نے ارکان نماز کے لئے نبی ہی کو

---

[۱]……سورۂ نساء، آیت نمبر: ۴۶۔

ترجمہ:……جو (تورات) کے الفاظ کو ان کے موقع محل سے ہٹا دالتے ہیں۔

[۲]……سورۂ حج، آیت نمبر: ۷۷۔

ترجمہ:……رکوع کرو، اور سجدہ کرو۔

نہیں حکم کیا تھا، بلکہ یہ عام احکام ہیں نبی وامت دونوں کو شامل ہیں، چنانچہ بصیغۂ جمع ان کا ذکر کرنا نہایت وضاحت سے اس کی شہادت دے رہا ہے۔

قولہ:...... ملانہ اسلام نے التحیات ودرود وغیرہ کو نماز میں داخل کرکے شرک فی الصلوۃ کا ثبوت دیا ہے۔

اقول:...... چونکہ التحیات میں آنحضرت ﷺ کی رسالت کی شہادت موجود ہے،اور آپ ﷺ کے لئے شہادت رسالت دینا چونکہ اتحاد مذاہب کو مانع ہے، اس لئے مؤلف نے التحیات وغیرہ کو شرک فی الصلوۃ بتاکے اپنے الحاد کا پورا ثبوت دیا، واقعی التحیات ودرود وغیرہ کو شرک فی الصلوۃ کہنے پر وہی جسارت کرسکتا ہے جس کو توحید وشرک میں امتیاز نہ ہو،اس میں شک نہیں کہ جب نمازی اظہار فروتنی وتعظیم الٰہی کے کل مراحل طے کرلیتا ہے تو حسب ہدایت قولہ تعالیٰ :﴿ اُجِیۡبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ ﴾[۱] اجابت کا باب کھل جاتا ہے، ایسے مبارک وقت میں نبی کو جن کی وساطت سے یہ نعمت عظمیٰ حاصل ہوئی ہے دعا میں شریک نہ کرنا چونکہ یہ بہت بڑی احسان فراموشی ہے، اس لئے پہلے ان کے لئے پھر اپنے اور پھر ان نیک بندوں کے لئے دعا کی جائے جو ایسے موقع کو بھی دعا سے فراموش نہیں کرتے ہیں، اور پھر اخیر میں توحید کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی رسالت وعبودیت کی شہادت دی جائے، تاکہ یہ بات ثابت ہوجائے آنحضرت ﷺ کو خطاب کرکے جو سلام کیا جاتا ہے نہ اس وجہ سے کہ وہ خدا ہیں، بلکہ اس وجہ سے کہ وہ خدا کے رسول

[۱]......سورۂ بقرہ، آیت نمبر:۱۸۶۔

ترجمہ:...... جب مجھے کوئی پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں، لہذا وہ بھی میری بات دل سے قبول کریں۔

ہیں، پھر چونکہ قولہ تعالیٰ: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴾۔[۱] میں نبی ﷺ پر درود بھیجنے کے لئے سخت تاکید کی گئی ہے، اور اس کے ادا کرنے کا موقع نماز سے بہتر کوئی نہ تھا، اس لئے اگر بعد ادائے ارکان نماز اس کو بھی ادا کر دیا تو کونسی شرعی یا عقلی قباحت اس میں لازم آتی ہے؟ اور اگر نماز میں مطلق دعا مانگنا ہی شرک ہے تو پھر ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴾[۲] میں کیا کہا جائے گا؟ اس لئے کہ وہ بھی تو دعا ہی ہے۔

قولہ:...... قرآن نے الفاظ نماز یعنی قرأت کے معنی سمجھنے کو غیر زباں داں کے لئے لازمی رکھا ہے، اور قرآن نے ترجمۂ قرآن کو قرآن کہا ہے۔

اقول:...... اس میں شک نہیں کہ قرأت کو سمجھ کے نماز میں پڑھنا نماز کی فضیلت کو دوبالا کر دیتا ہے، مگر قرآن نے کسی جگہ میں یہ تصریح نہیں کی ہے کہ غیر زباں داں کے لئے نماز میں قرأت کے معنی سمجھنا لازم ہے، اگر کی ہے تو کوئی بتا دے۔ قولہ تعالیٰ: ﴿ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ﴾[۳] میں صرف اس قدر امر کیا گیا ہے کہ جو آیات قرآنی آسان معلوم ہوتی ہوں، وہ نماز میں پڑھی جائیں۔

رہی یہ بات کہ قرآن کا ترجمہ بھی قرآن ہی ہے، یہ ایک ملحدانہ خیال ہے، قرآن وہی عربی کلام ہے جو آنحضرت ﷺ پر نازل کیا گیا ہے، چنانچہ قولہ تعالیٰ: ﴿ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا

---

[۱]...... سورۂ احزاب، آیت نمبر: ۵۶۔
ترجمہ:...... اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو، اور خوب سلام بھیجا کرو۔
[۲]...... سورۂ فاتحہ، آیت نمبر ۵:۔
ترجمہ:...... ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما۔
[۳]...... سورۂ مزمل، آیت نمبر: ۲۰۔
ترجمہ:...... اب تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا آسا ہو۔

عَـرَبِيًّـا ﴾ ۱ اس پر شاہد ہے، اسے کون نہیں جانتا کہ قرآن کا یہ اعجاز کہ فصاحت و بلاغت میں کوئی کلام اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا ہے، صرف عربی عبارت ہی کے ساتھ مخصوص ہے، ترجمہ میں یہ بات کہاں پائی جاسکتی ہے؟ پس ترجمہ کیسے قرآن ہوسکتا ہے، یہود و نصاری نے توراۃ، انجیل کے ترجمہ کو توراۃ و انجیل سمجھ رکھا تھا، جس سے اصلی توراۃ و انجیل ان کے ہاتھ سے نکل گئیں، اوران کے ترجمے جو مترجمین کی سازشوں سے معجونِ مرکب بن گئے تھے، ان کے ہاتھ میں رہ گئے۔

قولہ:......قرآن نے بشرط فرصت واطمینان کے صبح وشام دو وقت نماز کے مقرر کردیئے ہیں۔

اقول:......اگر نماز عام فرصت واطمینان ہی پر موقوف ہوتی تو عین میدان جنگ میں جہاں اعلی درجے کی بے اطمینانی ہوتی ہے، قولہ تعالیٰ: ﴿ وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ ﴾ الآیۃ ۔ ۲ میں بطریق خاص نماز کے لئے کیوں حکم دیا گیا؟ رہا قولہ تعالیٰ: ﴿ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ ﴾ ۳ کے یہ معنی ہیں کہ بحالت اضطراب میدان جنگ میں تو اسی طریق پر نماز پڑھی جائے، جب لڑائی کا خطرہ مٹ جائے اور دشمن سے مطمئن

---

۱......سورۂ یوسف آیت نمبر:۲

ترجمہ:......ہم نے اس کو ایسا قرآن بنا کر اتارا ہے جو عربی زبان میں ہے۔

۲......سورۂ نساء، آیت نمبر:۱۰۲۔

ترجمہ:......اور (اے پیغمبر!) جب تم ان کے درمیان موجود ہو اور انہیں نماز پڑھاؤ۔

۳......سورۂ نساء، آیت نمبر:۱۰۳۔

ترجمہ:......پھر جب تمہیں (دشمن کی طرف سے) اطمینان حاصل ہوجائے تو نماز قاعدے کے مطابق پڑھو۔

ہو جاؤ تو نماز کو اپنی اصلی حالت پر ادا کرو، چنانچہ سیاق وسباق آیت پر غور کرنے سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے۔

گو مؤلف نے قولہ تعالیٰ: ﴿ وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ﴾ [1] وغیرہ اس قسم کی آیتوں سے اپنی قوت علمیہ کے زور سے نماز کے لئے دو ہی وقت صبح وشام ثابت کئے ہیں، مگر وہ یہ نہیں سمجھا کہ اس آیت میں عام ذکر الٰہی کا بیان ہے، تہلیل وغیرہ عام اذکار کے لئے اگر صبح وشام دونوں وقت کو کسی وجہ سے ترجیح دی گئی ہو تو اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ نماز جو ذکر وغیرہ چند افعال کا ایک مجموعہ ہے، اس کے لئے بھی دو ہی وقت معین کئے گئے ہیں۔

قولہ تعالیٰ: ﴿ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ، وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴾ [2] وغیرہ آیتوں سے نہایت وضاحت سے پانچ نمازیں پانچ وقت کی ثابت ہوتی ہیں، اگر دو ہی نمازیں فرض ہوتی تو قولہ تعالیٰ: ﴿ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ﴾ [3] کے کیا معنی ہوں گے؟

---

[1]......سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۲۰۵۔

ترجمہ:......اور اپنے رب کا صبح وشام ذکر کیا کرو، اپنے دل میں بھی، عاجزی اور خوف کے (جذبات کے) ساتھ، اور زبان سے بھی، آواز بہت بلند کئے بغیر! اور ان لوگوں میں شامل نہ ہو جانا جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

[2]......سورۂ روم، آیت نمبر: ۱۸/۱۷۔

ترجمہ:......لہٰذا اللہ کی تسبیح کرو اس وقت بھی جب تمہارے پاس شام آتی ہے، اور اس وقت بھی جب تم پر صبح طلوع ہوتی ہے۔ اور اسی کی حمد ہوتی ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی، اور سورج ڈھلنے کے وقت بھی (اس کی تسبیح کرو) اور اس وقت بھی جب تم پر ظہر کا وقت آتا ہے۔

[3]......سورۂ بقرہ، آیت نمبر: ۲۳۸۔

اگر صبح وشام دو ہی وقت نماز کے ہوتے تو قولہ تعالیٰ: ﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ ﴾ الآیۃ۔ ۱؎ کے کیا معنی ہیں؟ باقی جس آیت میں ذکر دو وقت سے مخصوص کیا گیا ہے، مراد اس ذکر سے نماز نہیں، بلکہ مراد اس سے ذکر لسانی ہے جو علاوہ نماز کے کیا جاتا ہے۔

## مؤلف کے دست برد سے نماز کی طرح زکوۃ بھی محفوظ نہ رہ سکی

چنانچہ لکھا ہے:

قولہ:......قرآن نے کوئی شرح زکوۃ کی نہیں مقرر کی ہے، تاکہ ہر شخص اپنی طبیعت وخواہش سے جو وہ چاہے زکوۃ دینے میں آزاد ہے، زکوۃ دراصل خیرات ہے نہ کہ مذہبی ٹیکس، نہ زرلگان سالانہ کی بہن، اور ملانہ اسلام نے فی سینکڑہ ڈھائی روپیہ یا چالیسواں حصہ، ہر باون روپیہ آٹھ آنے پر سالانہ مذہبی ٹیکس بنام نہاد زکوۃ کو قائم کر دیا۔

اقول:......اس میں شک نہیں کہ زکوۃ اس شریعت کا ایک رکن اعظم ہے، علاوہ صدقات نافلہ کے قرآن مقدس کے متعدد مقامات پر زکوۃ کے لئے تاکید کی گئی ہے، چونکہ سونا' چاندی' اونٹ' بکری' گائے وغیرہ ہر ایک شی کی مقدار زکوۃ ونصاب علیحدہ تھا، اور ان کی تفصیل کے لئے ایک طویل بحث کی ضرورت تھی، اس لئے بلحاظ اختصار قرآن نے اس کا تذکرہ چھوڑ دیا، چونکہ شانِ ہدایت کے یہ خلاف تھا کہ ایک حکم بلاشرح وبیان مبہم چھوڑ دیا جائے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے ہر ایک چیز کا نصاب، ہر ایک شے کی مقدار زکوۃ نہایت وضاحت

---

ترجمہ:......تمام نمازوں کا پورا پورا خیال رکھو، اور (خاص طور پر) بیچ کی نماز کا۔

۱؎......سورۂ بنی اسرآءیل، آیت نمبر: ۷۸۔

ترجمہ:......(اے پیغمبر!) سورج ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز قائم کرو۔

کے ساتھ بیان کر دیا، اور صحابہ کو سمجھا دیا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے بلا اختلاف ان احکام کو تسلیم کرلیا اور بلا انکار اس کے کاربند ہوئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چونکہ یہ مجموعہ احکام زکوۃ کا محفوظ تھا، اس لئے انہوں نے ان احکام کو ایک رسالے کی شکل میں بطور دستور العمل لکھ کے اس کی نقلیں اطراف واکناف میں عمال کی طرف روانہ کردی تھیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھی ایک صحیفہ موجود تھا، اس میں بھی غالباً یہی احکام زکوۃ کے درج تھے۔

علاوہ اس کے یہ مقدار زکوۃ کی مسلمانوں کے تمام فرق میں بلا انکار تسلیم کی جاتی ہے، اور جو حکم تمام فرق اسلام میں بلا انکار تسلیم کیا جاتا ہو وہ اگرچہ لفظاً تو متواتر نہیں، مگر معناً ضرور متواتر ہوگا، اور بلحاظ قطعیت اس میں اور قرآن میں کچھ بھی فرق نہ ہوگا، پس اس کے منکر کو بھی وہی خطاب دیا جائے گا جو قرآن کے منکر کو دیا جاتا ہے۔

یہ ایک مشہور قصہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سعید زمانے میں ایک شخص ثعلبہ نامی کے پاس آپ نے وصول زکوۃ کے لئے جب عامل بھیجا تو اس نے بھی مؤلف کی طرح آزادانہ لہجے میں زکوۃ کی نسبت کہا تھا کہ یہ بھی ایک قسم کا جزیہ ہے، اس کی اس بے باکی اور دریدہ ذہنی پر غضب الٰہی جوش میں آیا، اور اس کی مذمت میں آیت: ﴿ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ، فَلَمَّاۤ اٰتٰهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوۡا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴾[1] نازل کی گئی۔

واقعی اگر کسی شخص کے پاس ضروری حوائج سے باون روپے بچ رہے، اور کامل ایک

---

[1] ......سورۂ توبہ، آیت نمبر: ۷۵/۷۶۔

ترجمہ: ......اور انہی میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر وہ اپنے فضل سے ہمیں نوازے گا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے، اور یقیناً نیک لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔ لیکن جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے نوازا تو اس میں بخل کرنے لگے، اور منہ موڑ کر چل دیئے۔

سال صرف ہونے سے محفوظ رہے، تو اس کے چالیسویں حصے کو للہ مساکین پر تقسیم کرنے کے لئے حکم کرنا، اس میں کسی طرح کا جبر وتشدد متصور نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ عین اقتضائے مروت انسانی ہے، اس میں شبہ نہیں کہ جن لوگوں کے پاس علاوہ ضروری حوائج کے باون روپیہ بچ رہے، اور اپنے بے سروسامان بھائیوں کے ساتھ ان میں سے چالیسویں حصے کا سلوک کرنا بھی روا نہ سمجھے تو وہ صرف بے مروت ہی نہیں، بلکہ دائرہ انسانیت سے بھی خارج ہے۔

## روزہ بھی مؤلف کی بیجا سازشوں بچ سے نہ سکا

چنانچہ لکھا ہے:

قولہ:......قرآن نے ایک ہی روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے، ماہ رمضان میں، اور قولہ تعالیٰ: ﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَام ﴾[1] میں جو لفظ ''صِیَام'' ہے، مراد اس سے ایک روزہ ہے، اس سے: ۲۹/ یا ۳۰/ روزے ثابت نہیں ہوتے۔

اقول:...... گو لفظ صیام جمع نہیں ہے، مگر اسم جنس ضرور ہے، اسم جنس کا اطلاق قلیل وکثیر دونوں پر کیا جاتا ہے، باقی ایک روزے پر تو صرف لفظ ''صومۃ'' بولا جاتا ہے، صراح میں ہے: ''صوم روزہ، واحد صومۃ، روزہ داشتن وصیام مثلہ'' اس سے یہ تو ثابت ہوا کہ صیام کا اطلاق ایک روزے اور متعدد دونوں پر کیا جاسکتا ہے، مگر آیت کریمہ میں صیام سے کیا ایک ہی روزہ مراد ہے یا متعدد؟ اس سے آگے کی عبارت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صیام سے یہاں ایک نہیں متعدد روزے مراد ہیں، اس لئے کہ ﴿ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَات ﴾ صیام کے

---

[1]......سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۱۸۳۔

ترجمہ:......اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔

ساتھ مربوط ہے، [1] بنا براس کے آیت کا یہ مفاد ہوگا کہ مومنو! متعدد ایام کے روزے تم پر فرض کئے گئے ہیں، نہ ایک روزہ، اس لئے کہ اگر کوئی کہے ''صمت ایاما معدادات'' تو ایک زبان داں اس کا یہی ترجمہ کرے گا کہ میں نے چند دن کے روزے رکھے، نہ یہ کہ چند دنوں میں سے ایک دن میں نے روزہ رکھا، اب تک اتنا ثابت ہوا کہ متعدد روزے فرض کئے گئے، مگر وہ کتنے ہیں؟ اس کا بیان قولہ تعالیٰ: ﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰن ﴾۔ [2]

میں کیا گیا ہے، یعنی وہ متعدد ایام کامل ماہِ رمضان کے: ۲۹/ یا ۳۰/ دن ہیں، یہ ایک قرآن کے بیان کی خوبی ہے کہ پہلے بیان کیا گیا کہ صیام فرض کیا گیا، جس میں قلیل وکثیر دونوں کا احتمال تھا، پھر بیان کیا گیا کہ وہ ایک نہیں، بلکہ متعدد روزے ہیں، اور پھر بیان کیا گیا کہ وہ متعدد بھی: ۲۹/ یا ۳۰/ روزے بحساب ایام ماہِ رمضان ہیں، اس طرح بیان کرنے میں یہ نکتہ تھا کہ مؤلف جیسے بزدل آدمی: ۲۹/ یا ۳۰/ روزوں کا نام دفعۃً سنتے ہی گھبرا نہ جائے، نیز اگر مہینے بھر کے روزے فرض نہ ہوتے تو ضرور کل فرق اسلام کا اس پر اتفاق نہ ہوتا، حالانکہ اسلام کا کوئی بھی ایسا فرقہ نہیں ہے جو مہینے بھر کے روزے کو تسلیم نہ کرتا ہو، اور یہ اگر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ اہل کتاب پر ایک ہی روزہ فرض تھا، مگر اس کے ساتھ تشبیہ دینے سے یہ کچھ ضرور نہیں کہ مسلمانوں پر بھی ایک ہی روزہ فرض کیا گیا ہو، اس لئے کہ یہ تشبیہ صرف نفس فرضیت ہی میں ہے کہ جس طرح یہ حکم اگلوں پر فرض کیا گیا تم پر بھی فرض کیا گیا ہے،

[1]......سورۂ بقرہ، آیت نمبر: ۱۸۴۔
ترجمہ:...... گنتی کے چند روزے رکھنے ہیں۔

[2]......سورۂ بقرہ، آیت نمبر: ۱۸۵۔
ترجمہ:...... رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

چنانچہ اگر کہا جائے کہ زید مانند شیر کے ہے، تو اس سے یہی مراد ہوگا کہ زید بہادری میں شیر کے مانند ہے، نہ کہ دم یا پنجے میں بھی۔

## قرآن پر اعراب وغیرہ بعد میں لگانے کا الزام

قولہ:......ممالک اسلامیہ میں جو نقلیں قرآن کی پہلے پہل بھیجی گئی تھیں وہ سب قدیم کوفی خط میں تھیں، جن میں نہ اعراب تھے اور نہ نقاط وغیرہ، زمانۂ خلفائے راشدین کے بعد تبع تابعین کے زمانے میں اعراب لگائے گئے۔

اقول:...... یہ صریح جھوٹ ہے کہ تبع تابعین کے زمانے میں قرآن میں اعراب لگائے گئے، بلکہ اشکال واعراب قرآن کو عبدالملک کے زمانے میں لگائے گئے تھے، جس کو شوق ہو تاریخ میں جا کے دیکھ لے، گو اس سے پہلے قرآن مشکل ومعرب نہ تھا، مگر جن جن لوگوں کو قرآن یاد تھا ان کو اشکال واعراب ونقاط قرآن کے اس طرح محفوظ تھے کہ ان میں تغیر وتبدل کی مطلقاً گنجائش نہ تھی، بلکہ اس میں شک نہیں کہ اس وقت تمام تر قرآن کی نگہداشت کا مدار صرف لوگوں کی یادداشت پر تھا اور ہونا بھی چاہئے، اس لئے کہ قرآن میں تصریح ہے:

﴿ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِىْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ﴾۔[1]

پس اگر مکتوب قرآن کے اعراب میں غلطی واقع ہوگئی تو پھر محفوظ فی الصدور قرآن سے اس کی اصلاح کیوں نہیں کی گئی؟ درحقیقت یہ قرآن پر ایک ایسا زبردست حملہ ہے کہ اسلامی

---

[1]......سورۂ عنکبوت، آیت نمبر: ۴۹۔

ترجمہ:......حقیقت تو یہ ہے کہ یہ قرآن ایسی نشانیوں کا مجموعہ ہے جو ان لوگوں کے سینوں میں بالکل واضح ہیں جنہیں علم عطا کیا گیا ہے۔

دنیا میں آج تک کسی نے جرأت نہ کی ہوگی۔

قولہ:...... ’’ملانہ اسلام نے مہینے بھر کے روزے جن کی سختی فطرت انسانی کے خلاف ہے عام طور پر مقرر کردیئے‘‘ الخ۔

اقول:...... مہینے بھر کے روزے فطرت انسانی کے بالکل موافق ہیں، اگر یہ روزے فطرت انسانی کے خلاف ہوتے تو آج تیرہ سوسال سے بھی کچھ عرصہ تک یہ سلسلہ روزہ داری کا ایک شان وشوکت کے ساتھ باقی نہ رہتا، واقعی بجز معدود ہوا پرستوں کے اسلامی دنیا میں مسلمانوں کو ان روزوں سے کچھ ایسی دل چسپی ہے کہ ہر سال کروڑوں نفس اہل اسلام نہایت خوشی سے ان کے کاربند ہوتے ہیں، اگر روزے ہی کے سبب سے مسلمانوں میں تعداد موت کی دوچند ہوجاتی تو مسلمانوں میں ہرسال یہ جوش روزہ داری کا کیوں باقی رہتا۔

قولہ:...... اگر اصلی رکن روزہ تمام دن بھوکا ہی رہنا ہے تو قطب شمالی وجنوبی میں جہاں چھ ماہ کا ایک دن ہوتا ہے وہاں کیا کوئی بھی ملانہ اسلام کا مسلمان ایک دن بھر بھوکا رہ کر مرنے سے بچ سکتا ہے؟

اقول:...... مؤلف نے اس مقام پر اپنی ہیئت دانی کا ثبوت دیا ہے، کیا وہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ قطب جنوبی کے محاذات میں بجز بحر محیط کے آدمی تو کیا پرندہ بھی موجود نہیں ہے، البتہ قطب شمالی کے محاذات میں ضرور خشکی موجود ہے، مگر بوجہ کثرت برف باری وبرودت کے وہ بھی بالکل غیر آباد وغیر مسکون ہی ہے، البتہ تخمیناً چھبیس یا ستائیس درجے کے بعد ابتدائے اقلیم ہفتم سے کسی قدر آبادی شروع ہوتی ہے۔

اگر ایسے محل میں اس قدر دن دراز ہوکے دن بھر انسان روزہ نہ رکھ سکے تو اس کے متعلق شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ بلاد متوسطہ میں جتنے گھنٹے امساک کیا جاتا ہے وہاں بھی اس قدر

امساک کر کے روزہ کھول دیا جائے، پھر جب رات کا زمانہ قیاساً ختم ہو چکے تو پھر امساک شروع کر دیا جائے، علی ہذا القیاس، غرض اس شریعت میں ہر طرح کی آسانی مدِنظر رکھی گئی ہے، مگر اس کے ساتھ بھی ہوا پرست اس پر تشدد کا الزام لگائے بغیر نہیں رہتے، کیا یہ ظلم نہیں ہے؟

قولہ:...... افسوس آدمیوں میں بہت پرانا یہ خبط ہے کہ خدا ہماری جسمانی تکالیف' دکھوں' مشقتوں وغیرہ سے خوش ہوتا ہے، اب تک چلا آتا ہے۔

اقول:...... خداوند کریم کی یہ قدیم سنت ہے کہ آزمائش وانعام دونوں پہلو سے وہ اپنے بندوں کی پرکھ کیا کرتا ہے، جس طرح نعمتوں کو عطا کر کے وہ ان کی شکر گذاری کو جانچ لیا کرتا ہے، اسی طرح کبھی کسی مصیبت میں گرفتار کر کے بھی اس کے ثابت قدمی کے جوہر دیکھ لیا کرتا ہے۔ قرآن مقدس میں ہے:

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ﴾[۱]

اس کا نام ظلم نہیں ہے، بلکہ ترقی مراتب کے لئے یہ ایک بہت بڑا زینہ ہے، اس کو کون نہیں جانتا کہ جو سپاہی جنگ میں مصیبت کو برداشت کر کے جواں مردی کا جوہر بتاتا ہے وہ اپنے حکمران کے نزدیک ایک عالی رتبہ کا حقدار سمجھا جاتا ہے۔

قولہ:...... ''مہینہ رمضان سے لے کر دوسرے مہینہ تک قریباً دگنی اموات ہوتی ہے'' الخ۔

اقول:...... یہ بھی ایک خیال بلند پروازوں کا نتیجہ ہے، اس دعوے کی تردید کے لئے میں زیادہ قلم فرسائی نہیں کرنا چاہتا صرف اس قدر کہنا کافی سمجھتا ہوں کہ پورے رنگون میں کل

---

[۱]...... سورۂ بقرہ، آیت نمبر: ۱۵۵۔

ترجمہ:...... اور دیکھو ہم تمہیں آزمائیں گے ضرور، (کبھی) خوف سے، اور (کبھی) بھوک سے، اور (کبھی) مال و جان اور پھلوں میں کمی کر کے۔

سورتی تخمیناً دو ڈھائی ہزار آدمی ہوں گے، مگر بفضلہٖ تعالیٰ ان میں سے آج ستائیس رمضان تک صرف ایک ہی شخص مرا ہے، وہ بھی امراض شکم سے نہیں طاعون سے۔

اگر روزہ ہی کی وجہ سے موت بکثرت ہوتی تو آج تک ان میں بکثرت موت ہوتی، ضرور جب انسان کی طبیعت پر توہم غالب ہوجاتا ہے تو پھر وہ عجیب وغریب توہموں کا مرکز بن جاتا ہے۔

قولہ:......قرآن بھر میں کہیں بھی تراویح کا ذکر تک نہیں ہے، مگر ملانہ اسلام میں بڑے اہتمام سے تراویح موجود ہے۔

اقول:......تراویح یہ وہی قیام اللیل کا بدل ہے جس کی نسبت اللہ جل شانہ فرماتا ہے:

﴿ اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ ﴾[۱]

ماہِ رمضان کے روزوں کی نسبت بعض ہواپرست یہ بھی کہتے ہیں کہ: اگر روزے کی طاقت رکھنے والا روزہ نہ رکھے اور اس کا فدیہ کسی مسکین کو دے دے تو بھی جائز ہے، چنانچہ قولہ تعالیٰ: ﴿ وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْکِیْن ﴾[۲] صاف اس پر دلالت کرتا

---

[۱]......سورۂ مزمل، آیت نمبر: ۲۰۔

ترجمہ:......(اے پیغمبر!) تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ تم دو تہائی رات کے قریب، اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات (تہجد کی نماز کے لئے) کھڑے ہوتے ہو، اور تمہارے ساتھیوں میں سے بھی ایک جماعت (ایسا ہی کرتی ہے)

[۲]......سورۂ بقرہ، آیت نمبر: ۱۸۴۔

ترجمہ:......اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر (روزے کا) فدیہ ادا کردیں۔

ہے

اقول:...... یہ تاریک خیال بھی نری جہالت کا نمونہ ہے، اس آیت کی اگلی پچھلی آیتوں پر اور روزے کی فرضیت کی کیفیت پر اگر غائر نظر ڈالی جاتی تو یہ گمراہ کن خیال کبھی نمود (ظاہر) نہ ہونے پاتا۔

اس میں شبہ نہیں کہ جب احکام شریعت کا نام ہی تکالیف شرعیہ ہے، تو ان میں تکلیف کا ہونا یہ کوئی قابل حیرت بات نہیں، لیکن یہ تکلیف صرف اتنی ہی ہونی چاہئے کہ انسان ہر طرح سے اس کو برداشت کر سکے، گو پے در پے روزے رکھنا کوئی ایسی تکلیف نہیں ہے کہ انسان ہر طرح سے اس کو برداشت نہ کر سکے، ورنہ اسلامی دنیا میں جس قدر روزہ کی گرم جوشی پائی جاتی ہے یہ نہ ہوتی، تاہم جو لوگ اس کے عادی نہیں ہیں ان کو یہ کسی قدر گراں معلوم ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، اس میں شک نہیں کہ شروع ہی میں روزے ان مسلمانوں پر جو روزے کے عادی نہ تھے اگر اس طرح فرض کر دیئے جاتے کہ فدیہ کی ان کو اجازت نہ ہوتی تو ممکن تھا کہ بہت سے لوگ اس حکم کی تعمیل نہیں کرتے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں روزوں کی فرضیت کے لئے ایک عجیب حیرت انگیز حکمت وسہولت سے کام لیا، شروع جب قولہ تعالیٰ ﴿ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَام ﴾ (الآیۃ) نازل کیا تو اس کے ساتھ یہ بھی ظاہر کر دیا تھا کہ مریض ومسافر کو چونکہ غالباً روزہ رکھنے میں زیادہ تکلیف ہوتی ہے اس لئے وہ افطار کر کے بحالت صحت واقامت چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کر لیں، اور جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہیں، مگر روزے کے عادی نہیں ہیں ان کے ساتھ بھی بالفعل یہ رعایت کی جاتی ہے کہ بجائے روزے کے وہ فدیہ دے سکتے ہیں، تاہم روزہ بہ نسبت فدیہ کے ان کے لئے بہتر ہے، اس لئے کہ روزہ

اصل ہے، یہ حکم شروع ہی میں تھا، پھر جب دیکھا گیا کہ اب لوگوں کی طبیعتیں روزے کی عادی ہو چکی، اور پے در پے روزے رکھنے سے جو وحشت ان کو پیدا ہوتی تھی وہ رفع ہو گئی، تو قولہ تعالیٰ: ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ [۱] نازل کیا گیا، اور تنبیہ کردی گئی کہ جو روزے کی طاقت رکھتے ہیں وہ اب فدیہ نہیں دے سکتے، روزہ ہی رکھیں، اس لئے کہ فدیہ کا حکم غیر عادی ہونے کی وجہ سے دیا گیا تھا اور یہ وجہ اب باقی نہیں رہی۔ درحقیقت یہ ایک بہت بڑی دور اندیشی وعاقبت بینی ہے کہ جو حکم کسی خاص وقت تک محدود ہو جب وہ وقت چلا جاتا ہے تو اس حکم کو رفع کر کے بجائے اس کے دوسرا حکم جو مناسب وقت موجود ہو نافذ کیا جائے۔

یہ دور اندیشی صرف روزے ہی پر منحصر نہیں ہے، حرمت شراب میں بھی اس قسم کی دور اندیشی سے کام لیا گیا ہے، شراب سے چونکہ لوگوں کی طبیعتیں کچھ ایسی مانوس ہو چکی تھیں کہ دفعۃً اس کا چھوڑ دینا اگر ان پر محال نہیں تو متعذر ضرور تھا، اس لئے جب پہلے ہی شراب کے متعلق سوال کیا گیا تو جواب میں صرف اس قدر کہا گیا تھا کہ: ﴿ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ ﴾ [۲] یعنی باوجودیکہ ان میں ایک سخت گناہ ہے' فوائد بھی ہیں، چنانچہ اس پر سے چند لوگوں نے شراب نوشی چھوڑ دی اور کچھ لوگ پیتے رہے، پھر ان پینے والوں میں سے ایک شخص نے ایک روز شراب پی کے نماز پڑھائی، نشہ تو تھا ہی قراءت الٹ پلٹ کر ڈالی، جس پر یہ آیت

---

[۱]......سورۂ بقرہ، آیت نمبر: ۱۸۵۔
ترجمہ:......لہذا تم میں سے جو شخص بھی یہ مہینہ پائے، وہ اس میں ضرور روزہ رکھے۔
[۲]......سورۂ بقرہ آیت نمبر: ۲۱۹۔
ترجمہ:......ان دونوں میں بڑا گناہ بھی ہے۔

نازل ہوئی ﴿ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى ﴾ ۱ اس میں تنبیہ کردی گئی کہ شراب پی سکتے ہو، مگر سکر کی حالت میں نماز نہیں، نماز کے قریب بھی مت جاؤ، پھر جب دیکھا گیا کہ شراب سے جو پہلے لوگوں کو شغف تھا وہ اب باقی نہیں رہا، اور اب اگر کلیۃً اس کو چھوڑ نے کے لئے قطعی حکم دیا جائے گا، تو بلا مزید تکلیف اس کو چھوڑ سکیں گے تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ ﴾ ۲

اس آیت کا نازل ہونا ہی تھا کہ مسلمانوں نے یک لخت شراب کو چھوڑ دیا، اور پھر اس کے پینے کا نام تک نہیں لیا، پس جس طرح اس وقت بلحاظ قولہ تعالیٰ: ﴿ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ﴾ ۳ کوئی مسلمان شراب کو حلال نہیں کہہ سکتا، اسی طرح بلحاظ قولہ تعالیٰ: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ﴾ ۴ جس شخص کو روزے کی طاقت ہو اس کے لئے فدیہ کو بھی کوئی جائز نہیں کہہ سکتا ہے، چونکہ قولہ تعالیٰ: ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ سے یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ جس طرح طاقت والوں کے فدیہ کا حکم منسوخ کردیا

---

۱......سورۂ نساء، آیت نمبر: ۴۳۔

ترجمہ:......جب تم نشے کی حالت میں ہو تو اس وقت نماز کے قریب بھی نہ جانا۔

۲......سورۂ مائدہ، آیت نمبر: ۹۰۔

ترجمہ:......اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے تھان اور جوے کے تیر، یہ سب ناپاک شیطانی کام ہیں، لہٰذا ان سے بچو۔

۳......سورۂ بقرہ آیت نمبر: ۲۱۹۔

ترجمہ:......ان دونوں میں بڑا گناہ بھی ہے، اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں۔

۴......سورۂ بقرہ، آیت نمبر: ۱۸۴۔

ترجمہ:......اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر (روزے کا) فدیہ ادا کریں،

گیااسی طرح ممکن ہے کہ مریض ومسافر کے لئے جو حکم پہلے بیان کیا گیا وہ بھی منسوخ کردیا گیا ہو، اس لئے اس شبہ کو رفع کرنے کے لئے مکرر قولہ تعالیٰ: ﴿ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ﴾[۱] نازل کیا گیا اور ہدایت کی گئی کہ ان دونوں کے لئے جو حکم پہلے تھا وہی اب بھی باقی ہے، اس لئے کہ اس حکم کی جو علت پہلے تھی وہ اب بھی موجود ہے۔

## مسئلہ: کفارۂ صوم

چونکہ روزۂ رمضان شریعت کا ایک رکن اعظم ہے، اس لئے جو شخص دانستہ اس کو توڑ ڈالے تو وہ اس جرم کی تلافی کفارے سے کرسکتا ہے، ایک غلام آزاد کرے یا پے در پے ساٹھ روزے رکھے یا ساٹھ مساکین کو کھانا دے، باقی جو شخص دانستہ روزہ ہی نہ رکھے تو وہ شرعاً اتنا بڑا مجرم سمجھا جاتا ہے کہ اگر وہ ساری دنیا کو کفارے میں پیش کرے تو قبول نہیں کیا جائے گا، اگر وہ تمام زندگی روزہ رکھ کر اس کی تلافی کرنا چاہے تو ہرگز وہ نہیں کرسکتا ہے، امام احمد وترمذی وابوداؤد وابن ماجہ ودارمی وبخاری نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے:

قال رسول اللهﷺ: ”من افطر يوما من رمضان من غير رخصة ولا مرض لم يقض عنه صوم الدهر كله وإن صامه“۔ [۲]

کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص بدون مرض وغیرہ رخصت کے اگر رمضان کا ایک بھی روزہ نہ رکھے گا تو گو وہ تمام عمر روزہ رکھے، مگر وہ اس کی تلافی نہ کرسکے گا۔

---

[۱]......سورۂ بقرہ، آیت نمبر:۱۸۴۔

ترجمہ:...... پھر بھی اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرلے۔

[۲]......مشکوۃ ص ۱۷۷، باب تنزيه الصوم، كتاب الصوم۔

## حج جوشریعت کا ایک رکن اعظم ہے وہ بھی مؤلف کی نکتہ چینی سے نہ بچ سکا

چنانچہ لکھا ہے:

قولہ:......''ملانہ اسلام نے حج کے لئے جو شرط اعظم استطاعت تھی اسے اڑا کر ٹکڑ گدوں تک کے لئے حج کو عام کر دیا''۔

اقول:......ایک صریح بہتان ہے کہ اسلام یا علماء اسلام حج کے لئے استطاعت کو شرط نہیں سمجھتے، دینیات کے ایک چھوٹے سے رسالہ کو بھی اگر مؤلف اٹھا کے دیکھ لیتا تو اس کو یقین ہو جاتا کہ علماء ربانیین استطاعت کو حج کے لئے شرط سمجھتے ہیں یا نہیں؟ باقی جو مساکین بدون استطاعت حج کو جاتے ہیں اس کو علمائے ربانیین بھی قبل از وقت ہی بتاتے ہیں، پھر اگر کوئی کم استطاعت فرط خوشی سے حج کو چلا جائے اور کسی مصیبت میں گرفتار ہو تو اس میں علماء ربانیین کا کیا قصور ہے؟

قولہ:......حجر اسود کو چھونے کا ذکر، رمی جمار کا ذکر، میقات کا ذکر، بجائے ایک بار کے سات مرتبہ کعبہ کے گرد گھومنے یا طواف کرنے کا ذکر اور بے سلا کپڑا باندھنے یا اوڑھنے کا ذکر قرآن میں کہیں نہیں ہے۔

اقول:...... جب قرآن میں کعبہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی اور اس کو مبارک و امان بخش کہا تو پھر اس کو متبرک سمجھ کے اس کے ایک جزو کو جس کا نام حجر اسود ہے، پیغمبر کے صریح حکم سے چوم لیا جائے یا اس پر سر رکھ کے اللہ پاک کو سجدہ کیا جائے تو اس میں کون سی شرعاً یا عقلاً برائی لازم آتی ہے؟ اگر کوئی شخص قرآن کو متبرک سمجھ کے چوم لے یا سر پر اٹھائے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اٹھا لیا تھا تو کیا اس کو ہم برا کہہ سکتے ہیں؟

اس میں شک نہیں کہ ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) جب اپنے لخت جگر اسماعیل (علیہ

السلام ) کو لے کر منی سے سنگلاخ میدان میں قربانی کے ارادے سے نکلے، چونکہ یہ قربانی شیطان کے منشاء کے خلاف تھی، اس لئے ان تینوں مقامات میں جہاں رمی کی جاتی ہے شیطان بشکل آدمی نمودار ہوا اور ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو اس پاک ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی، مگر تینوں مقامات میں ابراہیم علیہ السلام نے اس کو سنگریزے مار مار کر بھگا دیا، اوراس پر نفرین ظاہر کی، پس اس وقت بھی اگر کوئی منیٰ میں قربانی کے ارادے سے جائے اوران تینوں مقامات میں ابراہیم (علیہ السلام ) کی طرف سنگریزے مار مار کر شیطان پر جو سلسلۂ قربانی کا مخالف تھا نفرین ظاہر کرے اور ابراہیم ( علیہ السلام ) کے ہاتھ سے جو زک اس نے اٹھائی تھی اس کو یاد دلاوے تو اس میں شرعاً یا عقلاً کونسی قباحت ہے؟ باقی منیٰ میں ٹھہرنا اور قربانی کرنا اس کا ذکر تو قرآن میں موجود ہے: ﴿ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴾ [1]

جو شخص حقیقت حج سے واقف ہے وہ یہ کہے بغیر نہیں رہے گا کہ حج سے اصلی غرض یہ ہے کہ انسان پر آخرت کا نمونہ پیش کیا جائے، اور بعد مرون امیر وفقیر کو یکساں حالت ہوتی ہے اس کا خاکہ اس کے سامنے کھینچا جائے، اسی وجہ سے قرآن نے حج کے جانے والوں کے لئے احرام کو فرض قرار دیا ہے، اور بحالت احرام میں جس طرح خشکی کا شکار قرآن نے حرام کر دیا، اسی طرح سلے ہوئے کپڑے پہننے سے بھی ممانعت کر دی گئی، تاکہ حاجی کو جس نے آخرت کے مسافر کا بھیس لیا ہے، آخرت کے واقعات پر غور کرنے کا پورا موقع ملے، پھر اگر احرام کی جگہ سے جس کو عرف شریعت میں میقات کہتے ہیں، بے سلا کپڑا پہن لیا تو

---

[1] ......سورۂ حج، آیت نمبر: ۲۸۔

ترجمہ:......اور متعین دنوں میں ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں عطا کئے ہیں، چنانچہ (مسلمانو!) ان جانوروں میں سے خود بھی کھاؤ، اور تنگ دست محتاج کو بھی کھلاؤ۔

اس نے شرعاً وعقلاً کیا برا کیا؟ درحقیقت انسان ایک عجیب وغریب خیالات کا مجموعہ ہے کہ جب وہ کسی چیز سے بدظن ہوجاتا ہے تو اس کی کل خوبیاں اس کی نظر میں برائیاں معلوم ہونے لگتی ہیں۔

## ارکان اسلام پر خونخوار حملہ کے بعد سود کی حلت

چنانچہ لکھا ہے:

قولہ:......قرآن ربا کو حرام کہتا ہے اور سود کو جائز کرتا ہے، جو سود چوگنا ہے وہ ربا ہے، اور وہی حرام بھی ہے، اور جو اس سے کم ہو تگنا یا دوگنا یا اس سے کم تو وہ ربا نہیں ہے وہ حلال ہے۔ وہ کہتا ہے: ﴿ يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَة ﴾[۱] یہ آیت لفظ ربا کے معنی ومفہوم کو صاف بتارہی ہے کہ دوگنے پر دونا سود کھانے کا نام ربا ہے، اور دوگنے پر دونا چوگنا ہونا ہے۔

اقول:......اولاً: جب ایک جاہل شخص عالمانہ طرز پر تقریر کرنا چاہتا ہے تو وہ کہاں تک سنبھل سکتا ہے؟ کہیں نہ کہیں گر ہی پڑے گا، ایک ذی بصیرت شخص یہ نہیں جان سکتا کہ جب چوگنے سود ہی کا نام مؤلف کے نزدیک ربا ٹھہرا تو پھر اگر کوئی شخص چوگنے سے ایک ہی پیسہ کم سود لے گا تو یہ مؤلف کے نزدیک بلاتردد جائز ہوگا، اس لئے کہ یہ چوگنا نہیں ہے، مگر یہ دیکھنا چاہئے کہ قاتل' لوٹ کھسیٹ' غارت گری' دل آزاری' اذیت رسانی' مردم آزاری کا فتوے اس پر بھی وہ دیتا ہے، جس طرح چوگنے پر دیا تھا یا نہیں، چوگنے سے ایک پیسہ کم تو کیا اگر تجارتی نظر سے دیکھا جائے تو فی سینکڑا ڈھائی تین روپیہ سود بھی قاتل اور سفاک ثابت

---

[۱]......سورۂ آل عمران، آیت نمبر: ۱۳۰۔

ترجمہ:......اے ایمان والو! کئی گنا بڑھا چڑھا کر سود مت کھاؤ۔

ہوگا، مگر ایسے سفاک کو مؤلف کو جائز رکھنا ہی پڑے گا، اس لئے کہ یہ ربا نہیں سود ہے۔

ثانیاً:...... اگر چوگنے سود ہی کا نام ربا تھا، تو پھر کفار قریش جو بیع کو مثل الربا کہتے تھے اس کے کیا معنی ہیں؟ کیا بیع ان کے نزدیک چوگنی قیمت پر بیچنے کا نام تھا، اگر چوگنی ہی قیمت پر بیچنے کا نام ان کے نزدیک بیع تھا تو کیا اس سے کم پر بیچے جانے کو وہ بیع نہیں کہتے تھے، درحقیقت مؤلف نے سود کی حلت کے لئے جو استدلال پیش کیا ہے وہ کفارِ قریش کے استدلال سے کسی قدر کم نہیں ہے۔

ثالثاً:...... مؤلف کی اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ربا چوگنے سود کا نام ہے، اور ص: ۲۷؍ میں اس نے لکھا ہے کہ: ''ربا وہ بیاجی (سودی) لین دین تھا جو از روئے تمسک مندرجۂ معاہدہ وقت مقررہ کے گذرنے پر جس کی تعداد اور راس المال سے دوگنی ہو جاتی تھی''

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوگنے سود کا نام ربا تھا، میں نہیں سمجھ سکتا کہ مؤلف کے نزدیک دونوں متعارض قولوں میں سے کون سا اصح ہے؟ واقعی کلام الٰہی میں بیجا مداخلت کرنے والے کے حواس کی یہی حالت ہوتی ہے کہ اس کو اگلی پچھلی عبارت کا کچھ بھی خیال نہیں رہتا ہے۔

درحقیقت مؤلف نے قولہ تعالیٰ: ﴿یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ کے معنی ہی نہ سمجھا، اگر سمجھتا تو کبھی یہ مضحکہ خیز بات نہ کہتا، اس میں شک نہیں کہ شریعت نے محرمات کے انسداد کے بارے میں ایک عجیب دلچسپ حکمت سے کام لیا ہے، جس حرام کا قلیل حصہ کثیر کو متقاضی تھا اس کے قلیل وکثیر دونوں حصے حرام کر دیئے گئے، تھوڑی سی شراب خوری چونکہ زیادہ کو مستدعی تھی، اس لئے جس طرح زیادہ حرام کر دی گئی تھوڑی بھی، اسی طرح تھوڑا سا سود بھی چونکہ زیادہ کے لئے باعث ہو جایا کرتا ہے، اس لئے

قرآن نے مطلق سود کو حرام کر دیا، تھوڑا ہو یا زیادہ، چنانچہ قولہ تعالیٰ: ﴿لا تَـاْكُلُوا الرِّبٰوٓا﴾ جو الف لام استغراقی ہے وہ اس پر دلالت کرتی ہے، رہی قید ''اَضْعَافًا مُّضٰعَفَة'' کی، یہ بھی دلیل ہے اس کی کہ تم تھوڑا سا سود بھی مت کھاؤ، اس لئے کہ تھوڑا سا سود بھی ایک مدت کے بعد دوگنا و چوگنا ہو جایا کرتا ہے، اور یہ ایک صریح گردن زنی وسفا کی ہے اس کو کون نہیں جانتا کہ دنیا میں بہت سے لوگوں نے تھوڑے سے سود پر روپیہ قرض لیا تھا، مگر چند مدت کے بعد سود کا اتنا بڑا سیلاب آیا کہ بیچاروں کی تمام املاک کو غارت و دریا برد کر دیا۔

قولہ:......لفظ ربا مثل جزیہ کے خاص عربی لفظ نہیں، اگر یہ لفظ ربا خاص عربی لفظ ہوتا تو جناب عمر کو جن کی مادری زبان عربی تھی' اس کے معنی و مفہوم میں' اس کی حقیقت میں شک نہیں ہوتا، دیکھو! تفاسیر قرآن۔

اقول:......اولاً تفاسیر قرآن کو تو مؤلف نے قرآن کے لئے زنگ کہا تھا، ناپاک مصنوعی روایت کہا تھا، کیا اب وہ اس کے نزدیک اس قابل ہو گئیں کہ ان سے استدلال کیا جائے؟

ثانیاً:......قولہ تعالیٰ: ﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَة﴾ نے تو بقول مؤلف لفظ ربا کے معنی و مفہوم صاف صاف بتا دیئے تھے، پھر کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس آیت کو نہیں پڑھے تھے یا نہیں پڑھ سکتے تھے کہ ان پر ربا کے معنی پوشیدہ رہ گئے۔

ثالثاً:......ایام جاہلیت میں ربا کا عام رواج تھا، چنانچہ مؤلف نے بیان کیا ہے، پھر کیا معنی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے ہمہ داں شخص اس کی حقیقت کو نہ جانیں، یہ کون کہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ربا کے معنی نہیں جانتے تھے یا ربا کی حقیقت سے وہ ناواقف تھے؟ وہ ربا کے معنی اور حقیقت سے خوب واقف تھے، اور چھ مشہور چیزوں میں جو ربا بالفضل ہے اس کو بھی

آنحضرت ﷺ کے بیان کرنے پر خوب جانتے تھے، البتہ ان چھ چیزوں کے علاوہ اور چیزوں میں چونکہ آنحضرت ﷺ نے ربا بالفضل کی تصریح نہیں کی تھی، اس لئے ان میں جو ربا بالفضل ہے اس کو بنص حدیث نبوی نہیں جانتے تھے، اور اسی کو جاننے کے لئے آرزو بھی کرتے تھے، کتاب ''نسم الصبا'' میں میں نے اس کے متعلق نہایت شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے جس کو شوق ہو جا کے دیکھ لے۔

یہ ایک نہایت ہی رکیک خیال ہے کہ جس لفظ کے شرعی معنی معلوم نہ ہوں تو وہ فارسی لفظ ہو جائے، اگر یہی بات ہے تو پھر لفظ ''کلالہ'' بھی فارسی ہی ہونا چاہئے، اس لئے کہ ربا کے ساتھ اس کے معنی کے انکشاف کے لئے بھی حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے تمنا ظاہر کی تھی۔

قولہ:......اس لفظ ربا میں علماء غوطے پر غوطے جو کھاتے گئے، اس کی وجہ میرے خیال میں وہی تابعین کے وقت میں الفاظ قرآن پر حسب پسند ان کے زبر، زیر، پیش وغیرہ کا قائم ہو جانا ہے، دراصل یہ لفظ ربا نہیں، بلکہ پیش کے ساتھ رُبا ہے جس کا مصدر ربودن ہے۔

اقول:......اولاً ''دروغ گورا حافظہ نہ باشد''۔ ص: ۱۵ر میں مؤلف لکھ چکا ہے کہ اعراب ونقاط وغیرہ تبع تابعین کے زمانے میں لگائے گئے، اور یہاں لکھ دیا کہ تابعین کے زمانے میں لگائے گئے۔

ثانیاً:......قرآن مقدس پر تحریف کا الزام دینے کے لئے اس سے بڑھ کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ تابعین نے قرآن میں زیر زبر پیش حسب پسند لگائے تھے؟ کیا قرآن کے الفاظ کے ساتھ ان کے نقاط وحرکات واعراب وغیرہ حفاظ کو محفوظ نہ تھے کہ جو شخص نقاط وحرکات اور اعراب میں جو چاہتا وہ تصرف کر سکتا تھا؟ قرآن کا ایک ایک لفظ' ایک ایک حرف' ایک ایک نقطہ' ایک ایک حرکت' ایک ایک اعراب بہ سبیل تواتر اس طرح محفوظ تھے اور محفوظ چلے

آتے ہیں کہ مؤلف جیسے ہزارنہیں لاکھوں ملحدمل کے ان میں تصرف کرنا چاہیں تو ہرگز نہیں تصرف کر سکتے۔

ثالثاً:......اگر مانا بھی جائے کہ رُبا' ربودن' کا امر ہے، مگر امر کو بمعنی اسم فاعل لینے کے لئے اس کے ساتھ کسی اسم کا ذکر ہونا ضروری ہے، جیسے ''دلربا' ہوش ربا'' میں، فرمایئے یہاں وہ اسم کون ہے؟

رابعاً:...... چوگنے سود کی طرف جو نقل کیا گیا ہے، آیا یہ نقل فارسی میں ہوئی یا عربی میں، اس پر کوئی کافی ثبوت کسی معتبر کتاب لغات وغیرہ سے پیش کرنا چاہئے، صرف زبانی کتابوں یا زبانوں کا نام لینا کافی نہیں ہوسکتا۔

خامسا:......عربی زبان میں بہتیرے لفظ بمعنی ''ربودن'' موجود تھے، جیسے اختلاس' اختطاف' انتزاع وغیرہ، پھر کیا وجہ کہ ایک اجنبی زبان کے لفظ سے ایک لفظ مشتق کر کے چوگنے سود کے لئے وضع کیا گیا، فی الواقع یہ ایک ایسا جاہلانہ وبیہودہ استدلال ہے جیسے بعض ڈاڑھی منڈے ڈاڑھی منڈانے کے جواز پر قولہ تعالیٰ: ﴿ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴾ ۱ کو استدلالاً پیش کرتے ہیں، نعوذ باللّٰہ من '' الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا دِيۡنَهُمۡ لَهۡوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا '' ۔۲

عبدالحیؒ عفی عنہ

خطیب جامع رنگون

---

۱......سورۂ تکاثر، آیت نمبر: ۳۔

ترجمہ:...... ہرگز ایسا نہیں چاہئے۔ تمہیں عنقریب سب پتہ چل جائے گا۔

۲......سورۂ انعام، آیت نمبر: ۷۰۔

ترجمہ:......جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے، اور جن کو دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔

# نضرة النعيم

## في علم غيب النبي الكريم وبروزه من قبره الفخيم

## مع ترجمه الموسومة

# بالفيض العميم

رسول اللہ ﷺ کو علم غیب کلی حاصل تھا یا نہیں، یہ مسئلہ بریلوی مکتب فکر اور اہل سنت والجماعت کے درمیان بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس کتاب میں اس مسئلہ پر قرآن وحدیث اور اکابر امت کی کتابوں سے تفصیلی وتحقیقی کلام کیا گیا ہے۔

از: حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ

ترتیب وعنوانات' مقدمہ وتعارف کتاب......مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیۃ

# عرض مرغوب وتعارف کتاب

علم غیب کا مسئلہ دو مکتبۂ فکر دیو بند و بریلوی میں بڑا معرکۃ الآراء شمار کیا گیا ہے، اور اس موضوع پر بلا مبالغہ ہزاروں صفحات دونوں فریقوں کی طرف سے لکھے گئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مسئلہ بڑا اہم اور اصول دین میں شمار کیا جاتا ہے، اس لئے کہ اس کا تعلق ایمان اور عقیدے سے ہے، ایمان کی کمزوری وعقیدے کا بگاڑ بہت زیادہ خطرناک ہے، اعمال کی کمزوری بھی کم اہمیت کی حامل نہیں، مگر بنسبت عقیدے کے بہر حال کم ہی ہے۔

عقیدے کے بگاڑ سے بعض مرتبہ آدمی ایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اللہ تعالی امت مسلمہ کو صحیح سمجھ اور فہم نصیب فرمائے کہ وہ اپنے ایمان اور عقیدے کے بارے میں بہت چوکنا رہیں کہ ہمارے عقائد ٹھیک اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق ہوں،

الغرض حضرۃ العلام رحمہ اللہ نے اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ فرما کر ایک مفید کتاب تحریر فرمائی، جس کا نام رکھا ''نضرة النعيم في علم غيب النبي الكريم ''''نُضرَة'' کے معنی ہیں: تازگی، تری، رونق، چہرہ کی چمک دمک۔ کتاب کا معنی ہوا: نبی کریم ﷺ کے علم غیب کے بارے میں نعمتوں کی تروتازگی ورونق۔ اگر عقیدہ صحیح ہے تو ایمان میں رونق وتازگی ہے، اور یہ ایک نعمت عظیم ہے، اور اگر عقیدہ میں بگاڑ ہے تو ایمان کی رونق زائل ہے۔

علامہ مرحوم نے اس کتاب کو ایک مقدمہ اور دو فصلوں میں مرتب فرمایا، مقدمہ میں تصنیف کی غرض بیان فرمائی کہ جب مجھے دونوں فریق کے اختلافات کا علم ہوا کہ ایک فریق آپ ﷺ کے بارے میں یہ خیال رکھتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالی کی طرف سے عطا کئے گئے علم کے بغیر بھی جمیع کلیات وجزئیات غیب پر مطلع ہیں، اور دوسرا فریق اس کا سختی سے منکر، اس لئے میں نے ارادہ کیا کہ اس موضوع پر تفصیلی تحریر کے ذریعہ صحیح عقیدہ کو واضح

کروں۔

پہلی فصل کی ابتدا اس اصول سے کی کہ حق و باطل کی پہچان کے لئے کسوٹی اہل سنت ہے، ان کا جو نظریہ ہو وہ حق کی دلیل ہے۔ پھر اسی اصول سے ثابت کیا کہ محققین اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ علم اللہ تعالیٰ کی صفت ازلی ہے، اور اس صفت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔ پھر انبیاء و آپ ﷺ نے جو بہت سے غیب کی باتیں بتلائی ہیں ان کو بیان فرما کر واضح فرمایا کہ وہ علم غیب نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے عطا کیا ہوا علم تھا۔ درمیان میں علم اعتبار و استبصار کی تعریف بھی فرمائی۔ الہام اور نفث فی الروح اور وحی کی حقیقت کو ظاہر کیا۔ فراست اور فراست مؤمن پر کلام کیا، فراست کے ضمن میں حضرت حارث بن مالک اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے واقعات لکھے، پھر بتلایا کہ علم غیب کلی کا قائل ہدایت سے دور ہے، اور آپ ﷺ و انبیاء کو اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے علوم حاصل ہوئے ہیں۔ پھر یہ دلچسپ بحث بھی فرمائی کہ مبادی غیب اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں اور لواحق پر انبیاء و اولیاء بھی مطلع ہوسکتے ہیں۔ پھر بڑی سختی سے لکھا کہ غیب کو بذات خود جاننے کا دعوی نص قرآن کے خلاف ہے، اور اس دعوی کی تکفیر کی جائے گی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے خسوف کی پیشن گوئی فرمائی، اس کا جواب دیا کہ یہ علم غیب نہیں، اسی طرح بارش کی اطلاع دینا کفر نہیں۔ ان ابحاث سے معلوم ہوا کہ کوئی یہ اعتقاد رکھے کہ آپ ﷺ کو تمام غیب کا بالاستقلال علم تھا' کفر ہے۔ پھر وہ مثال بیان کی کہ بہت سے علوم اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے حضرت ﷺ نے بتلائے، جیسے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنی وفات کی اطلاع دی، بدر کے مقتولین کی خبر کا بعینہ صادق آنا، حضرت زیدؓ حضرت جعفرؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی اطلاع دینا، ایک آدمی کے لئے بتلانا کہ زمین اس کو قبول نہیں کرے گی، ایک شخص کے

لئے جہنمی ہونے کی خبر دینا، مصر کی فتح کی خبر دینا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہزاروں میل دور سے جنگ کے احوال کو معلوم کر لینا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا اپنی شہادت کی خبر دینا، شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی فراست اور کشف، اور اولیاء اللہ کا غیب کی خبر دینا باظہار خداوندی تھا وغیرہ کو بیان فرما کر اس بات کو واضح کیا کہ اسی طرح غیب کی خبر کے واقعات اللہ تعالی کے اطلاع دینے کی وجہ سے تھے، اگر کوئی ان واقعات سے آپ ﷺ کو غیب داں سمجھ لے تو بہت جلد وہ گمراہ اور دشمن اسلام شیطان کے جال میں پھنس کر گمراہی کے اندھیرے میں ہلاک ہوجائے گا۔ پھر تفصیل سے ان آیات اور واقعات کو ذکر کیا کہ ان واقعات اور آیات پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو کلی غیب کا علم حاصل نہیں تھا، مثلا: حضرت رفاعہ بن زید رضی اللہ عنہ کے گھر میں چوری کا واقعہ اور آیت کا نزول، اسی طرح ایک یہودی کو سزا دینے کے ارادے پر آیت کا نزول، زید بن ارقم کی تصدیق میں آیت کا نزول، کفار کے سوال پر سورۂ کہف کا اترنا وغیرہ وغیرہ۔ درمیان میں مفاتح الغیب پانچ ہیں اور پانچ کی وجہ حصر کو لکھا، اور اس سے بھی ثابت کیا آپ ﷺ کو غیب کا کلی علم نہیں تھا۔ پھر خود آپ کا ارشاد نقل کیا کہ: میری قدرت قاصر اور میرا علم قلیل ہے۔ پھر اور دلائل سے اس بات کو ثابت کیا کہ غیب داں صرف اللہ ہی کی ذات ہیں۔ جیسے آپ ﷺ کا ''وفینا نبی یعلم ما فی غد'' پر انکار فرمانا، تابیر نخلہ والی روایت میں آپ کا ارشاد فرمانا ''انما انا بشر'' الخ، اس سوال پر کہ کون سی جگہ بہتر ہے اور کون سی بدتر؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں جبرئیل سے پوچھ کر بتلاؤں گا۔ پھر اس حدیث کا جواب دیا جس میں ہے کہ میرے لئے ہر چیز منکشف ہوگئی اور میں نے آسمان وزمین کی ہر چیز کو معلوم کر لیا، والی روایت سے اشکال اور اس کا تفصیلی جواب دیا۔

پھر دوسری فصل کے شروع میں انبیاء کی حیات بعد الممات کو لکھا جس میں واقعۂ معراج میں آپ ﷺ کا مختلف انبیاء کی زیارت کرنا اور بخاری کی روایت جو مجھ کو خواب میں دیکھے گا وہ بیداری میں دیکھے گا' کا مطلب بیان کیا، پھر بتلایا کہ اتباع سنت رویت کا بڑا ذریعہ ہے، اس ضمن میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا فرشتوں کو سلام کرنا، پھر داغ دینے پر سلام کا بند ہو جانے والے قصہ کو بطور دلیل ذکر کیا۔ پھر بہت تفصیل سے اس بات کو لکھا کہ بیداری میں انبیاء کی زیارت ممکن ہے یا نہیں؟، اس سلسلہ میں علماء کے واقعات لکھے، مثلا امام سیوطی کا بیداری میں ستر مرتبہ آپ ﷺ کی زیارت کرنے کو بیان کیا، اس میں امام سیوطی کی ہی ''تنوير الحلك في امكان روية النبي صلى الله عليه وسلم والملك '' کا حوالہ دیا کہ اس کتاب میں جن صحابہ اور علماء و اولیاء کو بیداری میں آپ ﷺ کی زیارت ہوئی ان کے واقعات ہیں۔ مگر بیداری میں زیارت ہر ایک کے بس میں نہیں اس کے لئے دو لاکھ مقامات کا حصول ضروری ہے، اس کو بھی ذکر کیا، پھر رویت بطریق عادت ہے یا بطور مثال اس پر بحث کی اور لکھا کہ یہ رویت روحانی و رویت جسمانی کی درمیانی حالت ہے، اس کا ادراک وہی کر سکتا ہے جس کو اس سے اتفاق ہوا ہو۔ اس بات پر اکابر کے اقوال بھی ذکر کئے۔ پھر اس پر بحث فرمائی کہ آپ کو ہر آن و ہر مکان میں ہر وقت حاضر ماننا یہ قول تفریط ہے، پھر آپ کو حاضر ماننے والوں کے دلائل اور ان کے جوابات دیئے۔ درمیان بحث یہ بھی آ گیا کہ منکر نکیر ایک ہیں یا کئی ہیں؟ اسی طرح ملک الموت ایک ہیں یا کئی ہیں؟ ''هذا الرجل '' سے کون سا رجل مراد ہے؟ اس طرح ان مفید ابحاث پر یہ کتاب تکمیل کو پہنچی۔ آخر میں آپ کی ایک عربی نظم :۲۱/ اشعار پر مشتمل بھی خوب ہے، ان اشعار میں علم غیب پر بہت نفیس انداز میں کلام فرمایا ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

# مقدمہ: علم غیب کے متعلق چند مفید باتیں

علماء دیوبند کا علم غیب کے بارے میں عقیدہ یہ ہے کہ:

''ہم زبان سے قائل اور قلب سے معتقد اس امر کے ہیں کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کو تمامی مخلوقات سے زیادہ علوم عطا ہوئے ہیں، جن کو ذات وصفات اور تشریعات یعنی احکام عملیہ وحکم نظریہ اور حقیقت ہائے حقہ اور اسرار مخفیہ وغیرہ سے تعلق ہے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی ان کے پاس نہیں پہنچ سکتا، نہ مقرب فرشتہ اور نہ نبی ورسول، اور بیشک آپ ﷺ کو اولین وآخرین کا علم عطا ہوا، اور آپ پر حق تعالی کا فضل عظیم ہے، ولیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کو زمانہ کی ہر آن میں حادث وواقع ہونے والے واقعات میں سے ہر ہر جزئی کی اطلاع وعلم ہو کہ اگر واقعہ آپ کے مشاہدہ شریفہ سے غائب ہے تو آپ ﷺ کے علم اور معارف میں ساری مخلوق سے افضل ہونے اور وسعت علمی میں نقص آجائے، اگر چہ آپ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس جزئی سے آگاہ ہو، جیسا کہ (حضرت) سلیمان علیہ السلام پر واقعہ عجیبہ مخفی رہا کہ جس سے ہدہد کو آگاہی ہوئی، اس سے (حضرت) سلیمان علیہ السلام کے اعلم ہونے میں نقصان نہیں آیا۔

(عقائد علماء دیوبند اور حسام الحرمین ص ۲۳۷، دارالاشاعت، کراچی)

حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو حق تعالی شانہ نے وہ علوم عطا کئے' جو کسی مقدس نبی اور کسی مقرب فرشتے کو عطا نہیں کئے گئے، بلکہ تمام اولین وآخرین کے علوم آنحضرت ﷺ کے دریائے علم کا ایک قطرہ ہیں۔حق تعالی شانہ کی ذات وصفات' گذشتہ وآئندہ کے بے شمار واقعات' برزخ اور قبر کے حالات' میدان محشر کے نقشے' جنت ودوزخ کی کیفیت' الغرض وہ تمام علوم جو آپ ﷺ کی ذات اقدس کے شایان شان تھے وہ سب آپ

ﷺ کو عطا کئے گئے، اوران کا اندازہ حق تعالی کے سوا کسی کو نہیں۔اسی کے ساتھ یہ عقیدہ بھی ہو کہ جس طرح ساری کائنات کے علوم کو آنحضرت ﷺ کے علوم مقدسہ سے کوئی نسبت نہیں یہی نسبت آپ ﷺ کے علوم کی حق تعالی کے علم محیط کے مقابلے میں ہے۔

''صحیح بخاری شریف'' میں ایک حدیث ہے کہ: حضرت خضر علیہ السلام نے ایک چڑیا کو دریا کے کنارے پانی پیتے ہوئے دیکھ کر حضرت موسی علیہ السلام سے فرمایا تھا:

**''ما علمی وعلمُکَ من علم الله الا مثلَ ما نقصَ هذا العُصفورُ من هذ البحرْ''**

اللہ تعالی کے علم کے مقابلہ میں میرے اور آپ کے علم کی مثال اس قطرے کی ہے جو اس چڑیا نے اس دریا سے کم کیا ہے۔(ص ۶۸۸ ج ۲)

اور یہ مثال بھی محض سمجھانے کے لئے ہے، ورنہ مخلوق کے محدود علم کو اللہ تعالی کے غیر محدود علم کے ساتھ کیا نسبت؟۔

(حاشیہ صحیح بخاری ص ۴۸۲ ج ۱۔اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۳۱، مکتبہ مدنیہ، لاہور)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

کسی کا یہ دعوی کرنا کہ حضرت رسول مقبول ﷺ عالم الغیب تھے اور آپ ﷺ کو تمام مغیبات کا علم تھا، محض غلط وافتراء اور اس شخص کی دیدہ دلیری ہے۔اس قسم کا عقیدہ نہ تو قرآن سے ثابت ہے، نہ حدیث شریف سے اس کا کچھ پتہ چلتا ہے، چونکہ یہ مسئلہ اصول اعتقادیہ سے ہے، اس لئے نہ صرف علماء حنفیہ ہی اس کے منکر ہیں بلکہ شوافع' مالکیہ' حنابلہ سب ہی اس کے خلاف ہیں اور اس کی تردید کرتے ہیں۔[۱]

---

[۱]......فقال ابن الهمام الحنفی رحمه الله : وذكر الحنفية تصريحا بالتكفير باعتقاد ان النبی صلی الله عليه وسلم يعلم الغيب ، لمعارضة قوله تعالی: ﴿ قل لايعلم من فی السموات والارض الغيب الا الله ﴾ (النمل: ۶۵، المسايرة فی العقائد المنجية فی الآخرة ، قبيل : الاصل فی اثبات نبوة

قرآن پاک صاف وصحیح طریقے پر فرماتا ہے:

﴿ قل لا يعلم من في السموات والارض الغيب الا الله ﴾۔(سورۂ نمل:۶۵)

وقال تعالى ﴿قل لا املک لنفسي نفعا ولا ضرا الا ماشاء الله ولو كنت اعلم الغيب لاستكثرت من الخير ﴾۔(سورۂ اعراف:۱۸۸)

﴿ ان الله عنده علم الساعة وينزل الغيث ويعلم ما في الارحام ﴾۔(سورۂ لقمان:۳۴۔ وغير ذلک

---

نبينا محمد صلى الله عليه وسلم"۔ص ۱۹۸، درالکتب العمیۃ، بیروت)

وقال الولواجي الحنفي رحمه الله : من تزوج امراة بشهادة الله ورسوله لا يجوز النكاح ، وحكى عن ابي القاسم رحمه الله : ان هذا كفر محض، لانه اعتقد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب ، وهذا كفر۔

(الفتاوى الولواجية ، كتاب النكاح ،الفصل الرابع:۱/۲۷۴۔مکتبہ فاروق پشاور)

وقال ابن حجر الشافعي رحمه الله في شرح الحديث : " انما انا بشر ' وانه يأتيني الخصم فلعل بعضكم ان يكون ابلغ من بعض فاحسب انه صادق ، فاقضي له بذلک ، فمن قضيت له بحق مسلم فانما هي قطعة من النار ، فليأخذها او ليتركها۔

قوله : (انما انا بشر) اتى به ردا على من زعم ان من كان رسولا فانه يعلم كل غيب ـ(فتح الباري شرح صحيح البخاري ،كتاب الاحكام ، باب من قضى له بحق اخيه فلا يأخذه،الخ۔۱۳/۲۱۵)

وقال ابن تيمية الحنبلي رحمه الله : صفات الكمال ترجع الى ثلاثة : العلم والقدرة والغنى، وهذه الثلاثة لا تصلح على وجه الكمال الا لله وحده، فانه الذي احاط بكل شيء علما ، وهو على كل شيء قدير ، وهو غني عن العالمين ، وقد امر الرسول صلى الله عليه وسلم ان يبرأ من دعوى هذه الثلاثة : ﴿قل لاا قول لكم عندي خزائن الله ولا اعلم الغيب ولا اقول لكم اني ملک ان اتبع الا ما يوحى الي﴾(الانعام : ۵۰) وهذا لانهم يطالبون الرسول صلى الله عليه وسلم تارة بعلم الغيب ..... فامره ان يخبرهم انه لا يعلم الغيب ـ(مجموعة الفتاوى لابن تيميه ، التصوف ، قاعدة في المعجزات ولكرامات:۱۱/۱۷۲/۱۷۳، مكتبة العبيكان ، الرياض)

یہ آیات بینات صراحۃً ثابت کرتی ہیں کہ عالم الغیب ہونا خدا ہی کی صفت ہے اور دنیا و مافیہا میں کوئی ایسا فرد مخلوق نہیں جو علم غیب رکھتا ہو، اور خود خداوند جل وعلا شانہ اپنے کلام میں حضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ: اے ہمارے رسول! لوگوں کو اس سے مطلع کر دو شاید کوئی تمہارے اس مرتبے کو دیکھ کر اور تمہارے بعض مغیبات کو بتلا دینے سے کہیں اس دھوکہ میں نہ پڑ جائے کہ تمہیں بھی علم غیب آتا ہے، اس لئے تم ان سے کہہ دو کہ یہ صفت خاص خدا کی ہے، اور اس میں اس کا کوئی مساہم وشریک نہیں۔

علی ھذا القیاس متعدد احادیث اس کی شاہد ہیں۔ ملاحظہ ہو ''مشکوۃ'' کی ''کتاب الایمان'' کی پہلی حدیث کا یہ ٹکڑا: ''ما المسئول عنها باعلم من السائل'' یعنی قیامت کے باب میں فرشتہ مخاطب یعنی جبرئیل سے زیادہ واقف نہیں ہوں۔ یعنی جس طرح کہ جبرئیل علیہ السلام کو صرف علامات قیامت کا علم ہے اسی طرح مجھ کو ہے۔[۱]

پھر آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن (فرشتے) میرے بعض اصحاب کو دوزخ کی طرف لے جائیں گے اور آپ فرمائیں گے ''اصیحابی اصیحابی'' اور وہ فرشتے آپ کو جواب دیں گے کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد دنیا میں کیا کیا؟ یعنی مرتد ہو گئے۔[۲] صاف اس کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کو علم غیب نہیں۔

پھر آپ ﷺ کا عام حجۃ الوداع میں یہ فرمانا: ''لعلی لا اراکم بعد عامی هذا''[۳] اس کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کو علم غیب نہیں، ورنہ آپ ﷺ کا ان الفاظ کو شک وشبہ کے ساتھ استعمال کرنے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔

---

۱...... مشکوۃ، الفصل الاول، کتاب الایمان: ۱/۱۱، قدیمی۔

۲...... بخاری ص ۴۷۳ ج ۱، کتاب الانبیاء، باب قول الله عز وجل ﴿اتخذ الله ابراهيم خليلا﴾۔

۳...... ترمذی ص ۱۷۸ ج ۱، باب ماجاء فی الافاضة من عرفات، ابواب الحج۔

قصہ افک میں آپ ﷺ کا ایک عرصہ تک متردد و متفکر رہنا اور غایت درجہ محزون و مغموم ہونا بھی اس کی دلیل ہے، ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ آپ ﷺ عالم الغیب بھی ہوں اور ایسے مہتم بالشان قصہ میں اتنی مدت تک پریشان بھی رہیں، اور جب تک کہ قرآن نازل نہ ہو، آپ ﷺ کو کچھ علم نہ ہو۔[1] ملا علی قاری رحمہ اللہ ''شرح فقہ اکبر'' میں فرماتے ہیں:

'' ثم اعلم ان الانبياء لم يعلموا المغيبات من الاشياء الا ما اعلمهم الله تعالى احيانا، وذكر الحنفية تصريحا بالتكفير باعتقاد ان النبى صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب ، لمعارضة قوله تعالى: ﴿ قل لايعلم من فى السموات والارض الغيب الا الله ﴾ انتهى''۔[2]

یعنی انبیاء علیہم السلام تمام مغیبات کو نہیں جانتے، مگر جتنی کہ خداوند تعالی نے انہیں بتادی ہیں، اور حنفیہ نے تو اس کی تصریح کردی ہے کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ حضور مقبول ﷺ عالم الغیب تھے وہ کافر ہے، کیونکہ اس کا یہ عقیدہ صریح نص قرآنی ﴿ قل لايعلم من فى السموات والارض الغيب الا الله ﴾ کے مخالف ہے اور اس کا انکار ہے، اور نص قرآنی کا انکار کفر ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ اپنی کتاب ''شفا'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''واما ما يعتقد فى امور احكام البشر الجارية على يديه' وقضاياهم ، ومعرفة المحق من المبطل ، وعلم المفسد من المصلح ، فبهذه السبيل ، لقوله عليه السلام : '' انما انا بشر ، وانكم تختصمون الىّ ، ولعل بعضكم ان يكون الحن بحجته '' الخ الى ان قال '' فانه تعالى لو شاء لاطلعه على سرائر عباده و منحبات ضمائر امته '' الى

---

[1] ......بخاری ص ۵۹۶ ج ۲، باب حديث الافک ، كتاب المغازى۔

[2] ......شرح فقہ اکبر ص ۲۲۵، دار الکتب العلمیۃ۔

ان قال : ” وطیّ ذلک من علم الغیب الذی یستأثر به عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه احدا الا من ارتضی به من رسول فیعلم منه ما شاء ، ویستأثر بما شاء ، ولا یقدح هذا فی ثبوته ، ولا یعصم عروة من عصمته “ انتهی۔ ۱

ہاں ! اس میں شک نہیں کہ حضور ﷺ علم ذات وصفات ومعرفت الٰہی میں کامل واکمل اور تمام باتوں کے عالم تھے اور یہی مطلب فرمان: ” فعلمت علم الاولین وا لآخرین “ کا ہے۔ اور اسی کے متعلق حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

” ووے ﷺ داناست بر ہمہ چیز از شیونات ذات الٰہی واحکام وصفات حق و اسمائے وافعال وآثار وبجمیع علوم ظاہر وباطن واول وآخر احاطہ نمودہ است ومصداق فوق کل ذی علم علیم شدہ “ ۔ ۲

یعنی وہ علوم صفات باری جو احاطہ بشری میں آسکتے ہیں اور دوسرے انبیاء اس سے ناواقف تھے، آپ ﷺ واقف تھے نہ کہ عالم الغیب تھے، ارشاد: ” علمت ما فی السموات والارض “ کا مطلب بھی یہی ہے۔

( کفایت المفتی ص ۳۴۱ ج ۱، مطبوعہ: ادارۃ الفاروق کراچی )

## مولانا احمد رضا خان صاحب کا علم غیب کے بارے میں نظریہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان صاحب کا علم غیب کے بارے میں کیا نظریہ ہے اس کو بھی بیان کر دیا جائے۔ موصوف لکھتے ہیں:

علم غیب عطا ہونا اور لفظ عالم الغیب کا اطلاق اور بعض اجلہ اکابر کے کلام میں اگر چہ

---

۱ ...... شفاء ص ۱۹۲ ج ۲، القسم الثالث ، الباب الثانی ، الفصل الرابع ، احکام البشر الجاریة علی یدیه۔

۲ ...... مدراج النبوۃ، مقدمہ ص ۳۔

بندہ مومن کی نسبت صریح لفظ ''یعلم الغیب '' وارد ہے ''کما فی مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح للملا علی القاری '' بلکہ خود حدیث سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما میں سیدنا خضر علیہ الصلوۃ والسلام کی نسبت ارشاد ہے: ''کان یعلم علم الغیب '' مگر ہماری تحقیق میں لفظ عالم الغیب کا اطلاق حضرت عزت عز وجلا کے ساتھ خاص ہے کہ اس سے عرفاً علم بالذات متبادر ہے۔ ''کشاف'' میں ہے: '' المراد به الخفی الذی لا ینفذ فیه ابتداء الا علم اللطیف الخبیر ولهذا لا یجوز ان یطلق فیقال فلان یعلم الغیب '' (غیب سے مراد وہ پوشیدہ چیز ہے، جس میں ابتداء صرف اللہ تعالی کا علم نافذ ہوتا ہے، اس لئے مطلقاً یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فلاں شخص غیب کو جانتا ہے)۔

اور اس سے انکار معنی لازم نہیں آتا۔ حضور اقدس ﷺ قطعاً بے شمار غیوب و ما کان و ما یکون کے عالم ہیں، مگر عالم الغیب صرف اللہ عز وجل کو کہا جائے گا، جس طرح حضور اقدس ﷺ قطعاً عزت و جالت والے ہیں، تمام عالم میں ان کے برابر کوئی عزیز و جلیل نہ ہے نہ ہوسکتا ہے، مگر محمد عز وجل کہنا جائز نہیں بلکہ اللہ عز وجل و محمد ﷺ۔ غرض صدق وصورت معنی کو جواز اطلاق لفظ لازم نہیں نہ منع اطلاق لفظ کو نفی صحت معنی۔ امام ابن المنیر اسکندری ''کتاب الانتصاب'' میں فرماتے ہیں: ''کم من معتقد لا یطلق القول به خشية ایهام غیره مما لا یجوز اعتقاده فلا ربط بین الاعتقاد والاطلاق '' کتنے عقائد ایسے ہیں جن کا مطلقاً قول نہیں کیا جاتا، مبادا ان کے غیر کا وہم کیا جائے، جن کا اعتقاد جائز نہیں ہے، اس لئے کسی چیز کا اعتقاد رکھنے اور اس کا اطلاق کرنے میں کوئی تلازم نہیں ہے۔

یہ سب اس صورت میں ہے کہ مقید بقید اطلاق کیا جائے یا بلا قید علی الاطلاق، مثلاً عالم الغیب یا عالم الغیب علی الاطلاق اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ بالواسطہ یا بالعطاء کی تصریح کردی

جائے تو وہ محذور نہیں کہ ایہام زائل اور مراد حاصل۔

علامہ سید شریف قدس سرہٗ: ''حواشی کشاف'' میں فرماتے ہیں: ''وانما لم یجز الاطلاق فی غیرہ تعالی لانہ یتبادر منہ تعلق علم بہ ابتداء فیکون مناقضا و اما اذا قید وقیل اعلمہ اللہ تعالی الغیب او اطلعہ علیہ فلا محذور فیہ ''اللہ تعالی کے غیر کے لئے علم غیب کا اطلاق کرنا اس لئے جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ علم کا تعلق ابتداء ہے، تو یہ قرآن مجید کے خلاف ہو جائے گا، لیکن جب اس کو مقید کیا جائے اور یوں کہا جائے کہ اس کو اللہ تعالی نے غیب کی خبر دی ہے یا اس کو غیب پر مطلع فرمایا ہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(حاشیہ کشاف بر کشاف ج ۱ ص ۱۲۸، مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہٗ مصر ۱۳۸۵ھ۔ فتاوی رضویہ ج ۹ ص ۸۱، مطبوعہ دار العلوم امجدیہ، کراچی)

نیز فرماتے ہیں: علم مافی غد (کل کا علم) کے بارہ میں ام المومنین کا قول ہے کہ جو یہ کہے کہ حضور کو علم مافی غد تھا (کل کا علم تھا) وہ جھوٹا ہے۔ اس سے مطلق علم کا انکار نکالنا محض جہالت ہے۔ علم جبکہ مطلق بولا جائے خصوصا جبکہ غیب کی خبر کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔ اس کی تصریح ''حاشیہ کشاف'' پر میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے کر دی ہے اور یہ یقیناً حق ہے کہ کوئی شخص مخلوق کے لئے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے' یقیناً کافر ہے۔ (ملفوظات ج ۳ ص ۳۴، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی)

ایک اور جگہ موصوف لکھتے ہیں:

کسی علم کی حضرت عزوجل سے تخصیص اور اس کی ذات پاک میں حصر اور اس کے غیر سے مطلقا نفی چند وجہ پر ہے:

(اول): علم کا ذاتی ہونا کہ بذات خود بے عطائے غیر ہو۔

(دوم): علم کا غنا کہ کسی آلہ جارحہ وتدبیر فکر والتفات وانفعال کا اصلاً محتاج نہ وہ۔

(سوم): علم کا سرمدی ہونا کہ ازلاً ابداً ہو۔

(چہارم): علم کا وجوب کہ کسی طرح اس کا سلب ممکن نہ ہو۔

(پنجم): علم اکا اثبات واستمرار کہ کبھی کسی وجہ سے اس میں تغیر' تبدل' فرق اور تفاوت کا امکان نہ ہو۔

(ششم): علم کا اقصی غایات کمالات پر ہونا کہ معلوم کی ذات' ذاتیات' اعراض' احوال لازمہ' مفارقہ' ذاتیہ' اضافیہ' ماضیہ' آتیہ (مستقبلہ) موجودہ' ممکنہ سے کوئی ذرہ کسی وجہ پر مخفی نہ ہو سکے۔

ان چھ وجوہ پر مطلق علم حضرت احدیت جل وعلا سے خاص اور اس کے غیر سے مطلقا منفی، یعنی کسی کو کسی ذرہ کا ایسا علم' جو ان چھ وجوہ سے ایک وجہ بھی رکھتا ہو حاصل ہونا ممکن نہیں، جو کسی غیر الہی کے لئے عقول مفارقہ ہوں' خواہ نفوس ناطقہ ایک ذرے کا ایسا علم ثابت کرے، یقیناً اجماعا کافر مشرک ہے۔

(الصمام ص ۴۔ فتاوی رضویہ ج ۲۶ ص ۴۷۱، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

نیز لکھتے ہیں:

میں نے اپنی کتابوں میں تصریح کردی ہے کہ اگر تمام اولین وآخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علم الہی سے وہ نسبت ہرگز نہیں ہوسکتی جو ایک قطرہ کے کروڑویں حصہ کو سمندر سے ہے، کیونکہ یہ نسبت متناہی کی متناہی کے ساتھ ہے اور وہ غیر متناہی کی متناہی سے۔ (الملفوظ ج ۱ ص ۴۶، نوری کتب خانہ لاہور)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''لانقول بمساواة علم الله تعالى ولا بحصوله بالاستقلال ولا نثبت بعطاء الله تعالى ايضا الا البعض ،لكن بون بين البعض والبعض كالفرق بين السماء والارض ، بل اعظم و اكثر ، والله اكبر''۔

(الدولة المكية بالمادة الغيبية ص ۶۹، مرکز اہل سنت برکات رضا، ہند)

ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ کا علم اللہ تعالی کے علم کے مساوی ہے، اور نہ یہ کہتے ہیں کہ آپ کا علم مستقل ہے، اور ہم اللہ تعالی کی عطا سے بھی صرف بعض علوم ثابت رکھتے ہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ کے بعض علوم میں اور مخلوق کے بعض علوم میں آسمان اور زمین کی مثل فرق ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ عظیم اور کثیر ہے اور اللہ سب سے بڑا ہے۔

(نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری ص ۲۷۳ ج ۱، فرید بک سٹال، لاہور)

مکتب بریلوی کے ایک مشہور عالم شارح مسلم و بخاری' علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے شرح مسلم (ص ۱۱۱ ج ۵) میں اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کے بعد لکھا کہ:

''خلاصہ یہ کہ اللہ تعالی اس غیب مطلق کے ساتھ منفرد ہے، جو جمیع معلومات کے ساتھ متعلق ہے، اور اللہ تعالی وحی کے ذریعہ اپنے رسولوں کو ان بعض علوم غیبیہ پر مطلع فرماتا ہے' جو رسالت کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں''۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے اس شرح پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:

''اگر فاضل مؤلف کے تمام اہل مسلک اس پر متفق ہو جائیں تو اس سنگین مسئلہ میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔ (ماہنامہ ''البلاغ'' ص ۵۵، جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ نومبر ۱۹۹۵ء)

# پیش لفظ

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده ونصلى على رسوله الكريم

آج سے بہتر (۷۲) سال پہلے حضرت مولانا عبدالحی مرحوم نے اس رسالہ کوتحریر فرمایا، اس وقت مولانا تحریر فرماتے ہیں:

''گوتحریر کیسی ہی سراپا حق اور صائب ہومگر مخالف خود کسی دعویٰ کا اثبات اس طور سے کرتا ہے کہ انجام میں حق کا خون ہوجاتا ہے''۔

بنا بریں حضرت مولانا نے نہایت ہی ضابطہ میں رہ کر بصد اصرار مجبوراً رسالۂ ہٰذا کو مرتب فرمایا، اور اظہار فرمادیا کہ کسی کی دل شکنی نہیں، اور کسی کے دامن عزت کو غبار مذلت سے آلودہ کرنا نہیں۔ مقصود بالذات حقائق کا اظہار ہے۔

اسی پہلو کے پیش نظر رسالۂ ہٰذا کو''ادارہ شعبۂ اشاعت کتب'' کی جانب سے جناب حافظ الحاج موسیٰ سلیمان بلبلیہ لاجپوری سورتی صاحب کے تعاون خاص سے اہل ذوق کے لئے گجراتی عالم کی''خدمت علمیہ'' میں اوراضافہ کررہے ہیں۔ فی زمانہ رسالۂ ہٰذا کے عنوان پر عوام میں زیادہ چون وچرا نہیں ہے۔ مگر علماء گجرات کے علمی نوادرات کو ازسرنو شائع کرکے آج کی نسلوں کو اس سے واقف کراکر اور تصنیفی ذوق پیدا کرنا ہے۔ تاکہ مستقبل قریب میں علوم نبویہ ﷺ کی اپنے دور کے مطابق اشاعت کرنے میں پوری سعی کریں۔

ہمارے اکابرین نے اپنے دور کے حالات کے پیش نظر علومِ نبویہ ﷺ پر جو قلم اٹھا کر اپنا فرض منصبی ادا کیا، آج کے جدید تقاضوں اور رونما ہونے والے لرزہ خیز واقعات پر ہمارے نوجوان علماء کو علوم نبویہ ﷺ کی اشاعت اس دور کے اور ہمارے ماحول کے

ماتحت ازبس ضروری ہے۔

یہ رسالہ ہمارے اشاعتی سلسلہ کا نمبر: ۱۶؍ ہے۔ ہم ان سب معاونین کرام کے تہہ دل سے مشکور ہیں جو وقتاً فوقتاً ہماری معروضات پر لبیک کہتے ہیں۔ ان میں سے خاص کر کے جناب حاجی ابراہیم صالح اصوات صاحب جو ہمارے ادارہ کے روح رواں ہیں۔ اللہ جل شانہ ان تمام حضرات کو اجر عظیم سے نوازے، اور ان کے مال ومتاع میں مزید برکت عنایت فرمائے۔

العاصی: عبدالحی بن مولوی حکیم سلیمان غفرلہ، کفلیتوی
خادم مدرسہ اسلامیہ کفلیتہ، ضلع سورت (گجرات)
۲۱؍ شوال المکرّم ۱۳۸۹ھ

# نضرة النعيم

## فی علم غیب النبی الکریم وبروزہ من قبرہ الفخیم

### مع ترجمہ الموسومة

# بالفیض العمیم

رسول اللہ ﷺ کو علم غیب کلی حاصل تھا یا نہیں ، یہ مسئلہ بریلوی مکتب فکر اور اہل سنت والجماعت کے درمیان بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس کتاب میں اس مسئلہ پر قرآن وحدیث اور اکابر امت کی کتابوں سے تفصیلی وتحقیقی کلام کیا گیا ہے۔

از: حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ

## مقدمه

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد للّٰه الّذى لايحيط احد بشئ من علمه الا بما شآء ، ولا يظهر على غيبه احدا الا من ارتضى من رسول والانبيآء ، والصلوٰة والسلام على من تجلى له ما فى الارض والسماء ، وزويت له الارض من المشرق الى المغرب بلا امتراء ، كما شهدت له الأثار والالبآء ، سيدنا محمد الذى جاء نا بالملة الحنيفية الغراء ، وعلٰى اٰله وأصحابه الذين خضعوا رقابهم لما نزل عليه من القبة الخضراء ، الٰى يوم تنكشف فيه حقائق الاشياء ،

وبعد ! فيقول الحقير الفقير ' الى شاٰبيب رحمة اللّٰه الغنى الكبير ' محمد

---

## مقدمہ......غرض تصنیف

سب تعریف اللہ سبحانہ ہی کو ہے کہ اس کی کسی معلومات کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا ہے، مگر جس قدر کہ اس نے چاہا۔ اور وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے پسندیدہ رسول اور انبیاء کے۔ اور کامل رحمت اور سلام نازل ہوں اس شخص پر کہ منکشف ہوگئیں اس پر اشیاء زمین اور آسمان کی، اور بلا شک اس کے لئے مشرق سے مغرب تک زمین طے کی گئی، چنانچہ اس کے لئے احادیث اور اخبار شاہد ہیں، مبارک نام ان کا محمد ﷺ ہے، جو ہمارے لئے دین حقانی روشن کو لائے۔ اور نیز ان کی آل اور اصحاب پر جنہوں نے اپنی گردنیں خم کی اس چیز کے لئے جو آپ پر آسمان سے نازل ہوتی تھی اس روز تک کہ اس میں سب حقیقت اشیاء کی ظاہر ہوگی۔

بعد اس کے حقیر محتاج اللہ بے پروا بزرگ کی باران رحمت کا محمد عبدالحی بن حافظ احمد

عبدالحئ بن الحافظ احمد السورتی وقاهما اللّٰه شر كل حاسد عَتِي ، انه قد قرع سمعي غير مرة ' وطرق اذني دون كرة ' مايتراٰی من النزاع بين الناس والشقاق، ان طائفة منهم زعمت ان محمداًصلى الله عليه وسلم الذي بعث لتمام مكارم الاخلاق، قد احاط علمه بجميع الغيب كلياته وجزئياته ، من دون إعلام اللّٰه واظهاره عليه وافاضته ، وكان دائرا فی سائر أقطار الارض حاضرًا فی كل مكان ، سائرا فی جميع أرجاء العبراء متمكنا بكل مكان فی كل اٰن ، وشدد النكير عليهم طائفة اخرى ' وشيد كل اركان قوله بما راى، فربما ازمعت الخوض فی تنقيح هٰذا المرام وتثبيته الا انه لم يتيسر لي ' فكل شئ مرهون بوقته ، فلما اراد اللّٰه تعالىٰ ان يبدو من يدى ماشآء منی' طرح عليّ كتاب صاحبه عن ذلک يسألنی فالجأنی حديث اللجام ان

---

سورتی' اللہ دونوں کو حاسد سرکش کی شرارت سے بچائے، گذارش کرتا ہے کہ بسا اوقات یہ نزاع میرے گوش زد ہوا کہ ایک فریق کا زعم ہے کہ محمد ﷺ جو تتمیم مکارم اخلاق کے لئے مبعوث ہوئے تھے' جمیع کلیات وجزئیات غیب پر آپ ﷺ کا علم حاوی تھا' بدون اس بات کے کہ اللہ سبحانہ آپ ﷺ کو اس پر مطلع کرے، اور آپ ﷺ پر اس کا فیضان فرماوے۔ اور نیز آپ ﷺ ہر وقت کل اقطار زمین میں دائر اور سائر ہیں، اور ہر وقت ہر ایک مکان میں آپ ﷺ متمکن ہیں۔ اور دوسرے فریق نے ان پر سخت انکار کیا۔ اور ہر ایک فریق نے اپنے قول کو خود رائی سے مضبوط کیا۔ بسا اوقات میں نے اس مرام کی تنقیح کے لئے خوض کرنا چاہا، مگر چونکہ ہر شئی اپنے وقت ہی پر منحصر ہے، اس لئے یہ امر مجھ کو میسر نہ ہوا، پس جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ میرے ہاتھ سے جو اس نے مجھ سے چاہا صادر ہو، ناگہاں میرے پاس ایک خط آیا کہ صاحب خط مجھ سے اسی کا سائل ہے، پس حدیث لجام نے مجھ کو مضطر کیا کہ اس مسئلہ میں جہاں تک ادراک پہنچے تیر نظر کو جولانی دی جائے، اور

اجيل فيه قداح النظر الى ماانتهٰى اليه علمي واحقق الحق فيه إلى مابلغ اليه فهمى، الا ان الطبع لقصور باعه يجمع بى ليعذر فسخرته بان الاستعانة من اللّٰه تعالىٰ يسهل ماتوعر والتوكل باللّٰه يذلل ما تعسرفا نقاد قسرا ، فتعرضت لجوابه فى فصلين متمنيا من اللّٰه تعالىٰ ثوابه يوم حساب الثقلين ، وسميته " نضرة النعيم فى علم غيب النبى الكريم وبروزه من قبره الفخيم " نسأل اللّٰه تعالىٰ ان يجعله فارقا بين الحق والباطل ، بفضله العميم وجوده الشامل ،

---

جہاں تک سمجھ پہنچے احقاق حق کیا جائے، لیکن طبیعت بوجہ قلت استطاعت کے سرکشی کرنے لگی، تاکہ معذور رکھی جائے، پس مسخر کیا میں نے اس کو کہ اللہ تعالیٰ سے استمداد کرنے سے مشکل آسان ہوجائے گی، اور اللہ پر توکل کرنے سے سختی حل ہوجائے گی، پس زبردستی سے وہ منقاد ہوئی۔ پس میں دو فصل میں اس کے جواب کے لئے متعرض ہوا، اس حال میں کہ قیامت میں اس کے ثواب ملنے کا اللہ سے آرزومند ہوں، اور اس کا نام میں نے "نضرة النعيم فى علم الغيب النبى الكريم وبروزه من قبره الفخيم " رکھا۔ اللہ تعالیٰ سے سوال ہے کہ اس کو حق و باطل میں فارق بنادے اپنے فضل عام اور بخشش تام سے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الفصل الاوّل

اعلم ان المحققين من اهل السنة ' كثرهم اللّٰه تعالىٰ ، قد بذلوا جهدهم وشقوا على انفسهم فى استخراج العقائد الحقة المنجية ' واستنباطها مما اوحىٰ الى محمد صلى الله عليه وسلم من الحضرة الالهية ، حتى انهم جعلوها منحازة مفرزة من العقائد الموبقة الزائغة ، واودعوها فى صفحات تاليفهم ' واثبتوها على ساحة تصانيفهم ، كانها لشدة بريقها ونهاية لمعانيها ' نجوم يهتدى بها من ركب سفينة النجاة وسلك سبيل السلام ، فجدير بنا ان نتخذها فحكا فى تنقيد هٰذه المسئلة التى كادت ان يبحث عنها ليتزحرج الغطاء عن وجه الحق ويتحصحص عن الباطل ،

---

# پہلی فصل

## محققین اہل سنت کسوٹی ہے حق و باطل کے پہچان کی

جان تو اے عزیز کہ محققین اہل سنت نے نہایت کوشش اور جاں فشانی کی محمد ﷺ کی جانب جو حضورِ خداوندی سے وحی کی گئی ،اس سے عقائد حقّہ نجات بخش کے استنباط میں، یہاں تک کہ انہوں نے ان کو عقائد کج جان بر سے ممتاز کیا ،اور صفحات تالیفات اور فضائے تصانیف میں ان کو نصب کیا، گویا کہ وہ عقائد بوجہ سخت چمک اور نہایت نورانیت کے ستارے ہیں کہ ان سے سوار کشتی نجات اور راہ رؤراہ سلامت و ہدایت پاتے ہیں۔ پس ہم کو لائق ہے کہ ان کو اس مسئلہ کی تنقید کے لئے جس سے بحث کی جائے گی کسوٹی فرض کریں، تاکہ روئے حق سے پردہ زائل ہو، اور حق باطل سے ممتاز ہو۔

فنقول : انهم قد اجمعوا على ان علمه تعالىٰ كان له صفة ازلية تنكشف المعلومات ' عند تعلقها بها موجودات كانت اومعدومات ' كليات كانت او جزئيات ، فهو تعالىٰ عالم لايعزب عنه مثقال ذرة فى الارض ولا فى السماء ' بل يعلم دبيب النملة السوداء ' على الصَّخرة الصمّاء ' فى الليلة الظلماء ' ويدرك حركة الذر فى جو الهواء ، ويعلم السر واخفى، ويطلع على هو اجس الضمائر وحركات الخواطر وخفيات السرائر بعلم قديم ازلي ، لم يزل به موصوفا فى ازل الأزال لا بعلم متجدد حاصل فى ذاته بالحلول والانتقال، ولايستبد بعلم الغيب الا هو العزيز المتعال ، كما قال اللّٰه تعالىٰ فيما انزل على محمد صلى الله عليه وسلم : ﴿ " قل لايعلم من فى السموات والارض الغيب الا اللّٰه ﴾

## علمِ اللہ تعالیٰ صفت ازلی ہے

پس ہم گذارش کرتے ہیں کہ محققین اہل سنت متفق ہیں کہ علم اللہ تعالیٰ کا اس کے لئے صفت ازلی ہے، جب اس کا تعلق معلومات سے ہوتا ہے تو معلومات خواہ موجود ہوں خواہ معدوم' کلی ہوں خواہ جزئی' اس پر منکشف ہوتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ صاحب علم ہے کہ اس پر مقدار ذرہ کے آسمان وزمین میں پوشیدہ نہیں ہے، بلکہ وہ ٹھوس پتھر پر اندھیری رات میں کالی چیونٹی کی آہٹ کو جانتا ہے، اور ذرہ کی حرکت کو ہوا میں دریافت کرتا ہے، اور بھید اور پوشیدہ بات کو جانتا ہے، اور خیالات دلی اور حرکات قلبی اور پوشیدہ بھید پر مطلع ہے، بذریعہ علم قدیم ازلی کے کہ اس سے ہمیشہ وہ متصف ہے، نہ بواسطہ علم حادث کے کہ اس کی ذات میں بوجہ حلول اور انتقال کے حاصل ہو اور غیب کے جاننے میں کوئی مستقل سوائے اس غالب برتر کے نہیں ہے، چنانچہ اسی نے قرآن میں جو محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے ارشاد کیا ہے کہ: کہہ دوا ے محمد ﷺ آسمان وزمین میں کوئی سوائے اللہ کے غیب کو نہیں جانتا ہے۔

ولا يخطر ببالک ان نبينا محمدا صلى الله عليه وسلم وسائر الانبياء عليهم السلام قد اخبروا بكثير من المغيبات كما ستطلع عليه فيما سيأتى ، ويشير اليه قوله تعالىٰ فى موضع اٰخر ﴿عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احدا الا من ارتضى من رسول﴾ الاٰية ، فكيف يصح الحصر ، بل حينئذٍ تتهافت الاٰيتان المتلوتان وتعارضان فيما بينهما ، لانک لو رجعت الى الوجدان الصحيح لا يغرب عليک ان هذا الحصر انما هو بوجوه ثلاثة :

الوجه الاول: انه كان باعتبار ان الله تعالىٰ يعلم الغيب من تلقاء نفسه ويستبد بنفسه فى علمه ليس هو يفتقر فيه الى غيره : واليه يشير قوله تعالىٰ ﴿قل لا يعلم من فى

## دوآیتوں میں تعارض

اے عزیز تیرے دل میں یہ خیال نہ گذرے کہ حضرت محمد ﷺ اور باقی انبیاء نے بہت سی مغیبات کی خبر دی، چنانچہ اس سے تو آگاہ ہوگا، اور نیز اسی کی جانب دوسرے مقام میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے کہ: وہ غیب کا جاننے والا ہے، وہ اپنے کو غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، مگر پسندیدہ رسول کو۔ پس آیہ سابقہ کا حصر کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی غیب کو نہیں جانتا کیسے صحیح ہوگا؟ بلکہ بناء علیہ دونوں آیتیں باہم متعارض ہوں گی، اس لئے کہ اگر تو ادراک صحیح کی طرف رجوع کرے گا، تو تجھ پر مخفی نہ رہے گی یہ بات کہ حصر تین وجہ سے ہے:

## حصر کی تین وجوہات

پہلی وجہ یہ ہے کہ: یہ حصر بلحاظ اس امر کے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی غیب کو بذات خود جانتا ہے، اس کے جاننے میں وہی مستقل ہے، کسی کی طرف محتاج نہیں، اور اسی کی طرف آیت ﴿قل لا يعلم من فى السموات والارض﴾ کا اشارہ ہے، بخلاف انبیائے عظام اور اولیائے

السمٰوات والارض الغيب الا الله ﴾ بخلاف الانبياء واولياء امتهم ، فانهم اطلعوا على ما اطلعوا عليه من الغيب باعلام الله لهم واظهارهم عليه ، فهم لايستبدون فى علم الغيب ، بل هم فيه كدأب ذواتهم وسائر صفاتهم مفتقرون اليه تعالىٰ ، والى هٰذا اشار قوله تعالىٰ ﴿ عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احدا الا من ارتضى من رسول ﴾

وتفصيله على ما افادحجة الاسلام فى الاحياء : إن العلوم التى ليست ضرورية ' وانما تحصل في بعض الاحوال ' يختلف الحال فى حصولها ، فتارة تهجم على القلب ، كانه ألقي فيه من حيث لايدرى ، وتارة تكتسب بطريق الاستدلال والتعلم ، فالذى يحصل لابطريق الاكتساب وحيلة الدليل يسمى الهاما ، والذى يحصل

---

کرام کے کہ وہ جس غیب پر مطلع ہیں اللہ کے معلوم کرانے اور اظہار سے، پس وہ غیب دانی میں مستقل نہیں ہوسکتے، بلکہ وہ غیب دانی میں مثل اپنی ذات اور باقی صفات کے اللہ تعالیٰ کی جانب محتاج ہیں، اوراسی کی جانب قول باری تعالیٰ ''عالم الغیب'' الآیة، کا اشارہ ہے۔

## الہام واعتبار واستبصار کی تعریف

اور تفصیل اس امر کی کہ انبیاء وغیرہ غیب دانی میں اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج تھے مطابق ارشاد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ''احیاء العلوم'' میں یہ ہے کہ: جو علوم کہ بدیہی نہیں ہیں، اور بعض اوقات میں وہ حاصل ہوتے ہیں، ان کے حصول کے مختلف طریقے ہیں، پس کبھی وہ دل پر ہجوم اس طور سے کرتے ہیں کہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا القا کہاں سے ہوتا ہے؟ اور کبھی ان کی تحصیل بطریق استدلال وتعلم کے کی جاتی ہے۔ پس جو علم کہ بطریق استدلال حاصل نہیں ہوتا ہے اس کو الہام کہتے ہیں۔ اور جو علم بذریعہ استدلال کے حاصل ہوتا ہے

بالاستدلال يسمى اعتبارًا واستبصاراً ،

ثـم الـواقع فى القلب بغير حيلة وتعلم واجتهاد من العبد ينقسم الى ما لا يدرى العبـد انه كيف حصل له ‘ ومن اين حصل ؟ والى ما يطلع معه على السبب الذى منه استفاد ذلک العلم ، وهو مشاهدة الملک الملقى فى القلب، والاول يسمى الهامًا ونفثًا فى الروع، والثانى يسمى وحيا، ويختص به الانبياء، والاول يختص به الاولياء والاصفياء ، والذى قبله وهو المكتسب بطريق الاستدلال يختص به العلماء ،

وحـقيـقة الـقـول فيـه ان القلب مستعد لان تنجلى فيه حقيقة الحق فى الاشياء كـلهـا، وانـما حيل بينه وبينها بالاسباب الخمسة التى سبق ذكرها، فهي كالحجاب الـمسـدل الحائل بين مراة القلب وبين اللوح المحفوظ الذى هو منقوش بجميع ما

---

اس کا نام اعتبار اور استبصار ہے۔

## الہام ونفث فی الروح اور وحی

پھر جو علم کہ بدون حیلۂ دلیل وتعلم اور بندہ کے اجتہاد کے دل میں واقع ہوتا ہے وہ دو قسم پر ہے: ایک وہ ہے کہ بندہ نہیں جانتا کہ وہ کس طور سے اس کو اور کہاں سے حاصل ہوا۔ اور دوسرا وہ ہے کہ اس کا سبب کہ جس سے وہ حاصل ہوا معلوم ہو، اور وہ سبب فرشتہ جو دل میں القاء کرتا ہے، اس کا مشاہدہ ہے۔ اول کا نام الہام اور نفث فی الروح ہے اور ثانی کا نام وحی ہے۔ اور ثانی کے ساتھ انبیاء مختص ہیں اور اول کے ساتھ اولیاء اور اصفیاء۔ اور جو علم بطریق استدلال حاصل ہو اس سے علماء مختص ہیں۔

اور حقیقت اس قول کی یہ ہے کہ قلب میں استعداد ہے کہ حقیقت حق کی جو کل اشیاء میں ہے اس پر منکشف ہو، مگر قلب اور حقیقت مذکورہ کے درمیان اسباب خمسہ سابقۃ الذکر حائل ہیں، اس لئے کہ وہ درمیان آئینہ دل اور لوح محفوظ کے جو منقوش ہے تمام اشیاء سے جو

قضى اللّٰه به الى يوم القيمة، وتجلى حقائق العلوم من مراٰة اللوح في مراٰة القلب يضاهي انطباع صورة من مراة في مراٰة تقابلها ، والحجاب بين المراٰتين تارة يزول باليد ، واخرى يزول بهبوب الرياح ، وكذلک قد تهب رياح الالطاف وتنكشف الحجب عن اعين القلوب ، يتجلى فيها بعض ماهو مسطور فى اللوح المحفوظ، ويكون ذلک تارة عند المنام فيعلم به ما يكون فى المستقبل ، وتمام ارتفاع الحجاب بالموت فيه ينكشف الغطاء ، وينكشف ايضا فى اليقظة حتى يرتفع الحجاب بلطف خفي من اللّٰه تعالىٰ ، فيلمع فى القلوب من وراء ستر الغيب شئ من غرائب العلم تارة كا لبرق الخاطف واخرى على التوالى الى حدٍ مَّا ودوامه فى غاية الندور ، فلم يفارق الالهام الاكتساب في نفس العلم ولا فى محله ولا فى سببه ، ولكن يفارقه من جهة زوال الحجاب ، فان ذلک ليس باختيار العبد ، ولم يفارق

قیامت تک اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا ہے مانند پردے کے حائل ہیں، اور انکشاف علوم آئینہ لوح محفوظ سے جو آئینۂ دل میں ہوتا ہے وہ مشابہ ہے اس کے کہ دو آئینے باہم مقابل ہوں اور ایک کی صورت دوسرے میں منطبع ہو، یہ پردہ جو درمیان دونوں آئینے کے ہے کبھی تو اٹھ جاتا ہے ہاتھ سے، اور کبھی رفتار ہوا سے، اسی طرح سے لطافِ ایزدی کی کبھی ہوا چلتی ہے تو چشمِ دل پر جو حجاب ہوتا ہے وہ ہٹ جاتا ہے۔ پس بعض چیزیں جو لوحِ محفوظ میں مرقوم ہوتی ہے وہ دل پر منکشف ہوجاتی ہیں، اور ارتفاع حجاب گاہے بوقت خواب ہوتا ہے، پس اس سے آئندہ چیز معلوم ہوتی ہے، مگر حجاب بالکل موت ہی سے دور ہوجاتا ہے، اور بیداری میں کبھی اللہ تعالیٰ کی عنایت سے پردہ دور ہوجاتا ہے، پس ماورائے غیب سے نادر علم دل پر کبھی مثل بجلی کے اور کبھی پے در پے کسی حد تک چمکتے ہیں، مگر اس کی ہمیشگی نہایت ہی نادر ہے۔ پس الہام اور اکتساب میں نفس علم اور محل علم اور سبب علم میں کچھ فرق نہیں ہے۔

الوحی الالهام في شئ من ذالک ، بل في مشاهدة الملک المفيد للعلم ، فان العلم انـما يحصل في قلوبنا بواسطة الملائکة واليه الاشارة بقوله تعالیٰ : ﴿ وماکان لبشر ان يکـلـمـه اللّٰه الا وحيا اومن وراء حجاب او يرسل رسولا فيوحی باذنه مايشاء ﴾ فلأنبياء والاولياء انکشف لهم الامر وفاض علی صدورهم النور لا بالتعلم والدراسة والـکتـابة لـلـکتـب ، بـل بـالـزهد فی الدنيا والتبری عن علائقها وتفريغ القلب من شواغلها والاقبال بکنه الهمة علی اللّٰه تعالیٰ " فمن کان للّٰه کان اللّٰه له " اقول يؤيده قـول الـلّٰـه تعالیٰ : ﴿ والذين جاهدوا فينا لنهدينهم سبلنا ﴾ فان المجاهدة فی ابتغاء مرضاة اللّٰه تعالیٰ واستحصال تقربه بترک السيئات وهجر الشهوات والاقبال بکنه

---

ہاں فرق ہے تو زوال حجاب میں ہے، اس لئے کہ وہ بندے کے اختیار میں نہیں ہے۔ اور وحی اور الہام میں کچھ فرق نہیں ہے، فقط فرق فرشتہ جو علم کو القاء کرتا ہے اس کے مشاہدے میں ہے، اس لئے کہ ہم کو جو علم کہ خواہ بذریعہ الہام کے حاصل ہو یا استدلال کے، بواسطہ فرشتہ ہی کے حاصل ہوتا ہے، اور اسی کی جانب اشارہ ہے اس قول خدائے تعالیٰ کا کہ ’’نہیں ہے کسی بشر کو طاقت کہ اللہ سے گفتگو کرے مگر بذریعہ وحی‘‘ یعنی الہام کے یا پردے سے یا بواسطہ ارسال فرشتہ کے پس وہ وحی لاتا ہے رسول کے پاس اسی کے حکم سے جس قدر چاہے۔ پس انبیاء اور اولیاء پر منکشف ہوئی چیزیں اور ان کے سینے میں فیضان نور کا ہوا، لیکن نہ بذریعہ تعلم اور کتابت کتب کے، بلکہ اعراض دنیا اور اس کے تعلقات کو ترک کرنے سے، اور اس کے اشغال سے دل کو فارغ کرنے سے، اور سراسر اللہ کی جانب توجہ کرنے سے۔ دستور ہے ’’جو شخص اللہ کا ہو رہے گا اللہ بھی اس کا ہو جائے گا‘‘ کہتا ہوں میں کہ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کی یہ فرمودہ کرتا ہے کہ ’’جو لوگ کہ ہمارے راستے دریافت کرنے میں سعی اور ریاضت کرتے ہیں ان کو ہم اپنے راستے کی ہدایت کریں گے‘‘ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی

الهمة على سائر وجوه البر تستجر صاحبها الى فراسة يقذفها اللّٰه من تلقائه في قلبه لنقائه من الصدأ وصفائه من الظلمات الحوالک حتى انه ينظر بنور اللّٰه عز مجده، فيصادفه سبيله، قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: ((اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور اللّٰه)) رواه الطبرانی والترمذی، وابن جرير فی تفسيره بزيادة "وينطق بتوفيق اللّٰه"۔

قال ابو القاسم القشیریؒ فی رسالته: ان الفراسة سواطع انوار لمعت وتمكين معرفة حملت السرائر فی الغيوب من غيب الى غيب، حتى يشهد الاشياء من حيث اشهده الحق سبحانه اياها، فيتكلم على ضمير الخلق،

---

خوشنودی اور تقرب حاصل کرنے کے واسطے اپنے نفس سے جہاد کرنا ترک معاصی اور شہوات کے لئے اور سراسر وجوہ نیکی کی جانب توجہ کرنے کے لئے کشش کرتا ہے صاحب جہاد کو بجانب فراست کے کہ اس کو اللہ تعالیٰ اپنی جانب سے اس کے دل میں، چونکہ وہ کدورت اور اندھیری گناہ سے صاف ہے ڈالتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ ہی کے نور سے دیکھتا ہے پس اس کے راستے کو پالیتا ہے۔

## مؤمن کی فراست سے ڈرو۔ فراست کس کو کہتے ہیں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: مؤمن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس حدیث کو طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مگر اس نے زیادہ کیا ہے کہ وہ بولتا بھی ہے اللہ کی توفیق سے۔

ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ میں بیان کیا ہے کہ: فراست انوارِ درخشندہ اور معرفت کا نام ہے کہ وہ روح کو ایک غیب سے دوسرے غیب کی طرف لے جاتی ہے، یہاں تک کہ بہت سی چیزوں کا بندہ مشاہدہ کرتا ہے جس طور سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو

روی الطبرانی وابونعیم عن الحارث بن مالک الانصاری قال : مررت بالنبی صلی الله علیه وسلم فقال : کیف اصبحت یاحارث ؟ قلت : اصبحت مؤمنا حقا ، فقال : انظر ماتقول ! فان لکل شئ حقیقة ، وما حقیقة ایمانک ؟ قلت : قد عزفت نفسی عن الدنیا ' واسهرت لذٰلک لیلي ' واظمأت نهاری ' وکأنّی انظر الٰی عرش ربی ' وکأنّی انظر الی اهل الجنة یتزاورون فیها ' وکانی انظر الی اهل النار یتضاغون ' وفی روایة " یتعاوون فیها "

ومن ثم قال رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم : (( لقد کان فیما قبلکم من الامر

---

مشاہدہ کرایا، پس وہ مخلوق کے راز کو بیان کر دیتا ہے۔

## حارث بن مالک رضی اللہ عنہ کا ایمان

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اور ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حارث ابن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ:

میرا مرور نبی ﷺ کے پاس ہوا تب آپ ﷺ نے فرمایا: اے حارث کس طرح سے تو نے صبح کی؟ میں نے عرض کیا: صبح کی میں نے اس حالت میں کہ میں مؤمن حق ہوں، پس آ ﷺ نے فرمایا کہ: دیکھ کیا کہتا ہے تو؟ ہر شئے کے واسطے حقیقت ہے، تیرے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ میں نے عرض کیا میں نے دنیا سے اپنے نفس کو پہچانا، اس لئے میں رات کو بیداری کرتا ہوں، اور دن کو پیاسا رہتا ہوں، اور گویا کہ میں رات کو بیداری کرتا ہوں اور دن کو پیاسا رہتا ہوں، اور گویا کہ میں اہل جنت کو دیکھتا ہوں کہ آپس میں زیارت کرتے ہیں، اور گویا کہ دیکھتا ہوں میں اہل جہنم کو کہ وہ چلاتے ہیں۔

محدثون فان یک في امتي احد فانه عمر )) رواه الشيخان عن ابی هريرة ، لانه رضي اللّٰه تعالیٰ كان مجاهدا بالكفار بالقتال والطحان ' وبالنفس بالتوقی عن زخارف الدنيا ولذائذها ' ومتشمراً للاقبال على الخيرات ' حتى القي فی قلبه السني فراسة وضيئة يخبر بها اشياء ربما نزل الوحی على حسبها ،

روی الشيخان عن انس وابن عمر ان عمر قال : " وافقت ربّی فی ثلاث : فقلت : يا رسول اللّٰه ! لواتحذنا من مقام ابراهيم مصلی فنزلت ﴿ واتخذوا من مقام ابراهيم مصلی ﴾ وقلت : يا رسول اللّٰه ! يدخل على نسائک البر والفاجر ، فلو امرتهن يحتجبن ، فنزلت اٰية الحجاب ، واجتمع نساء النبي صلی الله عليه وسلم فی

## میری امت کے صاحب الہام عمر (رضی اللہ عنہ) ہیں، اور آپ کی فراست

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: بلاشک اگلی امتوں میں صاحب الہام تھے اگر اس امت میں کوئی ہے تو عمر رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ اس حدیث کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ و مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کافروں سے بذریعہ قتال اور نیزہ بازی کے جہاد کرتے تھے، اور نفس سے بواسطہ اجتناب آرائش اور لذات دنیا کے جہاد کرتے تھے، اور نیکی کے واسطے ہمیشہ مستعد رہتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے قلب منور پر فراست عمدہ ڈالی گئی کہ بواسطہ اس کے آپ بہت اشیاء کی خبر دیتے تھے کہ بسا اوقات وہ وحی سے موافق ہو جاتی تھی۔

شیخین رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت انس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں اپنے رب سے تین چیزوں میں موافق ہوا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کاش بناتے ہم مقام ابراہیم کو مصلی، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ "بناؤ تم مقام ابراہیم کو مصلیٰ"، اور عرض کیا میں نے یا رسول اللہ! آپ کی بیبیوں کے پاس نیک و بد آتے

الغيرة ، فقلت : عسى ربه ان طلّقكنّ ان يبدله ازواجا خيرا منكن فنزلت كذالك“ وفى رواية لابن عمر” قال: قال عمر : وافقت ربّى في ثلاث : فى مقام ابراهيم ‘ وفي الحجاب ‘ وفى اُسارى بدر “

ولعلك تفطنت مما قدمت من العبارة المنساقة ان الانبياء عليهم السلام ومن اتبعهم من اولياء امتهم قد كانوا يعلمون الغيب ، لكن لا من عند انفسهم بل من عند ربهم بالقاء الملائكة ، وتكشف الحجاب الذى بينهم وبين اللوح المحفوظ، بيدان الانبياء حينئذ يشاهدون الملائكة دون الاولياء ،

فلا اظنك ان ترتاب فى الحصر الذى وقع فى الأية الاولىٰ وعدم المنافاة بينها وبين الأية الثانية ، ولا ان تقول : ان نبينا محمدا صلى الله عليه وسلم يعلم المغيبات

---

ہیں، کاش آپ ان کو پردہ کے لئے فرماتے، پس آیت حجاب نازل ہوئی، اور حضرت ﷺ کی ازواج متفق ہوئیں غیرت میں، پس میں نے کہا کہ: اگر حضرت ﷺ تمہیں طلاق دیں گےتو قریب ہے کہ ان کا رب ان کوعوض میں دے گا ایسی ازواج جوتم سے بہتر ہوں گی، پس اسی طور سے آیت بھی نازل ہوئی۔

شاید کہ تو نے اگلی عبارت سے جانا ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام...... جانتے تھے غیب کو، لیکن نہ بذات خود، بلکہ اللہ کی جانب سے بواسطۂ القائے فرشتوں کے، اور کشف حجاب کے جو درمیان ان کے اور لوح محفوظ کے واقع ہوتا ہے، مگر بوقت القا انبیاء فرشتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں نہ اولیائے کرام۔

## علم غیب کلی کا قائل ہدایت سے الگ ہے

پس میں تجھ پر گمان نہیں کرسکتا کہ تو شک کرے گا آیت سابقہ کے حصر میں اور درمیان

من عند نفسه لا من عند الله تعالیٰ والا فإنک شذذت عن سبيل الذين اهتدوا، وكدت ان تمزق في يد ذئب الضلال ، وذالک هو الخسران المبين ، كيف لا وقد اطرد ان مقتضى الذات لايتخلف عن الذات مادامت الذات موجودة ، وقال تعالیٰ : ﴿تلک من انباء الغيب نوحيها اليک ماكنت تعلمها انت ولاقومک من قبل هذا﴾

والوجه الثاني : ان ذالک الحصر قد كان باعتبار كليات الغيب دون جزئياته اعني ان المغيبات باسرها انما ينحصر علمها في الله تعالیٰ ، واما بعض منها فعلمه ليس بمنحصرا في الله تعالیٰ ، بل اثر الله تعالیٰ به خيار عباده المقربين ، فيعلمونه ويخبرون به كما اظهرهم الله عليه كما مر، ويشهد لما ذكرنا من الوجهين ما

---

اس آیت کے اور آیتِ ثانیہ کے عدم منافات میں۔ اور نیز تجھ پر گمان نہیں کرسکتا کہ تو کہے کہ حضرت ﷺ مغیبات کو بذات خود جانتے تھے نہ اللہ کی جانب سے، ورنہ تو ہدایت یافتہ لوگوں کے راستہ سے الگ ہوجائے گا، پس قریب ہے کہ تو بھیڑیئے ضلالت کے ہاتھ میں پھاڑا جاوے۔ اور یہ ٹوٹا ظاہر ہے کیوں نہ ہو خسارہ، حالانکہ کلیۃً یہ بات ثابت ہے کہ مقتضائے ذات سے جب تک کہ ذات موجود ہے متخلف نہیں ہوسکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: یہ اخبار غیب تمہاری جانب ہم وحی کرتے ہیں، ان کو نہ تم اور نہ تمہاری قوم اس سے پیشتر جانتی تھی۔

## انبیاء اور اولیاء کو اللہ تعالیٰ کے معلوم کرانے ہی سے علم حاصل ہوتا ہے

دوسری وجہ یہ ہے کہ: یہ حصر بلحاظ کلیات غیب کے ہے دون جزئیات کے، یعنی تمام مغیبات کا علم منحصر اللہ تعالیٰ ہی میں ہے، ہاں بعض مغیبات کا علم اللہ تعالیٰ میں منحصر نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے علم کو عنایت کیا ہے اپنے پسندیدہ مقرب بندوں کو، پس وہ اس کو

افادالعلامة ابن الحجر مكى فى فتاواه : " اعلم ان علم الانبياء والاولياء انما هو باعلام الله لهم وعلمنا بذالك انما هو باعلامهم لنا وهذاغير علم الله الذى تفرد به وهو صفة من صفاته القديمة الازلية الدائمة الابدية المنزهة عن التغير وسمات الحدوث والنقص المشاركة والانقسام، بل هو علم واحد علم به جميع المعلومات كلياتها وجزئياتها ' ماكان منها ومايكون ' او يجوز ان يكون ، ليس ببديهى ولا كسبى ولا حادث ، بخلاف علم سائر الخلق " اذا تقرر ذالك فعلم الله المذكور هو الذى تمدح به واخبر فى الأية بانه لايشاركه فيه احد" فلايعلم الغيب الا هو" ومن سواه ان علموا جزئيات منه فهو باعلامه واطلاعه لهم ، وحينئذ لايطلق انهم يعلمون الغيب اى بانفسهم ، اذ لاصفة لهم يقتدرون بها على الاستقلال بعلمه ،

جانتے ہیں اوراس کی خبر دیتے ہیں جیسا ان کواس پر مطلع اللہ تعالیٰ نے کیا ہے جیسا کہ گذرا، اور دونوں وجہوں مذکور کے لئے علامۂ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول جو ان کے فتاویٰ میں ہے شاہد ہے، جان تو علم انبیاء اوراولیاء کواللہ تعالیٰ کے معلوم کرانے ہی سے حاصل ہوتا ہے اوران کی معلومات کا علم ہم کو ان کے معلوم کرانے ہی سے حاصل ہوتا ہے، اور یہ علم جداگانہ ہے اس علم سے جو اللہ تعالیٰ ہی سے مختص ہے، وہ اللہ کی ایک صفت ہے منجملہ اس کی صفات ازلیہ ابدیہ کے جو تغیر اور حدوث اور نقصان اور شرکت اور انقسام سے پاک ہے، بلکہ وہ ایک یکتا علم ہے کہ بذریعہ اس کے اللہ تعالیٰ تمام کلیات اور جزئیات کو جو ہوچکیں اور ہوں گی اور جو ممکن ہے ہونا اس کا، وہ علم نہ بدیہی ہے اور نہ کسبی اور نہ حادث، بخلاف علم کل مخلوقات کے۔ جب ثابت ہوئی یہ بات پس اللہ کا علم جو مذکور ہوا وہی ہے کہ اس کے ساتھ وہ تعریف کیا گیا، اورآیت: "قل لا يعلم "میں خبردی گئی کہ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے پس وہی غیب کو جانتا ہے اور ماسوا اس کے اگر جزئیات غیب کو جانتے ہیں تو اسی کے اعلام اور

وايضاً هم ماعلموا وانما عُلِّموا وأيضاً هم ماعلموا غيبا مطلقا ، لان من اعلم بشئ منه يشاركه فيه الملائكة ونظرائه ممن اطلع، ثم اعلام اللّٰه تعالٰى للانبياء والاولياء ببعض الغيوب ممكن لايستلزم محالا بوجه، فانكار وقوعه عناد ومن البداهة انه لايؤدى الى مشاركتهم له تعالٰى فيما تفرد به من العلم الذى تمدح به واتصف به فى الازل ومالا يزال، وما ذكرناه فى الأية صرح به النووى فى فتاواه فقال : معناها لايعلم ذالك استقلالا وعلم احاطة بكل المعلومات الا اللّٰه ، واما المعجزات والكرامات فبإعلام اللّٰه لهم وكذا ماجرى باجراء العادة ،

والوجه الثالث : ان ذالك الحصر قد كان باعتبار المبادئ لانها مختصةٌ به تعالٰى

---

اطلاع سے، اور اب نہیں کہا جائے گا کہ ماسوا اللہ غیب کو جانتے ہیں، یعنی بذات خود اس لئے کہ ان میں ایسی صفت نہیں ہے کہ بوجہ اس کے وہ بالاستقلال علم غیب پر قادر ہوں، اور نیز انہوں نے جو جانا خود نہ جانا بلکہ معلوم کرانے سے جانا، اور نیز انہوں نے غیب مطلق کو نہ جانا، اس لئے کہ اس نے جس کو کوئی غیب معلوم کرایا تو وہ اس سے مختص نہیں ہے، بلکہ فرشتے اور مانند ان کے جو اس کو جانتے ہیں اس کے شریک ہیں، پھر انبیاء اور اولیاء کو اللہ کا بعض غیب سے آگاہ کرنا ممکن ہے جو کسی محال کو مستلزم نہیں ہے، پس اس کا انکار سراسر عناد ہے۔ اور یہ بدیہی بات ہے کہ یہ مؤدّی اس امر کی طرف نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ علم میں جو اس سے مختص ہے، اور اس سے ممدوح اور ہمیشہ اس سے متصف ہے شریک ہوں۔ اور جو چیز ہم نے اس آیت کی تفسیر میں ذکر کی اس کی تصریح امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں کی ہے کہ معنی آیت ’’قل لا یعلم ‘‘ الآیۃ، کے یہ ہیں کہ کوئی غیب کو بالاستقلال اور تمام معلومات کے علم کا احاطہ نہیں کرسکتا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اور معجزات اور کرامات جو انبیاء اور اولیاء سے صادر ہوتے ہیں سو اللہ کے معلوم کرانے سے۔

لابااللواحق لان بعض احباء اللّٰہ تعالیٰ قد يطلع عليها وقد صرح بذالک علي القاري في مرقاته: " أن للغيب مبادئ ولواحق، فمباديه لايطلع عليها ملک مقرب ولا نبی مرسل ، واما اللواحق فهو ماظهره اللّٰہ على بعض احبائه من لوحة علمه ، وخرج ذلک عن الغيب المطلق وصار غيبا اضافيا، وذلک اذا تنور الروح القدسية وازداد نوريتها واشراقها بالاعراض عن ظلمة عالم الحس وتخلية مرآة القلب عن صداد الطبيعة والمواظبة على العلم والعمل وفيضان الانوار الالهية حتى يقوى النور وينبسط فی فضاء قلبه فتنعکس فيه النقوش المرتسمة فی اللوح المحفوظ ويطلع على المغيبات ويتصرف فی اجسام العالم السفلی بل يتجلی حينئذ الفياض الاقدس

## مبادی غیب اللہ کے لئے خاص ہیں لواحق پر انبیاء واولیاء مطلع ہو سکتے ہیں

تیسری وجہ حصر کی یہ ہے کہ: یہ حصر بلحاظ مبادی کے ہے، اس لئے کہ مبادی غیب اللہ تعالیٰ ہی سے مختص ہیں، اور یہ حصر بلحاظ لواحق کے نہیں ہے، اس لئے کہ ان پر بعض احباب اللہ کے کبھی مطلع ہوتے ہیں۔ ملا علی قاری (رحمہ اللہ) نے ''مرقاۃ'' میں اس کی تصریح کی ہے کہ غیب کے لئے مبادی اور لواحق ہیں، مبادی غیب پر فرشتۂ مقرب اور نبیٔ مرسل بھی نہیں مطلع ہوتے، ہاں لواحق پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض احباب کو بانکشاف لوح علم مطلع کیا ہے، اور بسبب اس کے وہ غیب مطلق سے خارج ہو کہ غیب اضافی میں مندرج ہوتے ہیں، اور یہ اس وقت ہے کہ روح روشن ہو کہ اس کی نورانیت اور اشراق بڑھ جائے عالم حس کی ظلمت سے اعراض کرنے کے سبب، اور کدورت طبیعت سے آئینۂ دل کو صاف کرنے سے، اور علم وعمل پر دوام کرنے سے، اور فیضان انوار الٰہیہ سے، یہاں تک کہ نور قوی ہو کے فضاء قلب میں پھیل جاتا ہے، پس اس میں جو نقوش کہ لوح محفوظ میں منقوش ہیں منعکس ہوتے ہیں،

بمعرفته التی هی اشرف العطایافکیف بغیرها ‘‘

وکانک قد دریت مما ذکرت من الوجهین الاخیرین فی اثبات الحصران الانبیاء کما انهم لایستبدون فی علم الغیب ولا یعلمونه من دون اعلام اللّٰہ لهم ، کذلک لایستطیعون انهم یعلمون جمیع کلیات الغیب ومبادیه ، والا لبطل الحصر الذی ذکر فی الایة التی تبحث عنها ، فمن زعم بعد ماتبین له انه الحق ان نبینا محمدا صلی الله علیه وسلم قد کان یعلم جمیع کلیات الغیب و جزئیاته ومبادیه ‘ فقد التبس علیه تاویل تلک الاٰیة الذی قد افاده الثقات المحققون وعولوا علیه ، ولما کان هذا التأویل مما تطمئن به القلوب ویثلج به الصدور ، قال العلامة الشامی فی رد

---

اور بندہ مغیبات پر مطلع ہو کے اجسام عالم سفلی میں تصرف کرتا ہے، بلکہ اس وقت خود فیاض اقدس یعنی انوار الٰہی بوجہ حصول معرفت کہ وہ بہترین نعمت ہے ظاہر ہوتے ہیں، پس غیر سے کیا تعجب۔

## غیب کو بذات خود جاننے کا دعویٰ کرنا نص قرآن سے مخالف ہے، پس اس دعوی کی تکفیر کی جائے گی،

اور تو نے اخیر دو وجہ سے جو اثبات حصر میں مذکور ہوئیں جانا ہوگا کہ انبیاء جیسے وہ علم غیب میں مستقل نہیں ہیں، اور بدون اعلام اللہ تعالیٰ کے وہ غیب کو نہیں جان سکتے ،اسی طور سے وہ قدرت نہیں رکھتے جمیع کلیات غیب ومبادی غیب کے جاننے کی، ورنہ حصر جو آیت مبحوث عنہا میں بیان کیا گیا باطل ہو جائے گا۔ پس بعد ظاہر ہونے اس امر کے کہ یہی مذکور حکم حق ہے، کوئی شخص گمان کرے کہ محمد ﷺ غیب تمام کلیات اور جزئیات اور مبادی کو جانتے تھے، تو اس پر تاویل آیت مذکورہ کی جو محققین معتمد علیہم نے بیان کی اور اس پر انہوں نے اعتماد کیا

المحتار" ان دعوى علم الغيب معارضة لنص القرآن، فيكفر بها الا اذا اسند ذلك صريحا اودلالة الى سبب من اللّٰه تعالىٰ كوحى اوالهام وكذا لواسنده الى امارة عادية يجعل اللّٰه تعالىٰ ،

اخرج حميد بن زنجوية ان بعض الصحابةؓ ذكروا العلم بوقت الخسوف قبل ظهوره ، فانكرعليه فقال : انما الغيب خمس وتلاهذه الأية اى ﴿ان اللّٰه عنده علم الساعة ﴾ الأية ، وما عدا ذلك غيب يعلمه قوم ويجهله قوم ،

وقال العلامة علي القاريؒ فى شرح الفقه الأكبر : وبالمجملة فالعلم بالغيب امر تفرد به سبحانه ، ولا سبيل للعباد الاباعلام منه والهام بطريق المعجزة اوالكرامة او

---

مخفی رہی ، چونکہ اس تاویل سے دل کواطمینان ہوتا ہے اور سینہ سرد رہتا ہے، اس لئے علامۂ شامی (رحمہ اللہ) نے ''ردمحتار'' میں فرمایا ہے کہ: غیب کو بذات خود جاننے کا دعویٰ کرنا نص قرآن سے مخالف ہے، پس اس دعوی سے تکفیر کی جائے گی، مگر جب علم غیب کی نسبت صراحۃً یا دلالۃً کسی اسباب الٰہی کی طرف کی جاوے، مثل وحی یا الہام کے، اسی طرح ایسی علامت کی جانب کہ اس کواللہ نے کسی غیب کے جاننے کے واسطے معین کی ہو۔

## صحابہ کے خسوف کی پیشنگوئی پر بعض کا انکار اور صحابہ کا جواب

حمید بن زنجویہ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ انہوں نے قبل از وقت ظہور وقت خسوف کا علم بیان کیا، تو بعض آدمیوں نے اس کا انکار کیا، پس انہوں نے فرمایا کہ: غیب پانچ ہی ہیں، اورانہوں نے آیت ﴿ان اللّٰه عنده علم الساعة﴾ پڑھی اور ماسوا اس کے غیب ہے کہ اس کوایک قوم جانتی ہے اور ایک قوم نہیں۔

اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''فقہ اکبر'' کی شرح میں فرمایا ہے کہ: حاصل کلام علم غیب

ارشاد الى الاستدلال بالامارات فيما يمكن فيه ذالك ،

ولهـذا ذكـر فـى الفتاوى : ان قول القائل عند روية هالة القمر اى دائرته يكون مطر مدعيا علم الغيب لابعلامة كفر،

ثـم اعـلـم ان الانبيـاء لم يعلموا المغيبات من الاشياء الا ما اعلمهم اللّٰه احيانا، وذكـر الحنفية تصريحا بالتكفير باعتقاد ان النبى صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب اي بنفسه لمعارضة قوله تعالیٰ ﴿قل لايعلم من فى السموات والارض الغيب الا اللّٰه﴾ كذا فى المسايرة ،

وقـال صـاحـب رد المحتار فى سل الحسام :" ان اللّٰه تعالیٰ متفرد يعلم الغيب

---

ایک امر ہے کہ اللہ ہی سے مختص ہے، اس میں کسی بندے کو مجال نہیں ہے، مگر اس کی جانب سے اعلام یا الہام بطور اعجاز یا کرامت کے ہو، یا بذریعہ علامت کے، اس سے جس غیب کا علم ممکن ہو،

## بارش کی کی اطلاع دینا کفر نہیں

اسی لئے فتاویٰ میں ذکر ہے کہ اگر چاند کے ہالہ کو دیکھ کے کوئی بطور ادعاء علم غیب کہے کہ بارش ہوگی کفر ہے، مگر ہالہ کو جو علامت ہے غیب دانی کے لئے واسطہ بنادے۔

## یہ اعتقاد کہ نبی ﷺ کو تمام غیب کا بالاستقلال علم تھا' کفر ہے

پھر جان تو انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام مغیبات کو نہیں جانتے تھے، مگر جس قدر کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے کبھی معلوم کرایا۔ حنفیہ نے تکفیر کی ہے اس شخص کی جو اعتقاد رکھے کہ نبی ﷺ غیب کو یعنی تمام غیب کو بالاستقلال جانتے تھے، اس لئے کہ یہ آیت ''قـل لا يـعـلـم'' سے مخالف ہے۔ ایسا ہی مسایرہ میں لکھا ہے۔

المطلق المتعلق بجميع المعلومات، وانه انما يطلع رسوله على بعض غيوبه المتعلقة بالرسالة اطلاعا جليا واضحا، لاشک فيه بالوحی الصريح ، ولا ينافی ذالک ان يطلع بعض اوليائه على بعض ذالک اطلاعا دونه فی الرتبة ، فمن ادعی علم بعض الحوادث بوحی من اهله او بکشف من ذوی الکرامات فهو صادق ودعواه جائز، لان ما اختص به تعالیٰ هو الغيب المطلق ، على ان مايدعيه العبد ليس غيبا حقيقة ، لانه انما يکون باعلام اللّٰه تعالیٰ کما مر، و کذالک من رای ظاهر هذه الأية وتفوه ان الانبياء والاولياء ليس لهم علم الغيب مطلقا ، فهم لايعلمون الجزئيات منه ولا لواحقه ولو باعلام اللّٰه ' فقد زاغ بصره عن الحق وطمست بصيرته ، ولقد اخبر النبي عليه افضل الصلوٰة واکمل التسليم وسائر الانبياء و کثير من اولياء امته بکثير من

---

اور صاحب ردمختار نے ’’سل حسام‘‘ نامی کتاب میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مطلق علمِ غیب میں جو جمیع معلومات سے متعلق ہے متفرد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے رسل کو بلاشک بذریعہ وحی بعض غیوب پر جس کا تعلق رسالت سے ہے مطلع کرتا ہے، اور یہ اس امر کو منافی نہیں ہے کہ وہ بعض اولیاء کو بعض غیب پر اطلاع بخشے جو اس سے کم ہوں رتبہ میں، پس جو شخص کہ دعوی علم غیب کا بذریۂ وحی یا کشف کے کرے تو وہ صادق ہے اور اس کا دعویٰ جائز ہے، اس لئے کہ جو علم کہ اللہ سے مختص ہے وہ علم غیب مطلق ہے۔ علاوہ یہ ہے کہ بندہ جس کا دعویٰ کرتا ہے وہ درحقیقت غیب نہیں ہے، اس لئے کہ وہ اللہ کے اعلام سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ گذرا، اسی طرح سے جو شخص کہ ظاہر آیت ’’قل لا یعلم ‘‘ کو دیکھ کر کہے کہ انبیاء اور اولیاء کو مطلقاً علم غیب نہ تھا نہ وہ جزئیات غیب کا اور نہ لواحق غیب کا۔ گو اللہ تعالیٰ ان کو معلوم کرادے تو اس کی نظر حق سے کج ہے اور اس کی عقل بے نور ہے، بلاشک نبی ﷺ اور باقی انبیاء اور بہت سے اولیاء نے بہت سی جزئیات غیب کی خبر اللہ تعالیٰ کے معلوم کرانے

جزئيات الغيب باعلام الله لهم ، ولقد تظافرت الاحاديث الصحيحة المرفوعة الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وتظاهرت ' ولقد تضافرت الآثار المروية عن الثقات المتبحرين وتوافرت على ثبوته حتى لايبقى شئ من الارتياب من بعد علمها واذعانها ، اما الاحاديث :

فمنها ماروى احمد عن معاذ بن جبل قال : " لما بعثه رسول الله صلى الله عليه وسلم الى اليمن خرج معه رسول الله صلى الله عليه وسلم يوصيه ، ومعاذ راكب ورسول الله صلى الله عليه وسلم يمشي تحت راحلته ، فلما فرغ قال : يامعاذ ! انك عسى ان لا تلقانى بعد عامى هٰذا ، ولعلك ان تمر بمسجدى هٰذا وقبرى ، فبكى معاذ جشعا لفراق رسول الله صلى الله عليه وسلم ،ثم التفت فاقبل بوجهه نحو المدينة

---

سے دی ہے۔ بیشک بہت سی احادیث صحیحہ جو حضرت ﷺ تک پہونچی ہیں اور بہت سے آثار جو ثقات سے مروی ہیں دال ہیں اس دعویٰ کے ثبوت پر، یہاں تک کہ ان کے تیقن سے کسی نوع کا شک باقی نہیں رہتا۔

## آپ ﷺ کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنی وفات کی اطلاع دینا

ان احادیث میں سے ایک حدیث وہ ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان کو جب رسول اللہ ﷺ نے یمن کو بھیجا تو رسول اللہ ﷺ بھی ان کے ساتھ وصیت کرتے ہوئے نکلے اس حال میں کہ معاذ رضی اللہ عنہ سوار تھے اور آپ ﷺ سواری کے پیچھے قدم رنجہ فرماتے تھے، جب آپ ﷺ نے فراغ پایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! شاید آئندہ سال کو تم کو میری ملاقات نصیب نہ ہوگی، لیکن تمہارا شاید میری مسجد اور قبر سے گذر ہوگا، پس معاذ بسبب خوف فراق رسول اللہ

فقال: ان اولٰى الناس بي المتقون من كانوا وحيث كانوا "

ومنها ماروى مسلم عن انس قال : " كنا مع عمر بين مكة والمدينة فرأينا الهلال وكنت رجلا حديد البصر وليس احد يزعم انه راى غيرى ' فجعلت اقول لعمر : اما تراه ؟ فجعل لايراه ، قال يقول عمر سأراه : وانا مستلق على فراشي ثم انشأ يحدثنا عن اهل بدر، قال : ان رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم كان يرينا مصارع اهل بدر بالامس ، يقول : هذا مصرع فلان غدا ان شاء اللّٰه تعالىٰ ، وهٰذا مصرع فلان غدا إن شاء اللّٰه ، قال والذى بعثه بالحق ما اخطؤا الحدود التى حدها رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم ، الحديث ،

---

ﷺ رونے لگے، پھر آپ ﷺ مدینہ کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: زیادہ قریب مجھ سے درجے میں متقین ہیں کوئی بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔

## آپ ﷺ نے بدر کے مقتولین کی خبر دی جو بعینہ صادق آئی

ان احادیث میں سے دوسری حدیث وہ ہے جو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: ہم مع عمر رضی اللہ عنہ درمیان مکہ اور مدینہ کے تھے، پس ہم نے ہلال کو دیکھا اور میں تیز نظر تھا کہ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ میرے سوا کسی نے اس کو دیکھا، پس میں عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کرتا تھا کہ کیا آپ نہیں دیکھتے؟ مگر آپ چاند کو نہیں دیکھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ: دیکھ لوں گا، اور میں اپنے بچھونے پر لیٹا تھا آپ اہل بدر کے حالات بیان کرنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو ایک روز پیشتر ہی قتل گاہ اہل بدر دکھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ خدا چاہے یہ مقتل کل کو فلانے کا اور یہ مقتل خدا چاہے فلانے کا ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: قسم ہے اس کی جس نے محمد ﷺ کو برحق بھیجا کہ ان میں سے

ومنها ما اخرج البخاری عن انس " ان النبی صلی الله علیه وسلم نعی زیدا وجعفرا وابن رواحة للناس قبل ان یجئ خبرهم، قال : اخذ الرأیة زید فاصیب ، ثم اخذ جعفر فاصیب ، ثم اخذ ابن رواحة فاصیب وعیناه تذرفان حتی اخذ الرأیة سیف من سیوف الله حتی فتح الله علیهم "

ومنها ما روی الشیخان عن انس قال : " ان رجلا کان یکتب للنبی صلی الله علیه وسلم فارتد عن الاسلام ولحق بالمشرکین ، فقال النبی صلی الله علیه وسلم : ان الارض لاتقبله ، فاخبرنی ابو طلحة انه اتی الارض التی مات فیها ، فوجده منبوذا ،

---

کسی نے اس حد کو جو آپ نے بیان کی تھی تجاوز نہیں کیا۔

## آپ ﷺ کا زید، جعفر وابن رواحہ (رضی اللہ عنہم) موت کی خبر دینا

ان میں سے تیسری حدیث وہ ہے کہ جس کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے زید اور جعفر اور ابن رواحہ (رضی اللہ عنہم) کی خبر موت لوگوں کو دی، ان کی خبر آنے سے پیشتر، آپ ﷺ نے فرمایا: زید نے نشان پکڑا شہید ہوئے، پھر جعفر نے پکڑا تو وہ بھی شہید ہوئے، پھر ابن رواحہ نے پکڑا تو وہ بھی شہید ہوئے، اور آپ ﷺ کی آنکھیں بہتی تھیں، یہاں تک کہ نشان پکڑا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح دی۔

## آپ ﷺ کا ایک آدمی کے لئے خبر دینا کہ اس کو زمین قبول نہ کرے گی

اور چوتھی حدیث وہ ہے کہ: شیخین رحمۃ اللہ علیہما نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: ایک شخص لکھا کرتا تھا حضرت کے لئے، پس وہ مرتد ہو کر مشرکوں میں مل گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اس کو زمین نہ قبول کرے گی۔ پس مجھ کو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی

فقال : ماشان هذا ؟ فقالوا : دفنّا مرارًا فلم تقبله الارض "

ومنها ماروى البخارى عن ابى هريرةؓ قال : " شهدنا مع رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم حنينا ، فقال رسول اللّٰه لرجل معه : ممن يدعى الاسلام هذا من اهل النار ، فلما حضر القتال قاتل الرجل من اشد القتال ، فكثرت به الجراح فكاد بعض الناس يرتاب فبينما هو على ذالک اذ وجد الرجل الم الجراح فاهوى بيده الى كنانته فانتزع سهما فانتحربها فاشتد رجال من المسلمين الى رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم فقالوا : يارسول اللّٰه ! صدق اللّٰه حديثک ، قد انتحر فلان وقتل نفسه ، فقال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم : اللّٰه اكبر اشهد انى عبداللّٰه ورسوله ، يا بلال ! قم فاذن لايدخل الجنة الا مؤمن ، وان اللّٰه ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر ،

---

کہ جہاں وہ شخص مرا تھا آئے تو اس کو قبر سے پھینکا ہوا دیکھا، پس انہوں نے کہا کہ: اس کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا: اس کو کئی دفعہ ہم نے دفن کیا، مگر اس کو زمین نہیں قبول کرتی۔

## آپ ﷺ کا ایک شخص کے لئے جہنمی ہونے کی خبر دینا

پانچویں حدیث جو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حنین کو حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ایک شخص کو جو مدعی اسلام تھا فرمایا کہ: یہ جہنمی ہے، جب لڑائی شروع ہوئی تو وہ خوب لڑا، یہاں تک کہ اس کو بہت ہی زخم ہوئے، پس قریب تھا کہ بعض آدمی شک میں گرفتار ہوں، اتنے میں اس کو درد زخم شدید ہوا، پس اس نے اپنا ہاتھ ترکش کی جانب بڑھا کر ایک تیر کھینچا اور اس سے نفس کشی کی، پس چند اشخاص مسلمان حضرت ﷺ کی جانب دوڑے، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ نے آپ ﷺ کی بات کی تصدیق کی، فلاں شخص نے نفس کشی کی، پس آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں، اے بلال! اٹھ اور

ومنها ماروى مسلم عن ابى ذر قال : قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم : انكم ستفتحون مصر ، وهى ارض يسمى فيها القيراط ، فاذا فتحتموها فاحسنوا الى اهلها ، فان لها ذمة ورحما ، فاذا رأيتم رجلين يختصمان في موضع لبنة فاخرج منها قال : فرأيت عبدالرحمٰن بن شرحبيل ابن حسنة واخاه ربيعة يختصمان فى موضع لبنة فخرجت منها ،

واما الأثار فمنها ما روى البيهقى فى دلائل النبوة عن ابن عمرؓ ان عمرؓ بعث جيشا وامّر عليهم رجلا يدعى سارية ، فبينما عمر يخطب فجعل يصيح يا سارية الجبل ! فتعجب الناس، فقدم رسول من الجيش ، فقال: يا امير المؤمنين ! لقينا

---

پکاردے کہ جنت میں سوائے مؤمن کے کوئی نہ داخل ہوگا۔ اور اللہ اس دین کی تائید شخص فاجر سے کرتا ہے۔

## آپ ﷺ کا مصر کے فتح ہونے کی خبر دینا

چھٹی حدیث وہ ہے جو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: حضرت ﷺ نے فرمایا کہ: تم مصر کو فتح کروگے وہ ایک زمین ہے کہ اس میں قیراط بولا جاتا ہے، جب تم اس کو فتح کرو تو اس کے اہل سے سلوک کرو، اس لئے کہ اس سے ذمہ داری اور قرابت ہے، جب دو شخصوں کو دیکھو کہ وہ ایک اینٹ کی جگہ کے واسطے نزاع کریں تو تم نکلو، راوی نے کہا کہ: میں نے عبدالرحمٰن ابن شرحبیل اور اس کے بھائی ربیعہ کو دیکھا کہ ایک اینٹ کے واسطے نزاع کرتے ہیں، تو میں وہاں سے نکل گیا۔

## حضرت عمر کا ہزاروں میل دور سے جنگ کے احوال کو معلوم کر لینا

اور آثار میں سے ایک اثر وہ ہے کہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ''دلائل النبوۃ'' میں ابن عمر رضی

عـدونـا فهـزمـونـا فـاذ بـصائح يصيح ياسارية الجبل : فاسندنا ظهورنا الى الجبل ، فهزمهم اللّٰه تعالٰى ،

ومـنهـا مـا روى البـخارى عن جابر قال : لما حضر احد دعانى ابى من الليل، فـقـال مـا ارانـى الا مقتولا فى اول من يقتل من اصحاب النبى صـلـى الله عليه وسلم ، وانـى لا اترک بعدى اعز علىّ منک غير نفس رسول اللّٰه صـلى الله عليه وسلم ، وان عـلـي دينا فاقض ، واستوص باخواتک خيرا ، فاصبحنا فكان اول قتيل ، فدفنته مع اخرفى قبره ،

وحكى السهروردى عن الشيخ عبد القادر الجيلانى قدس سره ، انه قال لرجل

---

اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لشکر کشی کی، اور اس کا امیر ایک شخص نامی ساریہ کو بنایا پس درمیان اس حال کے کہ عمر خطبہ پڑھتے تھے پکارنے لگے: اے ساریہ! اپنی پیٹھ پہاڑ کی طرف کر۔ پس لوگوں نے تعجب کیا، پس قاصد لشکر آیا اور کہا: یا امیر المؤمنین ہم نے دشمن سے پہلے ملاقات کی تو ہم پر غالب ہوگئے، اتنے میں ایک منادی نے آواز دی کہ یا ساریہ الجبل! تو ہم نے اپنی پشت پہاڑ کی طرف کی، پس ان کو اللہ نے شکست دی۔

## حضرت عبداللہ کا اپنی شہادت کی خبر دینا

اور دوسرا اثر وہ ہے کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جابر (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے کہ جب جنگ احد آیا، تو رات کو میرے والد نے مجھ کو بلایا اور کہا کہ: میں یہی جانتا ہوں کہ میں سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے پیشتر شہید ہو جاؤں گا، اور میں تجھ سے سوائے حضرت ﷺ کے اپنے بعد کسی کو محبوب نہیں چھوڑتا، میرے اوپر دین (قرض) ہے تو، تو اسے ادا کر، اور میری بہتر وصیت اپنی بہنوں کے واسطے قبول کر۔

: عندک ودیعة لفلان ' فتوقف لامتناعه شرعا ثم لم یرمن ذالک یدافع للشیخ ماطلبه ، فتقدم کتاب من المودع لودیعته : اعط الشیخ کذا بقدر ما اخذ الشیخ،

وروی ابو القاسم القشیری فی رسالته : انه وقف نصرانی علی الجنید وهو یتکلم فی الجامع علی الناس ، فقال : ایها الشیخ مامعنی حدیث " اتقوا فراسة المؤمن " ؟ فاطرق الجنید ثم رفع رأسه وقال : اسلم ! فقد جاء وقت اسلامک ، فاسلم الغلام ،

فهذه الاحادیث الصحیحة التی ذکرت والآثار الماثورة التی سردت وامثالها

---

## شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا کسی کی امانت کی خبر دینا

شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے حکایت کی کہ: آپ نے ایک شخص سے فرمایا: تیرے پاس فلاں شخص کی اس قدر امانت ہے اس سے مجھے اتنا دے، اس نے بوجہ ممانعت شرعیہ کے کچھ توقف کیا، آخر اس نے آپ کو جتنا آپ نے طلب کیا تھا مجبوراً دیا، اتنے میں مودع کا خط اس کے پاس آیا، اس میں تھا کہ: آپ کو اتنا دو جتنا کہ آپ نے لیا تھا۔

## حضرت جنید رحمہ اللہ کے وعظ میں ایک نصرانی کا قبول اسلام

ابوالقاسم قشیری (رحمہ اللہ) اپنے رسالہ میں روایت کرتے ہیں کہ: حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ جامع مسجد میں وعظ کرتے تھے، ایک نصرانی آپ کے سامنے کھڑا رہا اور کہا کہ: اے شیخ کیا ہے معنی حدیث "اتقوا فراسة المؤمن" کے؟ آپ نے سر جھکایا، پھر سر اٹھا کر فرمایا: اسلام لا، تیرے اسلام کا وقت آچکا، پس وہ غلام اسلام لایا۔

مما هو مذكور في صحاح الكتب ومعتبراتها اذا امعنت النظر في مباينها النقية ومعانيها الجلية لا يشتبه عليك ان نبينا محمداً صلى الله عليه وسلم والمصطفين الاخيار من امته قد اطلعوا على كثير من جزئيات الغيب باعلام الله لهم ، ومن تردد في ذلک فقد نأیٰ عن الصراط السوی وغویٰ ،

اياک ثم اياک ان ترخي زمام عقلک فتقول : ان النبی صلی الله علیه وسلم من بين الانبياء كما علم المغيبات الجزئية التی ذکرت في الاحاديث المسرودة ونحوها ، کذلک اطلع علی سائر جزئيات الغيب وکلياته ، حتی لايخفی عنه خافية

---

## انبیاء واولیاء غیب کی کئی خبروں پر باظہار خداوندی مطلع تھے

پس یہ احادیث اورآثاراور مانندان کے جو صحیح اور معتبر کتابوں میں مذکور ہیں، ان کے الفاظ صاف اور روشن معانی میں تو غائر نظر کرے گا تو تیرے پر یہ بات مشتبہ نہ رہے گی کہ محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے برگزیدہ لوگ بہت سی جزئیات غیب پر باظہار خداوندی مطلع تھے، اور جو شخص اس میں شک کرے گا پس صراط مستقیم سے دور ہوا اور گمراہ ہوا، اور خوف کر پھر خوف کر لگام عقل کو ڈھیلی چھوڑنے سے، یعنی اس قول سے کہ نبی ﷺ بالخصوص جیسے مغیبات جزئیہ مذکورہ کو جانتے تھے اسی طور سے آپ کل جزئیات غیب اور کلیات کو جانتے تھے، یہاں تک کہ آپ پر کوئی چیز غیب سے پوشیدہ نہ رہی، اور یہ اس لئے کہ اس وقت تو طریق حق سے دور ہوگا، پس قریب ہے کہ تجھ کو تیرا دشمن شیطان اچک لیوے، پس تو اندھیری گمراہی میں ہلاک ہوجائے۔

کس طور سے اس بات کا اعتبار ہوسکے، حالانکہ بہت آیتیں جو محمد ﷺ کے اوپر نازل ہوئیں، اور کتنی احادیث جو حضرت ﷺ کے سینۂ مبارک سے حاصل کی گئیں، اس کے

منها ، وذلک لانک حينئذ نأيت عن صراط الحق ، فكاد ان يختلسک عدوک الشيطان ، فتردى فى ظلمات الغواية ، كيف يعبأ بمثل هٰذا القول، وقد ناقضه كثير من الأيات البينات التى انزلت على محمد صلى الله عليه وسلم ، وعارضته عدة من الاحاديث التى تلقفت من مشكوٰة الهداية النبوية ، اما الأيات فمنها قوله تعالىٰ : ﴿ انا انزلنا اليک الكتاب بالحق لتحكم بين الناس بما اراک اللّٰه ولا تكن للخائنين خصيما واستغفر اللّٰه ﴾

فقد روى الترمذیؒ والحاكم وغيرهما عن قتادة بن النعمان قال : كان اهل بيت منا يقال لهم بنواُبَيْرق بشير وبُشير ومبشر، وكان بشير رجلا منافقا، يقول الشعر ويهجو به اصحاب رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم ، ثم ينحله بعض العرب يقول قال فلان كذا: وكانوا اهل بيت حاجة وفافة فى الجاهلية والاسلام، وكان الناس انما طعامهم بالمدينة التمر والشعير ، فابتاع عمى رفاعة بن زيد حملاً من

---

معارض ہیں۔ منجملہ آیات: قول اللہ تعالیٰ کا کہ: اے محمد ہم نے تمہاری طرف کتاب کوساتھ حق کے نازل کی، تاکہ تم درمیان لوگوں کے فیصلہ کرو، اس طریق سے کہ اللہ نے تم کو قرآن میں معلوم کرایا، اورتم خائن کے لئے مخاصم مت بنو، اوراللہ سے مغفرت طلب کرو۔

## رفاعہ بن زید کے گھر چوری اور آیت کا نزول

ترمذی اور حاکم رحمۃ اللہ علیہما وغیرہما نے قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا کہ ہم میں ایک اہل خانہ تھے، ان کو بنوابیرق کہتے ہیں، وہ بشیر اور بشیر اور مبشر ہیں، اور بشیر مرد منافق تھا، شعر کہہ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہجو کرتا تھا، پھر اس شعر کو بعض عرب اس سے نقل کر کے کہتے تھے کہ فلاں شخص نے ایسا کہا، اور اہل بیت محتاج فاقہ کش زمانہ

الدرمک فجعله من مشربة له فیها سلاح ودرع وسیف، فعدی علیه من تحت، فنقبت المشربة واخذ الطعام والسلاح، فلما اصبح اتانی عمی رفاعة فقال: یا ابن اخی انه قد عُدِّی علینا فی لیلتنا هذه، فنقبت مشربتنا وذهب بطعامنا وسلاحنا، فتجسسنا فی الدار وسألنا، فقیل لنا: رأینا بنی أبیرق قد استوقدوا فی هذه اللیلة، ولا نری فیما نری الا علیٰ بعض طعامکم، فقال بنوأ بیرق: ونحن نسئل فی الدار، واللّٰه مانری صاحبکم الا لبید بن سهل، رجل منا له صلاح واسلام، فلما سمع لبید اخترط سیفه وقال: انا اسرق؟ واللّٰه لیخالطنکم هذا السیف او لتبینن هٰذا السرقة، فقالوا: الیک عنا ایها الرجل فما انت بصاحبها، فسألنا فی الدار حتی لم نشک

---

جاہلیت اور اسلام میں تھے، اور لوگوں کا قُوت مدینہ میں کھجور اور جَو تھا، پس میرے چچا رفاعہ بن زید نے ایک بوجھ آٹے سفید کا خریدا، اور اس کو بالا خانہ میں جس میں ہتھیار اور زرہ اور تلوار تھی رکھا، پس اس پر نیچے سے دست درازی کی گئی، یعنی بالا خانہ میں نقب دے کے اناج اور ہتھیار اٹھالے گئے، جب صبح ہوئی تو میرے چچا رفاعہ میرے پاس آئے اور کہا اے برادرزادے! آج رات کو ہم پر دست درازی کی گئی، یعنی ہمارے بالا خانہ میں نقب دے کے ہمارے ہتھیار اور ہمارا اناج اٹھالیا گیا، پس ہم نے گھر میں تلاش کی اور پوچھا تو ہم سے کہا گیا کہ: ہم نے بنی اُبیرق کو دیکھا کہ انہوں نے آج رات کو آگ سلگائی تھی، اور یہی ہم جانتے ہیں کہ تمہارے بعض طعام پر تھے، پس بنو ابیرق نے کہا کہ: ہم گھر میں دریافت کریں گے، اور کہا قسم خدا کی ہم تمہارا چور لبید بن سہل ہی کو جانتے ہیں، اور لبید ہمارے میں صالح مسلمان تھے، جب لبید نے یہ سنا تو تلوار نکالی اور کہا میں چراؤں گا؟ قسم ہے خدا کی تمہارے بدن میں یہ تلوار گھس جائے گی، یہاں تک کہ یہ چوری ظاہر ہوجائے گی، پس بنی ابیرق نے کہا اے شخص ہم سے دور ہوتو تو چور نہیں ہے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ نے

انهم اصحابها ، فقال لی عمی : یا ابن اخی ! لو اتیت رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم فذکرت ذلک لـه ، فاتیته ، فقلت : اهل بیت منا اهل جفاء عمدوا الی عمی فنقبوا مشربة لـه واخذوا سلاحه و طعامه ، فلیردوا علینا سلاحنا ، واما الطعام فلاحاجة لنا فیـه ، فقال رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم : سأنظر فی ذلک ، فلما سمع بنو أبیرق، اتوا رجلا منهم یقال له اسیر ابن عروة فکلموه فی ذلک ، فاجتمع فی ذلک اناس من اهل الدار، فقالوا : یا رسول اللّٰه ! ان قتادة بن النعمان وعمه عمدا الی اهل بیت منا اهل اسلام وصلاح ، یرمونهم بالسرقة من غیر بینة ولاثبت ، قال قتادة : فاتیت رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم فقال : عمدت الی اهل بیت ذکر منهم اسلام وصلاح ترمیهم بالسرقة علٰی غیر ثبت وبینة ، فرجعت ، فاخبرت عمی، فقال : اللّٰه

---

کہا ہم نے گھر میں دریافت کیا یہاں تک کہ ان کے چور ہونے میں ہم کو کچھ شک نہ رہا، پس مجھ سے میرے چچا نے کہا: اے برادر زادے! اگر تو حضرت ﷺ کی خدمت میں جاتا اور آپ ﷺ سے یہ عرض کرتا تو مناسب ہے، پس میں آپ ﷺ کی خدمت میں آیا، پس میں نے عرض کیا کہ: ہم میں ایک اہل خانہ جفا پیشہ ہیں، انہوں نے میرے چچا کے بالا خانہ میں نقب کر کے اس کا غلہ اور ہتھیار لے لئے، ان کو چاہئے کہ ہمارے ہتھیار واپس کریں، ہاں اناج کی ہمیں کچھ حاجت نہیں ہے۔ پس حضرت ﷺ نے فرمایا: اس بارے میں' میں غور کروں گا، جب بنی ابیرق نے یہ سنا تو ان میں سے ایک شخص اسیر بن عروہ نامی تھا اس کے پاس آئے، اور اس سے اس امر میں گفتگو کی، پس چند اشخاص اہل خانہ نے مجتمع ہو کر آپ ﷺ سے عرض کیا کہ: اے رسول اللہ! قتادہ بن نعمان اور اس کے چچا نے ہم میں ایک اہل خانہ مسلمان صاحب صلاح ہیں، ان پر بلا شاہد و دلیل بہتان چوری کا باندھا، قتادہ نے کہا: جب میں آپ کی خدمت میں آیا تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ:

المستعان ، فلم يلبث ان نزل القران ﴿ انا انزلنا اليک الكتاب بالحق لتحكم بين الناس بما اراک اللّٰه ولا تكن للخائنين خصيما ﴾ ( بنی ابیرق ) ﴿ واستغفر اللّٰه ﴾ ای مما قلت لقتادة الى قوله" عظيما" فلما نزل القرآن اتى رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم بالسلاح فرده الى رفاعة ، ولحق بشير بالمشركين ، فنزل على سلافة بنت سعد ، فانزل اللّٰه : " ومن يشاقق الرسول " الى قوله " ضلالا بعيدا " قال الحاكم : صحيح على شرط مسلم،

وقال البغوی وجاء بنوظفر قوم طعمة الى رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم وسألوه ان يجادل عن صاحبهم طعمة ، فهم رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم ان يعاقب اليهودی

---

تو نے ایک اہل بیت پر جن کا اسلام اور صلاح ذکر کیا گیا چوری کی تہمت رکھنے کا بدون شاہد اور حجت کے ارادہ کیا، میں نے واپس آ کے اپنے چچا کو یہ خبر دی، تو انہوں نے کہا: اللہ مستعان ہے، کچھ دیر نہ ہوئی کہ قرآن نازل ہوا کہ ہم نے تیری طرف قرآن کو ساتھ حق کے نازل کیا تا کہ تو درمیان لوگوں کے فیصلہ کرے، جس طور سے کہ تجھ کو اللہ نے قرآن میں معلوم کرایا، اور تو خائن کے لئے مخاصم مت ہو، اور جو تو نے قتادہ سے کہا اس کے واسطے اللہ سے بخشش طلب کر، پس جب قرآن نازل ہوا تو حضرت ہتھیار کو لائے اور رفاعہ کی جانب رد کئے، اور بشیر مشرکوں میں جا کر مل گیا۔ اور سلافہ بنت سعد کے پاس اترا، پس اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿ ومن يشاقق الرسول، بعيدًا ﴾ تک نازل فرمائی۔ حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے مطابق شرط مسلم کے۔

## ایک یہودی کو سزا دینے کے ارادے پر نزول آیت

بغوی نے کہا ہے کہ بنوظفر جو طعمہ نامی شخص کی قوم تھے، حضرت ﷺ کے پاس آئے

وان يقطع يده ، فانزل الله هذه الاٰية ،

ومنها قوله تعالٰى ﴿ اذا جاءك المنٰفقون قالوا نشهد انك لرسول اللّٰه ﴾ اخرج البخاری وغيره عن زيد بن ارقم، قال : سمعت عبداللّٰه بن اُبي بن سلول يقول لاصحابه : لا تنفقوا على من عند رسول اللّٰه حتى ينفضوا، فلئن رجعنا الى المدينة ليخرجن الاعز منها الاذل ، فذكرت ذلك لعمی ، فذكر ذلك عمی للنبی صلی الله عليه وسلم، فدعانی النبی صلی الله عليه وسلم فحدثته ، فارسل رسول اللّٰه صلی الله عليه وسلم الی عبدالله بن ابي واصحابه ، فحلفوا ماقالوا ، فكذبنی وصدقه ،

---

اور آپ ﷺ سے عرض کی کہ آپ طعمہ کی جانب سے مخاصمت فرمائیں، پس آپ ﷺ نے قصد کیا کہ یہودی کو سزا دیں، اور اس کے ہاتھ کو قطع کریں، فوراً اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

## زید بن ارقم کی تصدیق میں آیت کا نزول

ان آیتوں میں سے دوسری آیت: قول اللہ تعالیٰ کا کہ جب منافق تمہارے پاس آئیں گے تو کہیں گے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بلا شک آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے زید ابن ارقم (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی ہے کہ میں نے سنا عبداللہ بن اُبی کو کہ اپنے اصحاب سے کہتا تھا کہ تم حضرت کے پاس والوں پر کچھ نہ خرچ کرو تا کہ وہ بھاگ جائیں، اور اگر ہم مدینہ کو لوٹیں گے تو عزیز تر ذلیل تر کو خارج کرے گا، پس میں نے یہ بات اپنے چچا سے ذکر کی، اور میرے چچا نے حضرت ﷺ سے یہ ذکر کیا پس حضرت ﷺ نے مجھ کو بلایا، تو آپ ﷺ سے میں نے یہ قصہ بیان کیا، پس حضرت ﷺ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے اصحاب کی جانب آدمی بھیجا، پس وہ آئے اور انہوں

فاصابني شئ لم يصبني قط مثله ، فانزل اللّٰه تعالىٰ : " اذا جاءك المنافقون " فبعث الي رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم فقرأها، ثم قال : " ان اللّٰه قد صدقك "

ومنها قوله تعالىٰ ﴿ الحمد للّٰه الذی انزل على عبده الكتاب ﴾ الى اٰخر قصة اصحابه الكهف، فقد اخرج ابن جرير من طريق ابن اسحق عن شيخ من اهل مصر عن عكرمة عن ابن عباسؓ قال : بعثت قريش النضر بن الحارث وعقبة بن ابی معيط الى احبار اليهود بالمدينة ، فقالوا لهم سلوهم عن محمد وصفوا له صفته واخبروهم بقوله ، فانهم اهل الكتاب الاول وعندهم ماليس عندنا من علم الانبياء ، وخرجا

---

نے قسم کھائی کہ ہم نے یہ نہیں کہا، زید نے کہا آپ نے میری تکذیب کی، اور عبداللہ کی تصدیق، پس مجھ کو ایسا رنج پہنچا کہ کبھی ایسا رنج نہ پہنچا تھا، پس اللہ نے آیت ﴿ اِذاجاءک المنافقون ﴾ نازل فرمائی، پس حضرت نے مجھ کو آدمی بھیج کے بلایا، اور آپ نے اس کو پڑھا پھر فرمایا کہ: اللہ نے تیری تصدیق کی۔

## کفار کے سوال پر سورۂ کہف کا نزول

اور انہیں آیتوں میں سے تیسری آیت قول اللہ تعالیٰ کا ﴿ الحمد للّٰه الذی انزل على عبده الكتاب ﴾ تا آخر قصۂ اصحاب کہف۔ ابن جریر نے باسناد ابن اسحٰق ایک شیخ اہل مصر سے اور اس نے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے اور عکرمہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ علماء یہود کے پاس بھیجا اور ان کو کہا کہ تم ان سے محمد ﷺ کا حال دریافت کرو اور اس کی صفت ان سے بیان کرو اور اس کے قول کی ان کو اطلاع دو، اس لئے کہ وہ اہل کتاب قدیم ہیں، اور ان کے نزدیک علم انبیاء ہے جو تمہارے نزدیک نہیں، پس وہ دونوں نکلے یہاں تک کہ مدینہ کو آئے

حتى اتيا المدينة ، فسألا احبار يهود عن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم ووصفوا لهم امره وبعض قوله ، فقالوا لهم : سلوه عن ثلاث : فان اخبركم بهن فهو نبي مرسل ، وان لم يفعل فالرجل مُتَقَوِّلٌ، سلوه عن فتية ذهبوا فى الدهر الاول ماكان امرهم ، فانه كان لهم امر عجيب ، وسلوه عن رجل طواف بلغ مشارق الارض ومغاربها ماكان نبؤه ، وسلوه عن الروح ماهو ؟ فاقبلا حتى قدما على قريش فقالا قد جئناكم بفصل ما بينكم وبين محمد فجاؤا رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم فسالوه ، فقال : اخبركم غدا ماسالتم عنه ، ولم يستثن ، فانصرفوا ومكث رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم خمس عشر ليلة ، لايحدث اللّٰه فى ذلك اليه وحيا ولا يا تيه جبرئيل ، حتى

---

اور علمائے یہود سے حضرت کا حال دریافت کیا، اوران سے آپ کا حال بیان کیا، اور بعض مقولے، پس احبار نے ان کو کہا کہ: تم اس سے تین چیزیں پوچھو، اگر تم کو وہ بتلادے تو وہ نبی مرسل ہے ورنہ وہ بناوٹ کرنے والا ہے۔ اس سے اگلے زمانہ میں چند جوان جو کہیں چلے گئے تھے، دریافت کرو کہ ان کا کیا حال تھا؟ اس لئے کہ ان کا عجیب حال تھا۔ اوراس سے مشرق اور مغرب میں جو شخص گھوما ہے پوچھو کہ اس کی کیا خبر ہے؟ اوراس سے روح کی حقیقت پوچھو کہ کیا ہے؟ پس دونوں شخص پوچھ کر قریش کے پاس آئے اور کہا کہ تمہارے اور محمد ﷺ کے واسطے ہم فیصلہ لائے ہیں۔ پس قریش حضرت ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے ان چیزوں کو دریافت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: میں کل تم کو تمہارے سوالات کی خبر دوں گا، مگر آپ ﷺ نے انشاء اللہ نہ فرمایا، وہ لوگ چلے گئے اور آپ ﷺ نے متواتر پندرہ رات توقف کیا، مگر اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے وحی نازل نہ فرمائی، اور نہ آپ کے پاس جبرئیل آتے ہیں، یہاں تک کہ اہل مکہ خوض میں پڑے اور توقف وحی نے آپ کو غمگین کیا، اور اہل مکہ کے کلام آپ پر نہایت شاق ہوئے، پھر جبرئیل علیہ السلام

ارجف اهـل مـكة ، وحتى احزن رسول اللّٰه صـلـى الله عليه وسلم مـكث الوحي عنه ، وشـق عـلـيـه مـا تكلم به اهل مكة ، ثم جاء جبرئيل من اللّٰه بسورة اصحاب الكهف، فيهـا مـعاتبة اياه على حزنه عليهم وخبر ما سالوه عنه من امر الفتية والرجل الطواف وقول اللّٰه ويسئلونک عن الروح ،

فهـذه الأيـات التـى تـليـت عـليـک مـع اسبـاب نـزولها لو تاملتها لاذعنت فى نفسک ان سيدنا محمدا صلى الله عليه وسلم ما كان يعلم جميع المغيبات ومايحويها، والا لما قال لقتادة : عمدت الٰى اهل بيت ذكر منهم اسلام وصلاح ترميهم بالسرقة عـلٰى غيـر ثبت وبينة ، مع انهم كانوا اى بنو ابيرق خائنين سارقين ، وكان اى قتادة صادقا فيما ادعاه ، ولما هم صلى الله عليه وسلم ان يعاقب اليهود وان يقطع يداه ، مع

---

اللہ تعالیٰ کی جانب سے سورۂ کہف لے کے آئے ،اس سورہ میں آپ کو رنجیدگی پر عتاب تھا، اور نیز اس میں ان کے سوالات کی خبر یعنی خبر ان جوانوں کی اور مرد سیاح کی تھی اور نیز جبرئیل آیت ﴿ وَيَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ﴾ کو لائے۔

## ان آیات سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو جمیع مغیبات کا علم نہیں تھا

پس یہ آیتیں جو مع اسباب نزول کے تیرے سامنے پڑھی گئیں، جب تو ان میں غور کرے گا تو تو اپنے جی میں البتہ یقین کرے گا کہ محمد ﷺ جمیع مغیبات کو نہیں جانتے تھے، اوران پر آپ حاوی نہ تھے، ورنہ آپ ﷺ قتادہ کو نہ فرماتے کہ تو نے اہل خانہ پر جن کا اسلام اور صلاح ذکر کیا گیا تہمت چوری کی بدون شاہد اور حجت کے رکھنا چاہا، حالانکہ وہ یعنی بنی ابیرق خیانت کیش چور تھے، اور قتادہ اپنے دعویٰ میں سچا تھا، اور بنا بر روایت بغوی کے آپ ﷺ یہودی کو سزا دینے اور اس کے قطع ید کا ارادہ نہ فرماتے، حالانکہ جو تہمت کہ

انه كان برئيا عما رمی به علی رواية البغوی، ولما كذب زيد بن ارقم مع كونه صادقا فيما اخبربه ، ولما صدق عبداللّٰه ابن ابي مع كونه كاذبا فيما ذب عنه ، ولَاَجَابَ جاب قريشا عما سألوه من عند نفسه تحرزا من شماتة الاعداء وتوقيا عن معاناة مرارة الكاٰبة والغم الی خمس عشرة ليلة مهما تلبث الوحی عنه من اللّٰه سبحانه و تعالیٰ ، وكذلک لما غم عليه صلی الله عليه وسلم امر عائشة لما جاء بالافک عصبة ، ولما قال مخاطبا اياها : اما بعد ! يا عائشة انه قد بلغنی عنک كذا وكذا، فان كنت برئية ، فسيبرئک اللّٰه تعالیٰ ، وان كنت ألممت ذنبا ، فاستغفری اللّٰه وتوبي اليه ، فان العبد اذا اعترف ثم تاب ، تاب اللّٰه عليه ، ولبرأها قبل ان ينزل عليه الوحی ذبا للعار عن حرمه العفيف ،

---

اس پر رکھی گئی اس سے وہ بری تھا، اور ہرگز آپ زید ابن ارقم کی تکذیب نہ کرتے، حالانکہ وہ اپنی خبر دہی میں صادق تھا، اور نہ عبداللہ بن ابی کی تصدیق کرتے، حالانکہ وہ دفع الزام میں کاذب تھا، اور البتہ قریش کو آپ خود ان کے سوالات کا جواب دیتے تا کہ آپ چشمک اعداء اور پندرہ رات کے رنج اور صدمہ سے جب آپ پر وحی بند ہوگئی باز رہتے۔ اور اسی طرح سے آپ ہرگز رنج عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں جب ایک گروہ نے ان پر طوفان بہتان کا باندھا تھا نہ اٹھاتے، اور ہرگز آپ ان کو مخاطب ہو کے یہ نہ فرماتے کہ: اے عائشہ! مجھ کو تیری طرف سے ایسی ایسی خبر پہنچی، پس اگر تو بری ہے تو تجھ کو اللہ بری کرے گا، اور اگر تو مرتکب قصور ہے تو اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کر اور توبہ کر، اس لئے کہ بندہ جب قصور کا اعتراف کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے، اور البتہ آپ قبل نزول وحی ان کو بری کر دیتے تا کہ آپ اس عیب کو جو آپ ﷺ کی پاک دامن حریم کے اوپر لگایا تھا دفع کرتے۔

وما احتاج الى الرائ فى اسارى بدر ، وما جنح الى قول ابى بكرؓ فى اخذ الفداء منهم ، وهكذ كثير من الأيات تناقض هذه الكلية ،

كيف لا وقد قال تعالىٰ حاكيا عن نفسه ﴿ وعنده مفاتح الغيب لايعلمها الا هو ﴾ روى البخارى فى تفسير هٰذه الاية عن سالم بن عبد اللّٰه عن ابيه ان رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال : (( مفاتح الغيب خمس :﴿ ان اللّٰه عنده علم الساعة ، وينزل الغيث ، ويعلم مافى الارحام ، وما تدرى نفس ما ذا تكسب غدا ، وما تدرى نفس بایّ ارض تموت ، ان اللّٰه عليم خبير ﴾

---

اور ہرگز آپ درباب اساری بدر محتاج بجانب رائے نہ ہوتے اور ان سے فدیہ لینے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول کی جانب میلان نہ فرماتے۔اسی طرح بہت سی آیتیں اس کلیہ کے منافی ہیں۔

## مفاتح الغیب پانچ ہیں اور پانچ کی تخصیص کی وجہ

کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے حکایت کر کے کہتا ہے کہ اسی کے نزدیک غیب کی چابیاں ہیں کہ ان کو سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سالم بن عبداللہ سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اس آیت کی تفسیر میں کہ: حضرت ﷺ نے فرمایا کہ: مفاتح الغیب پانچ ہیں: (وہ اس آیت میں ہیں:) بے شک قیامت کا علم اللہ کے نزدیک ہے، اور بارش نازل کرنا بوقت معین کہ اس کو وہی جانتا ہے، اور جو چیز کہ رحم میں ہوتی ہے اس کو وہی جانتا ہے، اور کوئی متنفس نہیں جان سکتا کہ کل کو کیا کرے گا سوائے اس کے، اور کوئی نفس نہیں جانتا کہ کون سی زمین میں وہ مرے گا سوائے اس کے، بیشک اللہ تعالیٰ صاحبِ علم خبردار ہے۔

قال العلامة العينى : ان الغيوب التى لايعلمها الا اللّٰه كثيرة لايعلم مبلغها الا اللّٰه ، كما قال تعالٰى : ﴿ وما يعلم جنود ربك الا هو ﴾ وانما خصص بهذا العدد فى مقابلة ما كان القوم يعتقدون انهم يعرفون من الغيب بهذه الخمس ، اولان امهات الامور هذه ، لانها اما ان تتعلق بالاٰخرة وهو علم الساعة ، واما بالدنيا وذلك اما متعلق بالجماد او بالحيوان ، والثانى اما بحسب معاده او بحسب معاشه ،

قال الإمام الرازى : فى وجه اختصاص مفاتح علم الغيب باللّٰه تعالٰى ان المبدأ لحصول العلم بالاٰثار والنتائج والصنائع هو العلم بالمؤثر ، والمؤثر الاول فى كل الممكنات هو الحق سبحانه ، فالمفتح الاول للعلم بجميع المعلومات هو العلم به سبحانه ، لكن العلم به ليس الا له ،لان ماسواه اثر ، والعلم بالاثر لايفيد العلم

---

اس کی شرح میں عینی نے لکھا ہے کہ: غیب جو اللہ کے ساتھ مختص ہیں بہت ہیں، اس کا اندازہ وہی جانتا ہے جیسا اللہ نے فرمایا کہ: تیرے رب کے لشکر کو وہی جانتا ہے۔ اور پانچ ہی کی تخصیص اللہ نے اس لئے کی کہ لوگوں کا اعتقاد تھا کہ وہ منجملہ غیب ان پانچ کو جانتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی کی، یا اس لئے کہ تمام امور کے اصول یہی ہیں، اس لئے کہ ان امور کا تعلق یا آخرت سے ہوگا، اور وہ علم قیامت ہے، یا دنیا سے اور جو چیز متعلق دنیا سے ہے وہ یا متعلق جماد سے ہے یا حیوان سے اور جس کا تعلق حیوان سے ہے وہ یا بلحاظ معاد کے ہے یا معاش کے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے مفاتح الغیب جو اللہ ہی کے ساتھ خاص ہیں اس کی وجہ بیان کی ہے کہ آثار اور مصنوعات کے علم حاصل کرنے کا مبدأ علم بالمؤثر ہے، اور تمام ممکنات کا مؤثر اللہ تعالیٰ ہی ہے، پس جمیع معلومات کے معلوم کرنے کا مبدأ اللہ تعالیٰ کی ذات کا علم ہے، اور اس کی ذات کا علم اسی کو ہے، اس لئے کہ ماسوی اللہ اثر ہیں، اور اثر سے علم مؤثر کا

بالموثر، فظهر بهذا البرهان ان مفاتح الغيب ليست الا عند الحق تعالٰى ،

اقول فلو فرض ان محمدا كان يعلم جميع المغيبات لكان يعلم مفاتح الغيب ايضاً ، لانها منها ولا يعلم مفاتح الغيب الا الموثر الاول، فيلزم ان محمداصلى الله عليه وسلم يكون علٰى هذا مؤثرا أولا، وهو باطل ببداهة العقل ، فالملزوم مثله ، ومن ههنا ظهران ما قال فى الحاشية المعلقة على مختصر ابن ابى جمرة : ان هذا الحصر بالنسبة للعامة لاالخاصة لايعبأ به ، لانه مما يمجه السمع والعقل كما عرفت ، نعم ! ان ماعلم من جزئيات منها باعلام الله له ، فلا ينكره العقل ولايأباه الشرع ، وكيف لا ، وقد قال تعالٰى حاكيا عن رسوله محمد صلى الله عليه وسلم :﴿ولو كنت اعلم

---

حاصل نہیں ہوتا ہے، پس اس برہان سے معلوم ہوا کہ مفاتح الغیب اس کے پاس ہیں۔

اگر میں غیب کو جانتا تو خیر کو طلب کرتا اور مجھ کو کوئی برائی مس نہ کرتی

میں عرض کرتا ہوں کہ پس اگر فرض کیا جائے کہ محمد ﷺ جمیع مغیبات کو جانتے تھے تو البتہ مفاتح الغیب کو بھی جانتے ہوں گے، اس لئے کہ وہ بھی منجملہ مغیبات ہیں، اور مفاتح الغیب کو مؤثر اول ہی جانتا ہے، پس یہ بات لازم ہوگی بنابراس کے کہ محمد ﷺ مؤثر اول ہیں اور یہ بداہۃً باطل ہے، پس آپ کا جمیع غیب کا جاننا بھی باطل ہے۔ اس مقام سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ جو عبارت کہ مختصر ابن جمرہ کے حاشیہ میں بیان کی ہے کہ یہ حصر بہ نسبت عوام کے ہے نہ خواص کے، تو اس کا کچھ اعتبار نہ کیا جاوے گا، اس لئے کہ اس کو سماع اور عقل دونوں جیسے پہچانا تو نے رد کرتے ہیں، ہاں اگر آپ بعض جزئیات غیب کو اللہ کے معلوم کرانے سے معلوم کریں تو عقل اور شرع اس سے انکار نہیں کرتے، اور کیوں اس کلیہ کو آیات منافی نہ ہوں، حالانکہ اللہ تعالٰی نے حضرت سے حکایت کر کے فرمایا ہے کہ: اگر میں

الغيب لاستكثرت من الخير وما مسنى السوء ﴾

قال الفخر الرازى فى تفسيره : ان القوم لما طالبوه بالاخبار عن الغيوب ، وطالبوه باعطاء الاموال الكثيرة والدولة العظيمة ، ذكر صلى الله عليه وسلم : ان قدرته قاصرة وعلمه قليل ، وبين ان كل من كان عبدا كان كذلك ، و القدرة الكاملة و العلم المحيط ليسا الا للّٰه تعالىٰ ، فالعبد كيف يحصل له هذه القدرة وهذا العلم ؟ ثم قال : احتج الرسول صلى الله عليه وسلم على عدم علمه بالغيب بقوله " ولو كنت اعلم الغيب لاستكثرت من الخير " جلب منافع الدنيا وخيراتها ودفع اٰفاتها ومضراتها ، ويدخل فيه ما يتصل بالخصب والجدب والارباح والاكساب ، او ما يناسبه ولاحترزت عن الشر ، حتى صرت بحيث لايمسني سوء ، ولما لم يكن الامر كذلك ظهر أن علم الغيب غير حاصل عندى اى من دون اعلام اللّٰه له كما عرفت '

---

غیب کو جانتا تو خیر کو طلب کرتا اور مجھ کو کوئی برائی مس نہ کرتی۔

## میری قدرت قاصر اور علم قلیل ہے

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: لوگوں نے جب آپ ﷺ سے غیب کی خبر طلب کی، اور کثرت اموال اور دولت عظیم کی آپ سے خواہش کی، تو آپ نے فرمایا کہ: میری قدرت قاصر اور علم قلیل ہے، اور بیان کیا کہ جو بندہ ہوتا ہے ایسا ہی ہوتا ہے، قدرت تام اور علم محیط اللہ ہی کو ہے، پس عبد کو کیسے حاصل ہو سکتی ہے یہ قدرت اور یہ علم؟ پھر امام نے کہا کہ: حضرت ﷺ نے اپنے عدم علم غیب پر دلیل قائم کی اس قول سے کہ اگر میں غیب کو جانتا تو بہت طلب کرتا میں خیر یعنی منافع دنیا کو اور اجتناب کرتا میں شر سے یہاں تک کہ کوئی شر مجھ کو...... مس نہ کرتی، اور جب ایسا نہیں ہے تو ظاہر ہوا کہ علم غیب مجھ کو حاصل نہیں ہے، یعنی بدون اللہ کے اعلام کے جیسے جانا تو نے۔

وكذلك قوله تعالىٰ ﴿ قل لا اقول لكم عندى خزائن الله ولا اعلم الغيب الاية ، وقوله تعالىٰ ﴿ وما ادرى مايفعل بى ولا بكم ﴾ وامثاله من الأيات تنافى هذه الدعوى فلا يصغى اليها ،

واما الاحاديث التى يستدل بها على نفى علم جميع المغيبات له صلى الله عليه وسلم ، فمنها ماروى البخارى عن الربيع بنت معوذ بن عفراء ، قالت : جاء النبى صلى الله عليه وسلم فدخل حين بني علي فجلس على فراشي كمجلسك منى، فجلعت جويريات لنا يضربن بالدف ويندبن من قتل من ابائى يوم بدر، اذا قالت احداهن : " وفينا نبي يعلم مافى غد " فقال : دعي هذه وقولى بالتي كنت تقولين ،

---

اوراسی طرح سے قول اللہ تعالیٰ کا کہ: کہہ دوائے محمد کہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کو جانتا ہوں، الآیۃ ۔ اورقول اللہ تعالیٰ کا کہ: نہیں جانتا ہوں میں کہ کیا کیا جائے گا مجھ سے اورتم سے؟ اور مانند اس کے اورآیتیں اس دعوی کی منافی ہیں، پس اس دعویٰ کی طرف کان نہ رکھا جائے۔

## وفینا نبی یعلم مافی غد' پرآپ ﷺ کاانکارفرمانا

اورمنجملہ احادیث کہ ان سے حضرت ﷺ کے عدم علم جمیع مغیبات پر دلیل پکڑ سکتے ہیں ایک وہ حدیث ہے کہ بخاری نے ربیع بنت معوذ سے روایت کی ہے اس نے کہا کہ: نبی ﷺ میری شب زفاف کو آئے، اور میرے بچھونے پر جیسے تیرا جلوس مجھ سے ہے بیٹھے، پس لڑکیوں نے دف بجانا اور میرے ابا جو بدر کی لڑائی میں قتل ہوئے تھے ان کا مرثیہ پڑھنا شروع کیا، ناگہاں ان میں سے ایک لڑکی نے کہا کہ ہم میں نبی ہیں جو غیب کو جانتے ہیں، پس آپ نے فرمایا کہ: یہ بات چھوڑ دے اور پہلے جو تو کہتی تھی وہی کہہ۔

قال العلامة القاری فی المرقاة : وهذا دليل على جواز انشاد شعر ليس فيه فحش وكذب ، وانما منع القائلة مقولها " وفينا نبی يعلم مافی غد " لكراهة نسبة علم الغيب اليه ، لانه لايعلم الغيب الا اللّٰه ، وانما يعلم الرسول من الغيب ما اخبره ، او لكراهة ان يذكر فی اثناء ضرب الدف واثناء مرثية القتلى لعلو منصبه عن ذلک، اقول : الاحتمال الاخير يرده مافی رواية الحاكم عن انس: فخرجت جوار من بنی النجار يضربن بالدف وهن يقلن ؎

نحن جوارمن بنی النجار يا حبذا محمدا من جار

لان ههنا ذكر النبی صلى الله عليه وسلم فی اثناء ضرب الدف ، فلو كان محظوراً لمنع ههنا ايضا ،

ملاعلی قاری ''مرقاة'' میں لکھتے ہیں کہ: یہ دلیل ہے اس شعر کے پڑھنے کے جواز میں کہ جس میں فحش اور دروغ نہ ہو اور آپ نے " وفينا نبی يعلم مافی غد " کے پڑھنے سے اس لڑکی کو جو منع کیا، اس لئے کہ اس میں علم غیب کی نسبت حضرت ﷺ کی جانب ہے، حالانکہ تمام غیب کو اللہ ہی جانتا ہے، اور رسول ﷺ غیب کو جانتے ہیں مگر جس قدر کہ اللہ نے اطلاع دی، یا اس لئے آپ نے ممانعت کی کہ آپ کا اسم سامی بسبب علو منصب کے اثنائے ضرب اور مرثیہ قتلی میں نہ ذکر کیا جائے، مگر اخیر احتمال کی تردید ''حاکم'' کی روایت جو انس (رضی اللہ عنہ) سے ہے کرتی ہے۔ انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ قبیلۂ بنی نجار کی لڑکیاں نکل کر دف بجاتی تھیں، اور کہتی تھیں:

ہم لڑکیاں قبیلہ بنی نجار کی ہیں، اے خوش خبری محمد ﷺ ہمسایہ ہیں،

اس لئے کہ یہاں اثنائے ضرب دف آپ ﷺ کا نام ذکر کیا گیا۔ پس اگر اثناء ضرب دف آپ ﷺ کا ذکر ممنوع ہوتا، تو یہاں بھی آپ ﷺ منع فرماتے۔

ومنها ماروىٰ مسلم عن رافع بن خديج قال : قدم نبی اللّٰہ صلى الله عليه وسلم المدينة وهم يوبرون النخل ، فقال :ماتصنعون؟ قالوا: كنا نصنعه، قال: لعلكم لو لم تفعلوا لكان خيرا، فتركوه ، فنقصت، قال: فذكروا له ذلک، فقال :” انما انا بشر اذا امرتكم بشئ من امر دينكم فخذوا به ، واذا امرتكم بشئ من رايی فانما انا بشر“

فقال العلامة القاري : ای فليس لي اطلاع على المغيبات، وانما ذالک شئ قلته بحسب الظن لشهودی اذ ذاک الی مسبب الاسباب ، واستغراقي في عجائب قدرته وغرائب قوته التی لا تتوقف علیٰ سبب ،

## تابیر نخلہ والی روایت سے عدم علم غیب پر استدلال

اوران حدیثوں میں سے دوسری حدیث وہ ہے جو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے رافع ابن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ جب مدینہ کو تشریف لائے تو لوگ وہاں نر کھجور کا گابھا نکال کے مادے میں رکھتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: یہ ہم کرتے آئے ہیں، آپ نے فرمایا: شاید اگر نہ کرتے تم تو بہتر تھا، پس لوگوں نے اس کو ترک کیا، مگر اس سال کھجور کم ہوئیں، پس انہوں نے یہ تذکرہ آپ ﷺ سے کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: میں بشر ہوں جب میں تم کو دین کے کام کے لئے حکم کروں تو تم اس کو لو، اور جب میں تم کو اپنی رائے سے کسی چیز کا حکم کروں تو میں بشر ہی ہوں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ: پس مجھ کو مغیبات پر اطلاع نہیں ہے، میں نے یہ صرف گمان سے کہا تھا، اس لئے کہ اس وقت میرا دھیان مسبب الاسباب کی طرف تھا، اور اس کی عجیب قدرت اور نادر قوت میں جو کسی سبب پر موقوف نہیں ہے مستغرق تھا۔

ومنها ماروی المنذري فی الترغيب : عن عبد اللّٰه بن عمرؓ : ان رجلا سأل النبی صلی الله عليه وسلم " ای البقاع خير وايّ البقاع شر ؟ قال : لا ادری حتی اسأل جبريل ، فسأل جبريل ، فقال : لا ادری حتی اسأل ميكائيل ، فجاء ، فقال : خير البقاع المساجد وشر البقاع الاسواق ،

فهذه الاحاديث التی ذكرت وامثالها تنبئک ان كثيرا من المغيبات التی اخفاها اللّٰه عزوجل من اعلی السماء الی تخوم الارض السفلی، قد اخفی عليه صلی الله عليه وسلم فلو لم يخف عليه بشیءٍ من ذلک لما منع صلی الله عليه وسلم التی كانت تقول : " وفينا نبی يعلم مافی غد " عن قولها، ولما قال : اذا امرتكم من رأيي

## ایک سوال پر آپ ﷺ کا فرمانا کہ: میں نہیں جانتا

اوران احادیث میں سے تیسری حدیث وہ ہے جو ترغیب میں منذری نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ: ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ کون سی جگہ بہتر ہے اور کون سی جگہ بدتر؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: میں نہیں جانتا یہاں تک کہ جبرئیل علیہ السلام کو پوچھوں، پس آپ ﷺ نے جبرئیل (علیہ السلام) سے دریافت کیا، تو اس نے بھی کہا کہ: میں نہیں جانتا جب تک کہ میکائیل (علیہ السلام) سے پوچھوں، پس میکائیل (علیہ السلام) آئے اور کہا کہ: بہتر مقام مساجد اور بدتر مقام بازار ہیں۔ پس یہ احادیث جو ذکر کی گئیں اور مانند ان کے تجھ کو آگاہ کریں گی کہ بہت سے مغیبات جن کو اللہ تعالیٰ نے فلک اعلیٰ سے تحت الثریٰ تک مخفی رکھے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت پر مخفی رکھے ہیں۔ اگر آپ پر کوئی شئ ان میں سے مخفی نہ ہوتی تو ہرگز آپ اس لڑکی کو جس نے " وفينا نبی يعلم مافی غد " کہا تھا ممانعت اس سے نہ فرماتے، اور ہرگز آپ تابیر نخل کے بارے میں نہ

فانما انا بشر ، ولما قال : لا ادری حين سال ای البقاع خير وای البقاع شر؟ وكذلک لما احتاج الى ان يرفع اللّٰه له بيت المقدس حين سألته قريش عن اشياء منه اذا رجع عن الاسراء ، ولايقول على الحوض اذ اختلس رجال من امته انهم منی، ولا يقال له انک لا تدری ما احدثوا بعدک ، وكذلک كثير من الاحاديث يرد هذه الدعوی ،

ولو نسلم ان علمه صلى الله عليه وسلم ببعض المغيبات يكفی فی اثبات انه صلى الله عليه وسلم يعلم جميع المغيبات ، فكان كثير من الانبياء عليهم السلام والاولياء يعلمون بعض المغيبات ، فينبغی ان نعتقد فی حقهم ايضا انهم كانوا يعلمون جميع المغيبات ، ولم يقل به احد ،

---

فرماتے کہ: جب میں تم کو اپنی رائے سے حکم کروں تو میں بشر ہی ہوں ،اور ہرگز آپ لا ادری نہ فرماتے جب آپ سے مواضع بہتر اور بدتر کا سوال کیا گیا، اوراسی طرح ہرگز آپ کے سامنے بیت المقدس پیش کرنے کی حاجت نہ ہوتی، جب آپ ﷺ معراج سے واپس آئے ،اورقریش نے آپ ﷺ سے چند اشیاء بیت المقدس سے سوال کیا، اور ہرگز آپ نہ فرماویں گے حوض کوثر پر جب آپ کی امت کے چند اشخاص وہاں سے اچک لئے جائیں گے کہ یہ لوگ مجھ سے ہیں ،اور ہرگز آپ کو نہ کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نوایجاد کیا۔اسی طرح سے بہت سی احادیث اس دعوی کی تردید کرتی ہیں۔

اگر تسلیم کریں کہ آپ کو جو بعض مغیبات کا علم تھا وہ اس امر کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ آپ جمیع مغیبات کو جانتے تھے، تو لائق ہے کہ بہت سے نبی اور ولی جو بعض مغیبات کو جانتے تھے ان کی نسبت بھی ہم اعتقاد رکھیں کہ وہ بھی جمیع مغیبات کو جانتے تھے، حالانکہ اس

نعم ! قد اشكل حينئذ ما روى احمد والترمذى عن معاذ بن جبل قال : احتبس عنا رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم ذات غداة عن صلٰوة الصبح ، حتى كدنا نَتَرَاءٰى عين الشمس ، فخرج سريعا فثوب بالصلٰوة ، فصلى رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم وتجوز فى صلٰوته ، فلما سلم دعا بصوته فقال لنا : على مصافكم كما انتم ، ثم انفتل الينا ، ثم قال : اما انى ساحدثكم ماحبسني عنكم الغداة ، اني قمت الليل فتوضأت وصليت ما قدر لي فنعست فى صلٰوتى حتى استثقلت ، فاذا انا بربى تبارک وتعالٰى فى احسن صورة ، فقال : يا محمد ! قلت : لبيک يا رب ، قال : فيم

کا کوئی قائل نہیں ہے۔

## حدیث: ’’میرے لئے کل چیزیں منکشف ہوگئیں‘‘ اور ’’میں نے آسمان و زمین کی ہر چیز کو معلوم کیا‘‘ سے اشکال

ہاں اب مشکل ہوگئی وہ حدیث کہ اس کو احمد اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہما نے معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ صبح کو ہم سے یعنی نماز صبح سے رک گئے، یہاں تک کہ ہم قریب تھے کہ چشم آفتاب کو دیکھیں، پس آپ جلد نکلے، اور اقامت نماز کے لئے کہی گئی، پس آپ نے نماز بطور اختصار کے پڑھائی، جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو فرمایا: اپنی اپنی صف میں جیسے ہو تم بیٹھو، پھر آپ ہماری جانب متوجہ ہو کے فرمانے لگے: خبردار میں تم سے صبح کو اپنے رکنے کا سبب بیان کروں گا کہ میں نے رات کو قیام کا ارادہ کیا، پس وضو کر کے میں نے نماز پڑھی جس قدر میری تقدیر میں تھی، پس نماز میں مجھ کو اونگھ آئی، یہاں تک کہ میں اونگھ سے بوجھل ہو گیا، پس ناگہاں میں اپنے رب کے ساتھ ہوں جو بہتر صورت میں تھا، پس مجھ کو فرمایا: اے محمد! کہا میں نے: لبیک اے

يختصم الملأ الاعلى ؟ قلت : لا ادرى ، قالها ثلثا ، قال : فرأيته وضع كفه بين كتفي ،حتى وجدت برد انامله بين ثدييّ ، فتجلى لي كل شئ وعرفت ،

كذلک ما رواه الدارمی مرسلا عن عبدالرحمن بن عائش قال : قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم : رايت ربي عزوجل فی احسن صورة ، قال : فيم يختصم الملأ الاعلى ؟ قلت : انت اعلم ، قال : فوضع كفه بين كتفی فوجدت بردها بين ثديي ، فعلمت ما فی السمٰوات والارض ،

لان ظاهر هذا يدل ان النبی صلى الله عليه وسلم تجلى له كل شئ ، فعلم جميع ما فی السمٰوات والارض ، وهو خلاف ما بيناه ، فلا بد لنا ان نبيّن تاويله على وجه لا

---

میرے رب، کہا: فرشتے کس چیز میں نزاع کرتے ہیں؟ میں نے کہا: میں نہیں جانتا، یہ سوال وجواب تین دفعہ ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: پس میں نے اللہ کو دیکھا اس نے اپنی ہتھیلی کو میرے شانوں کے درمیان میں رکھا، یہاں تک کہ میں نے اپنی پستان (سینہ) میں اس کے پوروں کی برودت کو محسوس کیا، پس میرے لئے کل چیزیں منکشف ہوگئیں، اور میں نے پہچان لیا۔

اسی طرح سے وہ حدیث کہ دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے مرسلاً عبدالرحمٰن بن عائش رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ: میں نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا، کہا: کس میں فرشتے نزاع کرتے ہیں؟ میں نے کہا: تو خوب جانتا ہے، پس اس نے اپنی ہتھیلی کو میرے شانوں میں رکھا یہاں تک کہ میں نے اس کی برودت کو پستانوں میں محسوس کی، پس میں نے آسمان اور زمین میں جو چیزیں ہیں ان کو معلوم کیا۔

اس لئے کہ ظاہران احادیث کا دال ہے کہ نبی ﷺ کے واسطے کل چیزیں منکشف ہوئی اور آپ نے کل اشیاء کو جو آسمان اور زمین میں تھیں معلوم کیا، اور یہ ہمارے گذشتہ

يعارض ما ذكرنا من الأيات البينات والاحاديث الصحيحة ، كما هو شان الذين بلغوا الاقصى فى سياحة ارض الشريعة ووصلوا المنتهى فى سباحة بحر الحقيقة ، فنقول : ان التاويل الذى لا يكاد ان يخرج من حيز التعويل ، ان تجلي كل شئ وانكشافه له صلى الله عليه وسلم لا يستدعي علم جميعه بل يستدعي علم ما اعلمه اللّٰه تعالىٰ ، وصار ملتفتا اليه بالذات، ولذا قال العلامة القارى فى شرحه : تجلى لى كل شئ ، اى مما اذن اللّٰه فى ظهوره لى من العوالم العلوية والسفلية مطلقا او مما يختصم به الملأ الاعلىٰ خصوصاً ، الا ترى ان نبينا صلى الله عليه وسلم لمّا اسرى به الى المسجد الاقصى، راى ذلك ، الا انه اذا قفل عنه وسالته قريش عن اشياء منه توقف فى الجواب ، لعدم التفاته صلى الله عليه وسلم اليها بالذات ، حتى عرض عليه

---

بیان کے خلاف ہے۔ پس ہم کوضرور ہے کہ اس کی تاویل ایسی کریں کہ جو آیات اور احادیث صحیحہ جو مذکور ہوئیں ان کے ساتھ وہ معارض اور مخالف نہ ہو جیسا کہ وہ دأب ہے ان لوگوں کا جو زمین شریعت کی سیاحت میں نہایت کو اور دریائے حقیقت کی سباحت میں انتہاء کو پہونچے ہیں، پس ہم عرض کرتے ہیں کہ وہ تاویل جو احاطۂ اعتبار سے خارج نہ ہوگی یہ ہے کہ ہر شی کی تجلی اور انکشاف نبی ﷺ کے لئے مقتضی نہیں ہے تمام شئ کے علم کو، بلکہ مقتضی اس قدر اشیاء کے علم کو ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے آپ کو معلوم کرایا تھا، اور آپ ان کی طرف بالذات ملتفت تھے، اسی لئے علامہ قاری نے شرح میں لکھا کہ: ظاہر ہوئی آپ کے لئے کل شئ یعنی ہر وہ چیز کہ خواہ عالم سفلی اور عالم علوی کی، عموماً ہو یا خصوصاً، وہی جس میں فرشتے نزاع کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کو آپ پر ظاہر ہونے کی اجازت دی ہے۔ کیا تونہیں جانتا کہ نبی ﷺ کو جب راتوں رات مسجد اقصیٰ کی جانب لے گئے تو آپ ﷺ نے اس کو دیکھا تھا، مگر جب آپ ﷺ وہاں سے لوٹے اور چند اشیاء سے جو وہاں

**فانبأ عما كان يسئل عنه ، وعلى هذا يقال ان المراد بقوله فعلمت ما فى السمٰوات والارض انه صلى الله عليه وسلم علم جميع ما اعلمه اللّٰه تعالىٰ ، وكان ملتفتا اليه بالذات مطلقا ،**

**يوئده ما قاله العلامة القارى فى شرح هذه الجملة ' يعنى ما اعلمه اللّٰه تعالىٰ مما فيهما من الملا ئكة والاشجار وغيرهما ، وهو عبارة عن سعة علمه الذى فتح اللّٰه به عليه ، ولما كان هذا التاويل عندهؒ معولا عليه تعاقب ما افاد الحافظ ابن الحجر العسقلانى فى شرحها : اى جميع الكائنات التى فى السمٰوات بل وما فوقها**

تھیں آپ ﷺ سے قریش نے سوال کیا ،تو آپ ﷺ کو جواب میں توقف کرنا پڑا، اس لئے کہ آپ ﷺ نے ان اشیاء کی جانب بالذات التفات نہ کیا تھا، اور اللہ نے اس کا علم نہیں دیا تھا، یہاں تک کہ جب آپ ﷺ کے سامنے وہ پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے ان کے سوالات کے جوابات دیئے، بناء علیہ کہا جائے گا کہ مراد حضرت ﷺ کے اس قول سے کہ میں نے جمیع اشیاء کو جو آسمان اور زمین میں ہیں معلوم کیا یہ ہے کہ حضرت ﷺ نے ان ہی جمیع اشیاء کو معلوم کیا کہ اللہ نے آپ ﷺ کو ان کا علم عطا کیا، اور آپ ﷺ نے اس کی جانب التفات کیا مطلقاً جمیع اشیاء مراد نہیں ہیں۔

علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس جملہ کی شرح میں جو فرمایا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ: یعنی آپ ﷺ نے جانا جس قدر کہ آسمان اور زمین سے فرشتے اور درخت وغیرہ کو آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے معلوم کرایا۔ اور مقصود اس سے آپ ﷺ کے علم کی جس کو آپ ﷺ پر مفتوح کیا تھا وسعت ہے۔ چونکہ یہ تاویل علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معتمد علیہ ہے، اس لئے انہوں نے ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ سے جو اس جملہ کی شرح میں لکھا تھا کہ آپ ﷺ نے جمیع مخلوقات کو جانا جو آسمانوں میں ہیں، بلکہ

لما يستفاد من قصة المعراج والأرض هي بمعنى الجنس ، اى وجميع ما فى الارضين السبع بل وما تحتها كما افاده اخباره عليه السلام عن الثور والحوت اللذين عليهما الارضون كلها ، بان قال لكن لابد من التقييد الذى ذكرناه اذلا يصح اطلاق الجميع كما هوالظاهر،

ومن هٰهنا علم ان ماذكر فى " روح البيان " وكذا صار علمه محيطا بجميع المعلومات الغيبية الملكوتية ، كما جاء فى حديث اختصام الملا ئكة انه قال : فوضع كفه على كتفيّ ، فوجدت بردها بين ثديي، فعلمت علم الاولين والاخرين، وفى رواية : علم ماكان وماسيكون ، فالمراد بجميع المعلومات الغيبية الملكوتية ومعلومات الاولين والاٰخرين وما كان وما يكون المعلومات التى اطلعه صلى الله عليه وسلم عليها مما كانت لائقة برسالته لا للجميع مطلقا ، والالصادم هٰذا الخبر ما ذكر

---

مافوق اس کے، جیسے قصہ معراج سے معلوم ہوتا ہے، اور ساتوں زمینوں میں ہیں، بلکہ ماتحت ان کے جیسے کہ بیل اور مچھلی کی خبر اس کو مفید ہے، اس پر اعتراض کیا کہ جمیع کے ساتھ وہ قید جو ہم نے بیان کی ہے اس کو لگانا چاہئے، اس لئے کہ جمیع کو مطلق چھوڑنا صحیح نہیں ہے، چنانچہ ظاہر ہے اس مقام سے۔

معلوم ہوا کہ جو عبارت کہ تفسیر'' روح البیان'' میں مذکور ہے کہ اسی طرح حضرت ﷺ کا علم جمیع معلومات غیبیہ ملکوتیہ کو شامل ہے، جیسا کہ حدیث اختصام ملائکہ میں وارد ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی کو میرے شانہ پر رکھا، تب میں نے اس کی برودت پستانوں میں محسوس کی، پس میں نے علم اولین اور آخرین کو، اور ایک روایت میں ہے: پس جان لیا میں نے علم ماقبل اور مابعد کو۔ پس مراد جمیع معلومات غیبیہ اور علم اولین اور آخرین اور علم ما کان اور ما یکون سے جو ذکر ہوئے وہ معلومات ہیں کہ اللہ نے حضرت کو ان پر مطلع کیا،

من النصوص القاطعة التي مرت من قبل ، فيسقط لانحطاط درجته في جنبها ، بل لو اريد بجميع المعلومات الغيبية الملكوتية معناها الظاهر ، لوقع التعارض بين عبارة روح البيان هذه وعبارته في تفسير قوله تعالیٰ " الا من ارتضى من رسول " اى الا رسولا ارتضاه واختاره لاظهاره على بعض الغيوب المتعلقة برسالته ، كما يعرب عنه بيان من ارتضى بالرسول تعلقا، اما لكونه من مبادئ رسالته بان يكون معجزة دالة على صحتها، واما لكونه من اركانها واحكامها كعامة التكاليف الشرعية التي امربها المكلفون وكيفيات اعمالهم واجزيتها المترتبة عليها في الآخرة ، وما يتوقف هي عليه من اقوال الآخرة التي من جملتها ' قيام الساعة والبعث وغير ذلک من الامور الغيبية التي بيانها من وظائف الرسالة ، واما ما لا يتعلق بها على احد

---

اوران کا تعلق آپ کی رسالت سے ہے، اوران سے جمیع معلومات مطلقاً مرادنہیں ہے، ورنہ یہ حدیث جونصوص قطعیہ کے مذکور ہوئیں ان کی معارض ہوگی، پس وہی بوجہ درجہ میں کم ہونے کے ساقط ہوگی، بلکہ اگر جمیع معلومات غیبیہ اور مشابہ اس کے سے معانی ظاہر مراد لئے جائیں گے، تو ''روح البیان'' کی اس عبارت میں اوراس عبارت میں جو''اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی من رسول '' کی تفسیر میں واقع ہے تعارض واقع ہوگا۔ عبارت اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، مگر رسول کو کہ اس کے لئے بعض غیوب جو متعلق ہیں رسالت سے، خواہ کسی طرح سے ہو ظاہر کرنا پسند کیا ہے، چنانچہ بیان''من ارتضی من رسول ''اس کو مظہر ہے، اور بعض غیوب کا تعلق رسالت سے یا اس لئے کہ وہ مبادی رسالت ہیں یعنی معجزے جو دال ہیں صحت رسالت پر یا اس کا تعلق رسالت سے اس طور سے ہو کہ وہ رسالت کے ارکان اور احکام ہوں، جیسے تکالیف شرعیہ کہ ان سے مکلّف مامور ہیں، اور کیفیات اعمال اور جزا جو مرتب ہوگی آخرت میں عمل پر اور موقوف علیہ رسالت

الـوجهيـن من الغيوب التى من جملتها وقت قيام الساعة فلايظهر عليه ابدا ، واولى الاشيـاء عندنا ان تحمل الاقوال على محاملها بحيث لا تتعارض فيما بينها ، ومن ثم الـمهـرة الذين كانت لهم يد طولى وحظ اوفى فى معرفة دقائق ما تلقفت من معدن الرسالة صلى الله عليه وسلم خـصـصوا مايفيد ظاهره عموم علمه صلى الله عليه وسلم بالذى كان ويكون بوجه يلا ئمه المقام ،

الا تـرىٰ مـا روى الشيـخـان عن حذيفة قال : قام فينا رسول اللّٰه صـلـى الله عليه وسلم مقاما ما ترک شيئا يكون فى مقامه ذلک الى قيام الساعة ، الاحدث به حفظه من حفظه ونسيه من نسيه ، قد علمه اصحابى هؤلاء وانه ليكون منه الشيئ قد نسيته فاراه فاذكره كما يذكر الرجل وجه الرجل اذا غاب عنه ، ثم اذا راه عرفه فان قوله

---

جیسے قیام قیامت اور بعث وغیرہ، وامورغیب کہ بیان ان کا دستور رسالت ہے، اور جو غیب کہ ان کا تعلق رسالت سے دونوں وجھوں میں سے کسی وجہ سے نہ ہو، جیسے تعیین وقت قیام قیامت۔ پس اس پر اللہ کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ اور سب سے بہتر ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اقوال کو ایسے موقع پر حمل کریں کہ آپس میں وہ متعارض نہ ہوں، اس لئے ماہرین جن کو دستگاہ کامل تھی حضرت ﷺ سے جو چیز کہ ماخوذ ہے اس کے دقائق کی معرفت میں انہوں نے جو کلام کہ بظاہر مشعر ہو کہ حضرت کا علم ما کان و ما یکون کو شامل ہے، اس کی تخصیص اس طرح سے کی کہ مناسب مقام کے ہے۔

کیا نہیں دیکھتا ہے تو اس حدیث کو جو شیخین رحمۃ اللہ علیہما نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے بیچ میں ایک مقام پر کھڑے رہے، آپ نے کوئی چیز کو جو قیامت تک ہوگی، اسی مقام میں بدون بیان کے چھوڑا نہیں، جس نے یاد رکھا یاد رکھا اور جو بھول گیا بھول گیا، بے شک اس کو بالاجمال میرے ان اصحاب نے جانا ہے، ان

صلی الله علیه وسلم شیئا لوقوعه فی حیز النفی یصیر عاما فیلزم حینئذ التحدیث بکل شئ یکون من ذلک الوقت الی قیام الساعة ، والتحدیث بکل شئ لایمکن من دون علمه ، فلزم کونه صلی الله علیه وسلم عالما بکل شئ یکون الی قیام الساعة وهو یزاحم النصوص القاطعة ، فخصص العلامة القاری قوله صلی الله علیه وسلم ما ترک شیئا بقوله یحدث فیه ، وینبغی ان یخبر بمایظهر من الفتن من ذلک الوقت الی قیام الساعة ، وقد وقع التصریح بذلک فی روایة اخری " واللّٰه ما ترک رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم من قائد فتنة الی ان تنقضی الدنیا " وکان ابوهریرة حفظ تفاصیلها الا انه اعرض عن حدیثها لخوف هلاکه کما قال " حفظت من رسول اللّٰه

میں سے جو چیز کہ میں بھول گیا ہوں موجود ہوتی ہے جب میں اس کو دیکھتا ہوں تو یاد کرلیتا ہوں میں اس کو جیسے کوئی یاد کرلیتا ہے چہرہ اس شخص کا کہ اس سے وہ غائب ہوگیا، پھر جب اس کو دیکھ لیا تو پہچان لیا اس کو، اس لئے کہ حضرت ﷺ کا قول جو ''شیئا'' ہے چونکہ وہ نیچے نفی کے داخل ہے، اس لئے وہ عام ہوگا، پس اس وقت لازم آئے گی یہ بات کہ جو چیز کہ اس وقت سے قیامت تک ہوگی اس کو حضرت ﷺ نے بیان کی، اور ہر ایک چیز کا بیان کرنا بدون اس کے علم کے غیر ممکن ہے۔ پس لازم آئی یہ بات کہ حضرت ﷺ نے اس وقت سے قیامت تک جو چیز کہ ہونے والی ہے اس کو جانا، حالانکہ یہ نصوص قطعیہ کو منافی ہے۔ پس علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ﷺ کے قول ''ماترک شیئا'' کو اس قول سے تخصیص کی کہ آپ نے نہیں چھوڑی کسی چیز کو جو اسی مقام میں ہوگی نہ غیر میں، اور ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے جمیع فتن کی جو اس وقت سے قیامت تک ظاہر ہوں گے ان کی خبر دی ہو، بلکہ دوسری روایت میں اسی کی تصریح بھی ہے کہ حضرت ﷺ نے تا انقطاع دنیا جو قائد فتنہ ہوگا اس کو نہیں چھوڑا، اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تفصیلاً ان فتنوں کو یاد رکھا تھا، مگر

**صلى الله عليه وسلم وعائين ، فاما احدهما فبثثته فيكم ، واما الأخر فلو بثثته لقطع هذا البلعوم ،**

**والى ما روى الترمذى عن ابى سعيد الخدرى قال : " قام فينا رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم خطيبا بعد العصر ، فلم يدع شيئا يكون الى قيام الساعة الا ذكره ، حفظه من حفظه ونسيه من نسيه ، فان هٰهنا ايضا قوله شيئا عامًا كما عرفت، فخصصه القارى بقوله مما يتعلق بامر الدين ، فما لابد منه ومثل هذا التاويل ذكر فى قوله تعالىٰ :" وعلمك ما لم تكن تعلم " قال خازن اى من احكام الشرع وامور الدين وذلك لان سباق الأية وهو " وانزل اللّٰه عليه الكتاب والحكمة " يرجحه ،**

---

انہوں نے خوف ہلاکت کے سبب ان کو بیان نہیں کیا، چنانچہ انہوں نے کہا کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے دوظرف حدیث کے یاد کئے تھے: ایک تو میں نے لوگوں میں شائع کیا، اور دوسرے کو اگر میں شائع کرتا تو میرا حلقوم قطع ہو جاتا۔

اور کیا تو نہیں دیکھتا اس حدیث کو جو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ ہمارے اندر حضرت ﷺ بعد عصر خطبہ کے لئے کھڑے رہے پس آپ ﷺ نے کسی چیز کو جو قیامت تک ہوگی بدون ذکر کے نہیں چھوڑا جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا سو بھول گیا۔ اس لئے کہ یہاں بھی لفظ ''شیئا'' جیسے پہچانا تو نے عام ہے۔ پس علامہ قاری نے اس کی بھی تخصیص کی کہ مراد ''شیئا'' سے وہ امور ضروری ہیں کہ ان کا تعلق دین سے ہے۔

اور مثل اس تاویل کے ''قولہ تعالیٰ﴿ وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمْ ﴾ میں مذکور ہے۔ خازن نے کہا کہ: مراد ما سے یہاں احکام شرع وامور دین ہیں، اس لئے کہ اس کے پیشتر جو﴿ وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ ﴾ ہے اسی کو مرجح ہے۔

وايضا ذكر فى ما روى احمد والطبرانى عن ابى ذر قال لقد تركنا رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم وما يحرك طائر فى السماء الا ذكرنا منه ،

قال صاحب مجمع البحار تركنا رسول اللّٰهصلى الله عليه وسلم وما طائر يطير الا عندنا منه علم يعنى انه استوفى بيان الشريعة حتى لم يبق مشكل فضربه مثلا ، وقيل اراد انه لم يترك شيئًا الا بينه حتى احكام الطير ومايحل وما يحرم وكيف يذبح وما الذى يفدى عنه محرم اذا اصابه ونحوه ، ولم يرد ان فيه علما سواه، وايضا ذكر مثل هذا التاويل فى قوله القاضى عياض، واطلعه عليه من علم ما كان و ما يكون ،

---

اور نیز یہ تاویل اس حدیث میں جو طبرانی اور احمد رحمۃ اللہ علیہما نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ﷺ نے ہم کو پرندہ جو آسمان میں حرکت کرتا ہے اس کے ذکر کئے بغیر نہیں چھوڑا۔

صاحب مجمع البحار نے کہا کہ: چھوڑا ہم کو حضرت ﷺ نے اس حالت میں کہ جو پرندہ کہ اڑتا ہے اس کا علم ہمارے نزدیک ہے۔اس کی مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے پورا بیان کیا شریعت کو یہاں تک کہ کوئی مشکل باقی نہیں رہی۔ یہ بطور مثال کے آپ نے بیان کیا۔ اور بعض نے کہا کہ: مراد ان سے یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بدون ذکر کسی چیز کو نہ چھوڑا، یہاں تک کہ احکام پرندے یعنی اس کی حلت اور حرمت، اور کیفیت ذبح کو، اور کون سے جانور کے شکار سے فدیہ لازم ہے محرم پر، اس کو اور مانند اس کے کو آپ ﷺ نے بیان کردیا، اور اس میں آپ نے سوائے اس کے اور علم کا ارادہ نہیں کیا ہے، اور نیز ایسی تاویل مذکور ہے قول قاضی عیاض میں کہ اللہ نے حضرت ﷺ کو مطلع کیا ہے ما کان اور ما یکون پر۔

علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح میں اس کی تخصیص کی ہے کہ مراد موقوف علیہ سعادت

قال العلامة القارى فى شرحه : قد خصصه بقوله من السعادة والشقاوة ، فان الشريعة قد كفلت بيان ما يترتب عليه السعادة والشقاوة وانت خبير بان نبينا صلى الله عليه وسلم انما بعث لتعليم الشرائع التى ينطت بها السعادة الابدية والحيٰوة السرمدية وتلك غائبة عن اعين الناس فلا يعلمها احد الا باعلام اللّٰه له ، كما قال تعالىٰ : ﴿ عالم الغيب فلا يظهر علىٰ غيبه احدا الا من ارتضى من رسول ﴾ ،

فان الشيخ ابن العربى قال فى الباب الواحد وعشرين وثلثمائة من الفتوحات ان المراد بهذا الغيب المخصوص بمن كان رسولا هو علم التكاليف الذى غاب عن العباد ، ولم تستقل عقوله بادراكه ، ولهذا جعل له الملا ئكة رصدا حذرا من الشياطين ان تلقى الى الرسول ما يعمل به فى نفسه من التكليف الذى جعله اللّٰه طريقا الى سعادة العباد من امر و نهي ، ويؤيد ما قلناه من ان هذا الغيب هو علم

---

اور شقاوت ہے، اس لئے کہ شریعت اس کے بیان کی کفیل ہے تو خبردار ہے کہ حضرت ﷺ ان احکام کی تعلیم کے لئے کہ جن پر مدار سعادت ابدیہ اور حیات سرمدیہ ہے مبعوث ہوئے تھے اور وہ احکام لوگوں کی نظروں سے غائب ہیں پس اس کو کوئی نہیں جانتا مگر جس کو اللہ نے معلوم کروایا، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: " عالم الغيب " الآية۔

ابن عربی نے فتوحات کے تین سو اکیس باب میں بیان کیا ہے کہ: اس علم غیب سے جو رسول ﷺ سے مختص ہے علم احکام ہیں کہ جو بندوں سے غائب ہے اور بندے اس کے ادراک میں مستقل نہیں ہیں، اس لئے اللہ نے فرشتوں کو اس کے لئے محافظ بنایا اس خوف سے کہ شیاطین رسول کی جانب ایسے حکم کا القاء کریں گے کہ اس کو اللہ نے جو راہ سعادت بنائی ہے اس سے سمجھے گا۔ اور ہمارے اس قول کی کہ اس غیب سے مراد علم احکام ہیں کہ ان کو رسول اللہ ﷺ کی جانب سے پہونچاتے ہیں تائید قول ﴿ لِيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ

الرسالة التى يبلغها الرسل عن اللّٰه تعالٰى ، قوله تعالٰى ﴿ ليعلم ان قد ابلغوا رسالات ربهم ﴾ فاضاف الرسالة الٰى قوله ربهم بما علموا ان الشياطين لم تلق اليهم ، اعنى الرسل شيئا ، فيتيقنون ان تلك الرسالة من اللّٰه تعالٰى لا من غيره ، فكان اللّٰه تعالٰى يوحيها اليه علٰى حسب داعية الضرورة ، حتى انه ما خرج عن الدنيا الا وقد عَلِمَها وعَلَّمَها ولم يفت عن علمه شئ منها ، كما قال تعالٰى ﴿ ونزلنا عليك الكتاب تبيانا لكل شئ ﴾

قال الامام الرازیؒ من الناس من قال : القراٰن تبيان لكل شئ " وذٰلك لان العلوم اما دينية اوغير دينية ، اما العلوم التى ليست بدينية فلا تعلق لها بهذه الاٰية ، لان من المعلوم بالضرورة ان اللّٰه تعالٰى انما مدح القراٰن لكونه مشتملا على علوم

---

رَبِّهِمْ﴾ کرتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے نسبت کی ہے رسالات کی رب کی جانب تا کہ معلوم کریں کہ شیطانوں نے رسولوں کی جانب کچھ القا نہیں کیا، پس یقین کریں گے کہ یہ رسالت اللہ ہی کی طرف سے ہے نہ غیر سے۔ پس اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی طرف ان احکام کی حسب ضرورت وحی کرتا تھا، یہاں تک کہ آپ ﷺ دنیا سے تشریف نہ لے گئے جب تک کہ آپ ﷺ نے ان کو نہ سیکھا اور نہ سکھلایا، اور آپ ﷺ کے علم سے ان احکاموں میں سے کوئی حکم نہیں چھوٹا، جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ: تمہارے اوپر ہم نے ایسی کتاب جو سراپا بیان ہے ہر شئے کا نازل کی۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ بعض آدمیوں نے کہا کہ قرآن بیان ہے ہر شئی کا، اس لئے کہ علوم یا دینی ہیں یا غیر، جو علوم کہ دینی نہیں ہیں ان کو اس آیت سے کچھ تعلق نہیں ہے، اس لئے کہ بدیہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی جو مدح کی ہے اسی لئے کہ وہ مشتمل ہے علوم دین پر، اور جو علم کہ دینی نہیں ہے وہ قابل التفات نہیں ہے، اس مقام

الـديـن ، فاما ما لا يكون من علوم الدين ، فلا التفات اليه ، ومن ثم ظهر ان ماقيل فى شرح مختصرا بن جمرة :" وقد ورد ان النبى صلى الله عليه وسلم لم يخرج من الدنيا حتـى اطـلـعه على كل شئ " فالمراد به اطلعه على كل شئ من امور الدين كما اريد فـى هذه الأية ، وماروى احمد عن ابن مسعودؓ " اوتى نبيكم علم كل شئ سوى هذه الخمس " فالمراد به ايضا علم كل شئ من امور الدين ، واما غيرها من امور كاحوال السموات والارض وما بينهما وتنقيح حقائقها وتفاصيل ماهياتها وكيفيات تراكيب اجـزائهـا وغيـرهـا ، فعدم علمها لايقدح فى شانه صـلـى الله عليه وسلم لانـه لم يبعث لاجها ، فلهذا قال صلى الله عليه وسلم " واذا امرتكم بشئ من رأيي فانما انا بشر "

سے ظاہر ہوئی یہ بات کہ جو عبارت کہ مختصر ابن جمرہ کی شرح میں لکھی گئی کہ نبی ﷺ نے دنیا سے نہیں انتقال کیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کو ہر شئی پر مطلع کیا۔ پس مراد اس سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کو ہر ان اشیاء پر مطلع کیا کہ جو امور دین سے ہوں، جیسے اس آیت میں مراد ہے۔ اور نیز جو حدیث کہ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ تمہارے نبی ﷺ ہر شے کے علم کو سوائے ان پانچ اشیاء کے دیئے گئے ہیں۔ پس مراد اس سے یہی ہے کہ آپ ﷺ کو علم ہر شئی کا جو امور دین سے دیا ہے۔ اور جو امور کہ ان کا تعلق دین سے نہیں ہے جیسے احوال آسمان اور زمین اور مابین ان دونوں کے اور ان کی حقیقت اور ماہیت کی تنقیح اور تفصیل اور ترکیب اجزاء کی کیفیت وغیرہ جو امورِ دین سے نہیں ہیں پس ان کا نہ جاننا آپ ﷺ کی شان میں قادح نہیں ہے، اس لئے کہ آپ ان کے لئے نہیں مبعوث ہوئے تھے، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جب میں تم کو کسی چیز کا اپنی رائے سے حکم کروں پس میں بشر سے ہوں۔

اور اگر تسلیم کیا جائے کہ نبی ﷺ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو آپ ﷺ سے

ولم سلم ان النبی صلی الله علیه وسلم خرج من الدنیا وما فات عنه شیٌٔ من العلوم لنسخ قوله تعالیٰ ”وعنده مفاتح الغیب“ وامثاله من النصوص القطعیة والنسخ لایثبته مجرد الاحتمال ما لم یقم علیه دلیل یفحم الناظر، فمن ادعیٰ ذلک فَلْیَأْتِ بدلیل علی ذلک ودونه خرط القتاد،

---

کوئی علم فوت نہیں ہوا تھا تو البتہ منسوخ ہوگی آیۃ ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ﴾ الآیة ۔ جونصوص قطعی ہیں اور نسخ بدون دلیل صرف احتمال سے نہیں ہوتا تاوقتیکہ اس پر کوئی دلیل جو ناظر کو ساکت نہ کرے قائم ہو۔ پس جو شخص کہ اس کا دعویٰ کرے تو اس کو چاہئے کہ اس پر دلیل لائے ورنہ کانٹے دار شاخ کو ہاتھ میں بند کر کے کھینچتا ہے۔

الفصل الثانی

اعلم ان اللّٰه تعالیٰ حرم علی الارض ان تأكل أجساد الانبياء ، فهم أحياء فی قبورهم ، يرزقون بما اٰتاهم اللّٰه من فضله ، لما صح عن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم (( ان اللّٰه حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبياء ، فنبى اللّٰه حي يرزق )) فكما انهم فی حال حيا تهم فی الدنيا يتمكنون في مواضع متعددة ، في ازمنة مختلفة كذلک بعد ارتحالهم من الدنيا لو يخرجون من الاجداث لحيا تهم ولطافة اجسادهم وتقوي قواهم واطلاق ارواحهم عن قيد ابد انهم فيدورون فی اقطار الارض ويلاقون كثيرا من الناس لداعية الضرورة باذن اللّٰه تعالیٰ فی اليقظة فی

## دوسری فصل

## انبیاء علیہم السلام وفات کے بعد بھی زندہ ہیں

جان تو اے عزیز کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے بدن کو کھانا حرام کیا ہے، اس لئے کہ وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور وہ وہاں روزی دیئے جاتے ہیں اس چیز سے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دیا ہے، اس لئے کہ بطور صحت کے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ اللہ نے زمین پر انبیاء کے ابدان کو کھانا حرام کیا ہے، اس لئے کہ نبی زندہ ہیں اور روزی دئے جاتے ہیں، پس جیسے وہ دنیا میں بجین حیات مختلف زمانہ میں متعدد مقامات میں جاگیر ہوتے تھے، اسی طرح سے دنیا سے کوچ کرنے کے بعد بھی وہ بسبب حیاۃ حقیقی اور لطافت جسمانی وکمال قوت وقویٰ وآزادی ارواح اپنی قبور سے نکلیں، اور اطراف زمین میں گشت کریں، اور کسی ضرورت کے باعث خدا کے حکم سے آدمیوں سے بحالت بیداری مختلف مواضع میں اوقات متفرق میں ملاقات کریں، پس کچھ مستبعد شرعاً اور

مواضع مختلفة واوقات متعددة ، فلا يستبعد عند الشرع والعقل ، كما يدل عليه ما روى مسلم عن ابى هريرة من حديث ،

من جملته وقد رايتني فى جماعة من الانبياء ، فاذا موسىٰ قائم يصلى ، فاذا رجل ضرب جعد كأنه من رجال شنؤة، واذا عيسىٰ قائم يصلى ، اقرب الناس به شبها عروة بن مسعود الثقفى ، فاذا ابراهيم قائم يصلى ، اشبه الناس به صاحبكم ، يعنى نفسه ، فحانت الصلوٰة ، فاممتهم ، الحديث ،

قال القارى وهذه الرواية التى ظفر بها النبى صلى الله عليه وسلم كانت فى ليلة الاسراء بعد انصرافه من السماء اوقبل عروجه اليها غيرانها تغاير رؤية السماء بالاتفاق ،

---

عقلاً نہیں ہے۔اس پر وہ حدیث جو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی دال ہے۔

منجملہ اس حدیث کے حضرت ﷺ نے فرمایا کہ: میں نے اپنے کو جماعت انبیاء میں دیکھا۔پس موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کے نماز پڑھتے تھے،اور وہ میانہ قد اور ٹھوس بدن ہیں، گویا کہ قبیلۂ شنؤہ کے آدمیوں میں سے ہیں۔اور عیسیٰ علیہ السلام بھی کھڑے ہوکر نماز پڑھتے تھے،سب سے زیادہ مشابہ ان سے عروہ بن مسعود ثقفی ہیں۔اور ابراہیم علیہ السلام بھی کھڑے ہو کے نماز پڑھتے تھے،ان کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ میں ہوں۔پس قریب ہوا وقت نماز کا،پس میں نے ان کی امامت کرائی۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا: حضرت ﷺ کو یہ رؤیت شب معراج ہی میں حاصل ہوئی تھی،خواہ عروج کے اول ہو یا بعد میں،مگر یہ روایت اتفاقاً اس رویت کے غیر ہے جو آپ کو آسمان میں انبیاء مذکورین وغیرہم سے ہوئی تھی۔

قال العلامة القارى فى شرحه : وهذه الرؤية انما كانت باجسادهم مع ارواحهم لا بارواحهم فقط كما قيل لما سبق " انهم احياء عند ربهم " وان اللّٰه حرم على الارض ان تاكل لحومهم ، ثم اجسامهم كأرواحهم لطيفة غير كثيفة ، فلا مانع لظهورهم فى عالم الملك والملكوت على وجه الكمال بقدرة ذى الجلال، وما يؤيد تشكل الانبياء وتصورهم على وجه الجمع بين اجسادهم وارواحهم ، قوله فاذا موسىٰ قائم يصلى، فان حقيقة الصلٰوة وهى الا تيان بالافعال المختلفة انما تكون للاشباح لا للارواح ، لا سيما، وكا لتصريح فى المعنى المراد قوله : فاذا رجل ضرب جعد من رجال شنوءة الخ ،

ثم قال : قال القاضى عياض : فان قيل كيف رأى موسىٰ عليه السلام يصلى وام

علامہ قاری شرح میں لکھتے ہیں کہ: یہ رویت آپ کی انبیاء کے ابدان اور ارواح دونوں سے متعلق تھی نہ صرف ان کی ارواح سے جیسا کہا گیا، اس لئے کہ پہلے یہ بیان گذرا کہ انبیاء علیہم السلام اللہ کے نزدیک زندہ ہیں، اور اللہ نے ان کے گوشت کو زمین پر کھانا حرام کیا ہے۔ پھر ان کے اجسام ان کی ارواح کی طرح لطیف ہیں' کثیف نہیں ہیں، پس اگر بطور کمال ان کا ظہور عالم ملک اور ملکوت میں اللہ کی قدرت سے ہو تو کوئی مانع نہیں ہے۔ اور آپ ﷺ کا انبیاء کو بحالت نماز ملاحظہ کرنا اس امر کو مؤید ہے کہ وہ معہ جسم اور روح دونوں کے متشکل تھے، اس لئے کہ نماز نام ہے چند افعال مخصوصہ کے ارتکاب کا، اور افعال کا ظہور ابدان ہی سے ہوتا ہے نہ کہ ارواح سے، خصوصاً آپ ﷺ کا فرمانا کہ: موسیٰ علیہ السلام میانہ قد اور ٹھوس بدن تھے، گویا کہ یہ تصریح ہے کہ وہ مع ابدان وارواح کے موجود تھے۔

## موسیٰ علیہ السلام سے آسمان پر ملے، پھر بیت المقدس میں کیسے تھے؟

پھر انہوں نے لکھا کہ قاضی عیاض نے کہا کہ: آپ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام وغیرہ کو

صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء فی بیت المقدس ووجدهم علی مراتبهم فی السمٰوات ، فالجواب يحتمل انه صلی اللہ علیہ وسلم راٰهم وصلی بهم فی بيت المقدس ، ثم صعدوا الی السماء فوجدهم فيها وان يكون اجتماعهم وصلوٰته معهم بعد انصرافه ورجوعه عن سدرة المنتهی ، ثم قال : والاظهر انه لامنع من الجمع حيث لايخالفه العقل والسمع مع ان الامور الخارقة للعادة عن الكيفية العقلية خارجة ،

فقد روی انه قيل للسيد عبد القادر الجيلانی قدس سره ان قضيب البان ما يصلی ؟ فقال لا تقولوا فان راسه دائما علٰی باب الكعبة ساجد ، وتشكله بصورة المتعددة فی الامكنة المختلفة معروف عند طبقة الصوفية ،

بحالت نماز کیسے دیکھا؟ اوران کو بیت المقدس میں کیسے نماز پڑھائی؟ حالانکہ آپ ﷺ نے ان کواپنے مراتب پرآسمان میں پایا۔اس کا جواب یہ ہے کہ: ممکن ہے کہ آپ نے ان کو بیت المقدس میں دیکھا اوران کے ساتھ نماز پڑھی، بعدہ وہ سب آسمان پر گئے ہوں، پس آپ ﷺ نے ان کو وہاں بھی پایا ہو، اور ممکن ہے ان سے اجتماع اور مع ان کے آپ ﷺ کی نماز سدرۃ المنتہٰی سے لوٹنے کے بعد ہو، پھرانہوں نے کہا کہ ظاہر تر یہ ہے کہ بدن کا معہ روح جمع ہونا ممتنع نہیں ہے، اس لئے کہ یہ مخالف عقل اورنقل نہیں ہے، علاوہ یہ کہ امورخلاف عادت ادراک عقل سے خارج ہی ہوتے ہیں۔

## قضیب البان نامی ولی نماز نہیں پڑھتے

روایت ہے کہ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے کہا گیا کہ قضیب البان نامی ولی نماز نہیں پڑھتے۔آپ نے فرمایا: ایسا مت کہو، ان کا سر ہمیشہ دروازۂ کعبہ پر ساجد ہے۔اور قضیب البان کا متعدد صورتوں سے متشکل ہوکے متفرق مکانوں میں جانا فرقہ صوفیہ میں مشہور ہے۔

فكأن الانبياء عليهم السلام كانوا يصلون فى قبورهم و يستزيدون فى سرورهم بنورهم وظهورهم ، فلما تبين لهم اسراء سيدالانبياء الى جهة السماء ' استقبلوه واجتمعوا معه فى بيت المقدس الذى هو مقر الاصفياء ، واقتدوا بالامام الحى الذي هو افضل رجال الطي ثم تقدموا بطريق المشايعة وآداب المتابعة الى السموات ، وتوقف كل فيما اعطاه اللّٰه تعالىٰ من المقامات ، فمرعليهم وخص كلا بالسلام عليه ، وهم اظهروا الترحيب والتعظيم لديه مع سائر الملائكة المقربين وحملة العرش و الكروبيين الى ان تجاوز سدرة المنتهیٰ، وانتهیٰ الى قاب قوسين اوادنیٰ، فاوحیٰ الى عبده ما اوحیٰ، ماكذب الفواد مارآى ، ثم رجع واجتمع بسائر الانبياء ثانيا، ونزلوا معه متقدمين ومتأخرين وتباينوا الا ان اجتمعوا فى المسجد الاقصیٰ

---

پس انبیاء علیہم السلام مارے خوشی کے اپنی قبور میں مع ارواح اور ابدان کے نماز پڑھتے تھے، جب ان کو حضرت ﷺ کا عروج الی السماء معلوم ہوا تو انہوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا، اور آپ سے بیت المقدس میں جو مقام اصفیاء ہے ملاقات کی، اور آپ ﷺ کے پیچھے اقتداء کی، پھر بطریق مشایعت آسمان تک گئے۔ اور ہر ایک اپنے مقام میں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیا ہے ٹھہرا، پس آپ ﷺ نے ان پر مرور کیا، اور ہر ایک سے آپ رسم سلام بجالائے، اور انہوں نے معہ فرشتے وحاملان عرش آپ کو مرحبا کہا، یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ سے گذر گئے، اور مقام قاب قوسین بلکہ اس سے آگے آپ پہنچے، پس اللہ نے وحی کی اپنے بندے کی طرف جس قدر کہ وحی کی، اور جو کچھ آپ ﷺ نے ملاحظہ کیا اس کی آپ ﷺ کے دل نے تکذیب نہ کی، پھر آپ ﷺ نے رجوع کیا اور کل انبیاء سے دوبارہ ملاقات کی، اور سب آسمان سے اترے کوئی آگے تھا کوئی پیچھے، اور آپ میں اور ان میں افتراق ہوگیا، یہاں تک کہ مسجد اقصیٰ میں آخر کو جمع ہوگئے، اور آپ ﷺ

اخراً وصلی بهم صلوٰة مودع فاخر،

وايضا يدل عليه ماروی مسلم عن ابن عباسؓ قال : سرنا مع رسول اللّٰه صلی الله عليه وسلم بين مكة والمدينة ، فمررنا بوادٍ، فقال ايّ وادٍ هذا ؟ فقالوا : وادی الارزق قال كأنی انظرالی موسٰی ، فذكر من لونه وشعره شيئا ، واضعا اصبعيه فی اذنيه له جوار الی اللّٰه بالتلبية ماراً بهذا الوادی ، قال ثم سرنا حتی اتينا علی ثنية ، فقال : ای ثنية هذه ؟ قالوا هَرْشٰی ، او لِفْتٌ ، فقَال : كأنی انظر الٰی يونس علٰی ناقة حمراء عليه جبة صوف خطام ناقته خلبة ،

---

نے ان کونماز پڑھائی جیسے رخصت ہونے والا پڑھتا ہے۔

## وادی ارزق پرآپ ﷺ کا گذراور موسی علیہ السلام کی زیارت

اور نیز اس پر دال ہے وہ حدیث کہ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان حضرت ﷺ کے ساتھ جاتے تھے، جب ہمارا مرور ایک وادی پر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کونسی وادی ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا: یہ وادی ارزق ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ: میں گویا موسیٰ کی جانب دیکھتا ہوں۔اورآپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رنگ اور موئے مبارک کی کچھ کیفیت بیان فرمائی۔موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کانوں میں انگلی رکھی ہے بذریعہ تلبیہ کے، اللہ تعالیٰ کی جانب ان کی زاری ہے، اوراس وادی پر عبور کررہے ہیں۔پھر چلے ہم یہاں تک کہ ہم ایک گھاٹی پر آئے۔آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کونسی گھاٹی ہے؟ عرض کیا: ہرشی یا لفت ہے،آپ ﷺ نے فرمایا: میں گویا کہ یونس کو سرخ اونٹنی کے اوپر دیکھ رہا ہوں، ان کے اوپر ایک جبہ صوف کا ہے،ان کے ناقہ کی نکیل شاخ کوفتہ کھجور کی ہے۔

قال الامام النووی رحمه الله فی ذیل هذا الحدیث : فان قیل کیف یحجون ویلبون وهم اموات والدار الأخرة لیست بدار عمل ؟ الجواب انهم کالشهداء بل افضل ، والشهداء احیاء عند ربهم، فلا یبعد ان یحجوا ویصلوا ویتقربوا الی اللّٰه بما استطاعوا ، لانهم وان کانوا قد توفوا فهم فی هذه الدنیا التی هی دارالعمل حتی اذا فنیت الدنیا وتعقبتها الاخرة التی هی دارالجزاء ، انقطع العمل وقد صرح البیهقی ایضا حلول الانبیاء فی اوقات مختلفة فی اماکن مختلفة جائز ،

واذا علمت هذا ، نقول : انه قد برهن فی الکلام ان نبینا محمدا صلی الله علیه وسلم افضل الانبیاء واشرفهم واوسعهم علما واشدهم لطافة ، حتی عرج الی السماء

## انبیاء کس طور سے حج اور تلبیہ کرتے ہیں؟ حالانکہ وہ موتی ہیں

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ: انبیاء کس طور سے حج اور تلبیہ کرتے ہیں؟ حالانکہ وہ موتی ہیں، اور نیز دار آخرت دار عمل نہیں ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ: وہ مثل شہداء بلکہ ان سے افضل ہیں، اور شہداء اللہ کے نزدیک زندہ ہیں، پس کچھ بعید نہیں اگر وہ حج کریں اور نماز پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کریں جس قدر عبادت سے کہ وہ طاقت رکھیں، اس لئے کہ اگر چہ وہ بظاہر فوت ہوئے ہیں، مگر درحقیقت وہ دنیا میں جو دار العمل ہے موجود ہیں، یہاں تک کہ جب دنیا فنا ہوگی، اور بعد اس کے دار الجزاء یعنی آخرت آئے گی تو عمل عموماً منقطع ہوگا۔اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تصریح کی ہے کہ انبیاء کا مختلف اوقات میں مختلف مقامات میں حلول ہونا جائز ہے۔

جب تو نے یہ جانا اب ہم عرض کرتے ہیں کہ علم کلام میں یہ بات برہان سے ثابت ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء سے اشرف اور افضل ہیں اور وسعت علم اور لطافت

فـی قـلیل من اللیل ، فلو برز من قبره الکریم ومضجعه الفخیم بجسده وروحه وحل فـی مـواضـع متعددة فی اوقات متفاوتة وراٰه یقظة من تشرب فی قلبه محبته لا یاباه الشرع والعقل،

وقد سئل عن ذلک العلامة ابن الحجر المکی الشافعیؒ ، فاجاب بقوله : انکر ذلک جمـاعة وجوزه اٰخرون ، وهـو الـحق ، فـقـد اخبر بذلک من لایتهم من الـصـالحین بل استدل بحدیث البخاری :" من رانی فی المنام فسیرانی فی الیقظة " ای بعینی راسه ، وقیل بعین قلبه ،

واحتـمـال ارادة القیٰمة بعید من لفظ الیقظة علی انه لا فائدة فی التقید حینئذ

---

جسم میں آپ سب سے زائد ہیں، یہاں تک کہ آپ تھوڑی سی رات میں خاکدان کدورت سے آسمان پر چڑھ گئے، پس اگر آپ مع جسدوروح روضۂ مبارک سے ظہور فرما کے مختلف اوقات میں متفرق مکانات میں متمکن ہوں، اوراپنے عاشق صادق سے بحالت بیداری ملاقات فرماویں، اس سے شرع اور عقل انکار نہیں کرتے ہیں۔

## جوشخص کہ مجھ کوخواب میں دیکھے گا، پس وہ مجھ کو بیداری میں دیکھے گا

اس مسئلہ کے بارے میں ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کوسوال کیا گیا، انہوں نے جواب دیا کہ: گوایک جماعت نے اس کا انکار کیا ہے، مگر دوسرے لوگوں نے اس کو جائز رکھا ہے، اور یہی حق ہے، اس لئے کہ اس کی بعض بزرگوں نے جو تہمت دروغ سے بری ہیں خبر دی ہے، بلکہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جس حدیث کی روایت کی ہے کہ: جوشخص کہ مجھ کو نیند میں دیکھے گا، پس وہ مجھ کو بیداری میں دیکھے گا، اس سے اس دعویٰ کی دلیل قائم کی گئی ہے۔

اگرکوئی کہے کہ مراد یہ ہے کہ وہ شخص قیامت میں آپ ﷺ کو دیکھے گا تو لفظ بیداری

لان امته کلهم یرونه یوم القیٰمة من راٰه فی المنام ومن لم یره فی المنام ، وفی" شرح مختصر ابن جمرة " للاحادیث التی انتفاها من البخاری ترجیح بقاء الحدیث علٰی عمومه فی حیاته ومماته لمن له اهلیة الا تباع للسنة ولغیره ،

قال ومن یدعی الخصوص بغیر تخصیص منه صلی الله علیه وسلم فقد تعسف ، ثم الزم منکرا ذلک بأنه غیر مصدق بقول الصادق، وبأنه جاهل بقدرة القادر، وبأنه منکر لکرامات الاولیاء مع ثبوتها بدلائل السنة الواضحة، ومراده بعموم ذلک وقوع رؤیة الیقظة المدعو بها لمن راه فی النوم ولو مرة واحدة تحقیقا لوعده الشریف الذی لایخلف ، واکثر ما یقع للعامة قبل الموت عند الاحتضار فلا تخرج روحه من جسده حتی یراه وفاء بوعده ، واما غیرهم فیحصل لهم ذلک قبل ذلک

---

سے یہ بعید ہے۔ علاوہ یہ ہے کہ قیامت میں تو آپ ﷺ کو ہر ایک امتی دیکھے گا خواہ خواب میں آپ ﷺ کو دیکھا ہو یا نہیں، بناء علیہ حدیث مذکور میں قید" من راٰنی فی المنام" کی جو ہے وہ لغو ہو جائے گی۔" شرح مختصر ابن جمرہ" میں لکھا ہے کہ: حدیثِ مذکور کو عموم پر باقی رکھنا کہ آپ ﷺ کو اُس نے حیات کی حالت میں دیکھا ہو یا بعد ممات، اور آپ ﷺ کو دیکھنے والا عام ہے، اس سے کہ وہ متبع سنت ہو یا نہیں مرجح ہے۔

اسی کتاب میں ہے کہ: جس نے بدون تخصیص کے دعویٰ خصوصیت کا کیا پس وہ کج رو ہے، پھر انہوں نے منکر کو الزام دیا کہ وہ حضرت ﷺ کے قول کی تصدیق نہیں کرنے والا ہے، اور اللہ کی قدرت سے وہ جاہل ہے، حالانکہ کرامات بذریعۂ احادیث صحیحہ ثابت ہیں، تاہم ان کا وہ منکر ہے اس عموم سے ان کا مقصد یہ ہے کہ: جو شخص کہ آپ ﷺ کو گوایک ہی دفعہ خواب میں دیکھے گا تو اس کو آپ ﷺ کی رؤیت دنیا ہی میں بحالت بیداری نصیب ہوگی، مطابق حضرت ﷺ کے وعدے کے، مگر عوام کو یہ رویت بوقت

بقلة او كثرة بحسبب تأهلهم وتعلقهم واتباعهم للسنة اذ الإخلال بها مانع كبير ،

وفى صحيح مسلم عن عمران بن حصين ان الملائكة كانت تسلم عليه اكراما له لصبره على الم البواسير ، فلما كواها انقطع سلام الملائكة عنه ، فلما ترك الكى اى برأ كما في رواية صحيحة عاد سلامهم عليه ، لكون الكى خلاف السنة ، منع تسليمهم عليه مع شدة الضرورة اليه ، لانه يقدح فى التوكل والتسليم والصبر ، وفى رواية البيهقى كانت الملائكة تصافحه ، فلما كوى تنحت عنه ،

وفى كتاب المنتقذ من الضلالة بعد مدح الصوفية وبيان انهم خير الخلق ، حتى

---

سکرات ہوتی ہے، اور خواص کو قبل اس کے کچھ زیادہ یا کم، حسب تفاوت اتباع سنت۔ اس لئے کہ اتباع سنت میں خلل واقع ہونا بہت بڑا اس کا مانع ہے۔

## عمران بن حصین کو فرشتوں کا سلام کرنا، پھر داغ دینے پر سلام کو بند کرنا

مسلم میں عمران بن حصین سے روایت ہے کہ ان کو فرشتے چونکہ وہ دردِ بواسیر پر صبر کرتے تھے سلام کرتے تھے، جب انہوں نے بواسیر کو داغ دیا تو ان سے سلام بند ہوگیا، پھر جب داغ اچھا ہوگیا، پھر فرشتوں نے سلام شروع کیا، اس لئے کہ داغ دینا حالانکہ اس کی سخت ضرورت تھی خلاف سنت تھا، اس لئے فرشتے ان کے سلام سے منع کئے گئے، اس لئے کہ داغ مخالفت مقتضاء توکل اور صبر ہے۔ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ فرشتے ان سے ملاقات کرتے تھے، جب انہوں نے داغ دیا ان سے فرشتے دور رہے۔

## بیداری میں انبیاءؑ کی زیارت اور چند واقعات واکابر کے ارشادات

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''المنتقذ من الضلالة'' میں صوفیہ کی تعریف کے بعد، اور بعد بیان اس امر کے کہ وہ بہترین مخلوق ہیں، فرمایا کہ: یہاں تک کہ بیداری

انهم فی يقظتهم يشاهدون الملائكة ' وارواح الانبياء ' ويسمعون منهم اصواتا ' ويقتبسون منهم فوائد ، ثم يترقى الحال في مشاهدة الصور والامثال الى درجات يضيق عنها نطاق الناطق ، وقال تلميذه ابی بكر ابن العربی المالكی : ورؤية الملائكة والانبياء وسماع كلامهم يمكن للمؤمن كرامةً وللكافر عقوبةً ، وفی المدخل لابن الحاج المالكی : رؤيته فی اليقظة باب ضيق وقل ، من يقع له ذلک الا علی من كان علی صفة عزيز وجودها فی هذا الزمان بل عدمت غالبا ، مع انا لا ننكر من يقع له ، وقد انكر بعض علماء الظاهر ذلک محتجا ، بان العين الفانية لا تری العين الباقية ، وهو صلی اللّٰه عليه وسلم فی دار البقاء والبرائی فی دار الفناء ،

واشار البيهقی الی رده بان نبينا صلی الله عليه وسلم رای جماعة من الانبياء ليلة

---

ہی میں فرشتے اور ارواح انبیاء کا وہ مشاہدہ کرتے ہیں، اور نیز ان کی آواز سنتے ہیں، اور ان سے مستفید ہوتے ہیں، پھر ان کا حال صورتیں اور مثال کے مشاہدے میں اس درجہ تک بڑھ جاتا ہے کہ ناطقہ زبان اس سے عاجز ہے۔ اور امام غزالی رحمہ اللہ کے شاگرد ابن عربی مالکی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ: فرشتوں اور انبیاء کا مشاہدہ کرنا، اور ان کا کلام سننا مومن کے لئے بطور کرامت اور کافر کے لئے بطور عقوبت ممکن ہے۔ اور ابن حاج مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''مدخل'' میں بیان کیا ہے کہ حضرت ﷺ کو بیداری میں مشاہدہ کرنا نہایت ہی تنگ دروازہ ہے، اور ایسے لوگ کم ہیں جن کو اس کا اتفاق ہوا ہو، مگر جو شخص کہ ہو علی وجہ الکمال او پر صفت اتباع سنت کے، اس کا وجود نہایت ہی عزیز ہے اس زمانہ میں، بلکہ غالبا معدوم ہے، حالانکہ جس کو ابھی بھی اس کا اتفاق ہوا، ہم اس کا انکار نہیں کرتے، بیشک بعض علماء ظاہر نے اس کا انکار کیا ہے، اس دلیل سے کہ چشم فانی چشم باقی کو مشاہدہ نہیں کر سکتی۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نبی ﷺ نے شب معراج

المعراج ، قال الامام البارذی : وقد سمع من جماعة فی زماننا وقبله انهم رأوا النبی صلی الله علیه وسلم یقظة حیا بعد وفاته ،

قال الامام الشعرانی : قد اخبرنی الشیخ صالح عطیة الانباشی والشیخ الصالح قاسم المغربی المقیم فی تربة الامام الشافعیؒ والقاضی زکریا الشافعیؒ انهم سمعوا الشیخ جلال الدین السیوطی یقول : رأیت رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم في الیقظة بضعا وسبعین مرة ، وقلت له فی مرة منها : هل انا من اهل الجنة یا رسول اللّٰه ؟ فقال : نعم ، قلت : من غیر عذاب یسبق ؟ فقال : لک ذلک ، قال الشیخ عطیة : وسالت الشیخ جلال الدین مرة ان یجتمع بالسلطان الغوری فی ضرورة وقعت لي ،

---

میں جماعت انبیاء کو مشاہدہ کیا ہے۔ امام بارزی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ: اگلے زمانوں میں اور اس زمانے میں ایک جماعت سے سنا گیا ہے کہ انہوں نے بیداری میں حضرت ﷺ کو بعد وفات بقید حیات دیکھا۔

## امام سیوطی رحمہ اللہ کا بیداری میں ستر مرتبہ آپ ﷺ کی زیارت کرنا

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: مجھ کو شیخ صالح عطیہ انباسی اور شیخ صالح مغربی نے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف میں مقیم ہیں اور قاضی زکریا شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی کہ ہم نے جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ: میں نے ستر اور چند بار حضرت ﷺ کو بیداری میں دیکھا، اور ایک مرتبہ میں نے گذارش کی کہ یا رسول اللہ! کیا میں اہل جنت سے ہوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد کیا: ہاں، پس کہا میں نے کیا بدون عذاب کے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہی تیرے واسطے ہے۔ شیخ عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ میں نے شیخ جلال الدین سے ایک ضرورت کے لئے سلطان غوری سے

فقال يا عطية : انا اجتمع بالنبی صلی الله علیه وسلم يقظة واخشى ان اجتمعت بالغوری ان يحتجب عنی ، ثم قال ان فلانا من الصحابة كانت الملائكة تسلم عليه فاكتوی فی جسده لضرورة فلم ير الملائكة بعد ذلك عقوبة له علی اكتوائه ،

وقد الف الشيخ جلال الدين المذكور كتابا سماه" تنوير الحلک فی امکان روية النبی صلی الله عليه وسلم والملک" وذكر فيه من كان يجتمع بالنبی صلی الله عليه وسلم وبالملائكة يقظة من الصحابة والاولياء والعلماء ، ولم يذكر من نفسه شيئا مما ذكرنا عن هٰولاء الاشياخ الثلاثة العدول الثقات الذين لايتهمون فی مثل ذٰلک ، فيصدق من قال : رايت رسول اللّٰه صلی الله عليه وسلم يقظة مطلقا،

---

ملاقات کرنے کے لئے عرض کیا، انہوں نے فرمایا کہ: میں حضرت ﷺ سے بیداری میں مجتمع ہوتا ہوں، اس لئے خوف کرتا ہوں کہ اگر میں غوری سے ملاقات کروں گا تو آپ ﷺ روپوش ہوجائیں گے۔ اور بیان کیا کہ فلانے صحابی رضی اللہ عنہ پر فرشتے سلام کیا کرتے تھے، جب انہوں نے اپنے بدن پر ضرورت کے لئے داغ دیا تو اس کے بعد انہوں نے فرشتوں کو نہیں دیکھا از روئے عقوبت کے۔

بلکہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام "تنویر الحلک فی امکان روية النبی صلی الله عليه و سلم والملک" ہے اس کتاب میں جن صحابہ رضی اللہ عنہم اور اولیاء اور علماء کو نبی ﷺ اور فرشتوں سے بیداری میں ملاقات ہوئی ہے اس کا ذکر ہے، مگر اس کتاب میں وہ روایت جو مشائخ عدول ثقات ثلاثہ نے شیخ جلال الدین کی بیان کی ہے نہیں ہے، بناء علیہ صادق ہے وہ شخص جو کہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیداری میں دیکھا۔

وكان الشيخ محمد المغربى رحمه الله يقول : بين العبد وبين مقام رؤية رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم مائتا الف مقام وسبعة واربعون الف مقام وتسع مائة وتسعة وتسعون مقاما ، لابد الاٰن من قطعها كلها حتى يصح له مقام الرؤية فى اليقظة ،

ونقل اليافعى وغيره عن الشيخ الكبير ابى عبد الله القرشى : انه وقع فى مصر غلاء كبير ، فتوجه للدعاء برفعه فقيل لا تدع ، فلا يسمع لاحد منكم فى هذا الامر دعاء ،

فسافرت الى الشام فلما وصلت الى قريب ضريح الخليل عليه وعلى نبينا افضل الصلوٰة والتسليم ، تلقانى الخليل قول حق لا ينكره الا جاهل بمعرفة مايرد عليهم من الاحوال التى يشاهدون فيها ملكوت السموات والارض، وينظرون

## بیداری میں زیارت کے لئے دولاکھ مقامات کا حصول ضروری ہیں

اور شیخ محمد مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ درمیان بندے اور رسول اللہ ﷺ کے مقام رؤیت میں دولاکھ مقام اور سینتالیس ہزار مقام اور نوسو نوے مقام ہیں، ان تمام کا قطع کرنا ضروری ہے تاکہ بیداری میں آپ کا مقام رویت حاصل ہو،

اور یافعی وغیرہ نے شیخ کبیر ابی عبداللہ قرشی سے روایت کی ہے کہ: ایک مرتبہ مصر میں سخت گرانی ہوئی تو آپ رفع گرانی کی دعاء کے لئے متوجہ ہوئے، آپ سے کہا گیا کہ دعاء مت مانگو، اس لئے کہ اس بارے میں کسی کی دعاء مسموع نہ ہوگی ،۔

پس میں نے شام کے سفر میں جب میں ابراہم خلیل اللہ کی تربت کے قریب پہنچا تو حضرت خلیل علیہ السلام کی ملاقات ہوئی یہ حکایت حق ہے، اس کا وہی انکار کرے گا جو اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم پر جو حالات طاری ہوتے ہیں کہ بذریعہ ان کے ملکوت آسمان اور زمین کا وہ

الانبياء احياء غير اموات ، كما نظر النبی صلى الله عليه وسلم الى جماعة من الانبياء فی السماء وسمع خطابهم ، وقد تقرر ان ماجاز للانبياء معجزةً جائز للاولياء كرامةً بشرط عدم التحدي ،

وحكى ابن الملقن فی طبقات الاولياء : ان الشيخ عبد القادر الجيلانی قدس سره قال : رايت النبی صلى الله عليه وسلم قبل الظهر ، فقال لی : يا بني ! لم لا تتكلم؟ قلت : يا ابتاه ! انا رجل عجمي كيف اتكلم على فصحاء بغداد ، فقال لی : افتح فاک ، ففتحته ، فتفل فيه سبعا ، وقال تكلم على الناس وادع الى سبيل ربّک بالحكمة والموعظة الحسنة ، فصليت الظهر وجلست وحضرنی خلق كثير ،

مشاہدہ کرتے ہیں، اور نیز انبیاء علیہم السلام کو بقید حیات ملاحظہ کرتے ہیں، جیسے نبی ﷺ نے انبیاء اللہ کو آسمان میں ملاحظہ فرمایا، اور ان کی گفتگو آپ ﷺ کے گوش گذار ہوئی، ان سے واقف ہوئے، اور یہ بات اپنے مقام میں ثابت ہے کہ جو چیز انبیاء کے لئے جائز ہے وہی چیز اولیاء اللہ کے واسطے بھی جائز ہے، بشرطیکہ اس سے تحدی یعنی اعجاز مدنظر نہ ہو۔

## شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے منھ میں آپ ﷺ کا لعاب دہن عطا فرمانا

ابن ملقن نے ''طبقات اولیاء'' میں حکایت لکھی ہے کہ: شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ: میں نے حضرت ﷺ کو ایک مرتبہ قبل الظہر مشاہدہ کیا، پس آپ ﷺ نے مجھ کو ارشاد فرمایا کہ: اے بیٹے! کس لئے تو وعظ بیان نہیں کرتا۔ تب میں نے گذارش کی کہ اے والد میں مرد عجمی ہوں، کس طور سے میں فصحائے بغداد کے سامنے بیان کروں۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا منھ کھول، تب میں نے منھ کھولا، تو آپ ﷺ نے اس میں لعاب دہن سات مرتبہ ڈالا اور فرمایا: جا بیان کر لوگوں سے، اور بلا اپنے رب کے راستے کی جانب حکمت اور عمدہ نصیحت سے، تب میں نے نماز ظہر ادا کی، اور بیان

فارتج علي فرايت عليا قائما بازائی فی المجلس ، فقال یا بنی : لم لا تتکلم فقلت یا ابتاه قد ارتج علي ، فقال : افتح فاک ، ففتحته فتفل فیه ستا ، قلت : لم لا تکملها سبعا ، قال ادبا مع رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم ، ثم تواری عني فتکلمت ،

وقال فی ترجمة غیره کان کثیر الرؤیة للنبی صلی الله علیه وسلم یقظة ومناما ، وقال الکمال الادفری عمن اخذ عنه ابن دقیق العید وعن غیره ، قال التاج ابن عطاء اللّٰہ عن شیخه الکامل العارف ابی العباس المرسی : صافحت بکفی هذه رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم ، والحکایات فی ذلک عن اولیاء اللّٰہ کثیرة ، ولا ینکر ذلک الا معاند اومحروم ،

---

کرنے کے لئے میں بیٹھا چونکہ بہت مخلوق حاضر ہوئی، اس لئے مجھ پر رعب غالب ہوگیا، تب میں نے اپنے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجلس میں کھڑے ہوئے دیکھا، تب آپ نے فرمایا: اے بیٹے! کس لئے بیان نہیں کرتے؟ میں نے عرض کیا: اے والد! مجھ پر رعب غالب ہوگیا، تب آپ نے فرمایا: منہ کھول، جب میں نے منہ کھولا تو آپ نے اس میں چھ مرتبہ لعاب دہن ڈالا۔ میں نے عرض کیا آپ بھی سات مرتبہ کیوں لعاب نہیں ڈالتے؟ فرمایا کہ بلحاظ ادب رسول اللہ ﷺ۔ پھر مجھ سے آپ روپوش ہوگئے، اور میں نے بیان کرنا شروع کیا۔

اور ابن ملقن نے بہ نسبت اور اولیاء کے بیان کیا کہ بڑا ہی بیداری اور خواب میں حضرت کو دیکھنے والا تھا کمال الدین ادفری ابن دقیق العید کے استاد وغیرہ سے حکایت کرتے ہیں کہ: تاج بن عطاء اللہ اپنے شیخ ابوالعباس مرسی سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نے اس ہتھیلی سے حضرت ﷺ سے مصافحہ کیا ہے۔ حاصل کلام اس بارے میں اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی حکایتیں بہت ہیں، ان کا انکار صاحب عناد یا بدنصیب ہی کرے گا۔

ثم ان رؤيته صلى الله عليه وسلم بالبصر هل هى الرؤية المتعارفة ؟ وان تلك الرؤية هل كانت لذاته الكريمة اومثاله الذى يحكى عنه ؟ فقد اختلفت فيه اقاويل المحققين ، قال الشيخ ابو القاسم المغربى : واكثر ما تقع رؤية النبى صلى الله عليه وسلم يقظة بالقلب ، ثم تترقى الى رؤية البصر ، قال : وليست رؤية النبى صلى الله عليه وسلم كرؤية الناس بعضهم بعضا ، وانما جِسمِيَّة خيالية وحالة برزخية وامر وجدانى لا يدرك حقيقته الا من باشره ، قال ابن حجر المكى : ويحتمل ان المراد الرؤية المتعارفة ، بان يرى ذاته طائفة فى المعالم او تنكشف به الحجب بينه وبين النبى صلى الله عليه وسلم وهو في قبره فينظره حيا فيه رؤية حقيقية اذلا استحالة فيه ،

## کیا رؤیت بطریق عادت معروفہ ہے، یا ذات اقدس کی ہے، یا مثال کی؟

پھر حضرت ﷺ کی رؤیت کیا بطریق عادت معروفہ ہے؟ اور کیا رؤیت حضرت ﷺ کی ذات اقدس کی ہے؟ یا آپ ﷺ کے مثال کی جو آپ ﷺ کی ذات سے مشابہ ہو؟ اس میں محققین کے اقوال باہم مختلف ہیں۔ شیخ ابوالقاسم مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اکثر آپ کی رویت بیداری میں بذریعہ دل کے ہوتی ہے، پھر تدریجاً آنکھ سے ہوتی ہے، اور نیز انہوں نے کہا کہ آپ کی رؤیت ایسی نہیں ہے جیسے بعض آدمی کو بعض سے ہوتی ہے، بلکہ وہ رؤیت جسمانی اور رؤیت روحانی کی درمیانی حالت ہے، چونکہ اس کا تعلق دل ہی سے ہے، اس لئے اس کو وہی شخص ادراک کرسکتا ہے کہ جس کو اس سے اتفاق ہوا ہو، ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ احتمال ہے کہ یہ رؤیت رؤیتِ متعارفہ ہو اس طور سے کہ آپ کی ذات مقدس کو ایک جماعت اس عالم میں مشاہدہ کرے یا مابین حضرت ﷺ کے اور اس کے جو حجاب ہیں وہ ہٹ جائیں تب وہ آپ کو قبر شریف میں بقید حیات

لكن الغالب ان الرؤية انما هى لمثاله لا لذاته ، وعلى هذا يدل قول الغزالى : ليس المراد انه يرى جسمه وبدنه ، بل مثالا له صار ذلك المثال آلة يتأدى به المعنى الذى فى نفسه ، والآلة اما حقيقية اوخيالية، والنفس غير الخيال المتخيل فمارآه من الشكل ليس هو روح المصطفىٰ ولا هو شخصه ، بل هو مثال له على التحقيق ، قال ومثل ذلك من يرى الله تعالى فى المنام ، فان ذاته منزه عن الشكل والصورة ، ولكن تنتهى تعريفاته الى العبد بواسطة مثال محسوس من نور أوغيره ، ويكون ذلك المثال حقا فى كونه واسطة فى التعريف ، فيقول الرائى : رأيت الله فى المنام لا يعنى انى رايت ذات الله كما يقول فى حق غيره ، ثم قالؒ : مؤيدا ما قال فى صدر الكلام ما عبارته ، ثم رأيت ابن العربى صرح بما ذكرته من انه لايمنع رؤية ذات

---

مشاہدہ حقیقی کرے، اس لئے کہ اس میں کسی نوع کا تعذر نہیں ہے، لیکن غالب یہی ہے کہ یہ رؤیت آپ کی مثال ہی کی ہوتی ہے نہ کہ ذات کی، اور اسی پر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی دال ہے انہوں نے بیان کیا ہے کہ رائی آپ ﷺ کے جسم اور بدن کو نہیں دیکھتا، بلکہ آپ کی مثال کو جو آلہ ہے اس راز کے حصول کے واسطے جو آپ کی ذات مقدس میں ہے دیکھتا ہے، اور آلہ شئ کا خواہ بطور حقیقت کے ہو یا بطور خیال کے شئ سے مغائر ہی ہوتا ہے، پس رائی جو شکل کہ دیکھتا ہے وہ نہ حضرت ﷺ کی روح ہے اور نہ بدن، بلکہ وہ بر سبیل تحقیق آپ کی مثال ہے، ایسا ہی ہے جو شخص کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے، اس لئے کہ ذات خداوندی گو شکل اور صورت سے منزہ ہے تاہم بذریعہ ایک مثالِ محسوس کے خواہ وہ نور کی ہو یا غیر، بندے کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، چونکہ یہ مثال درحقیقت اللہ کی معرفت کا واسطہ ہوتی ہے، اس لئے رائی کہتا ہے کہ میں نے خواب میں اللہ کو دیکھا، مگر اس کا یہ منشاء نہیں ہوتا کہ میں نے اللہ کی ذات کو دیکھا، جس طرح سے وہ دوسری چیز کی نسبت کہتا ہے۔

النبی صلی الله علیه وسلم بروحه وجسده ، لانه وسائر الانبیاء احیاء ردت الیهم ارواحهم بعد ما قبضوا ' واذن لهم فی الخروج من قبورهم ' والتصرف فی الملکوت العلیا والسفلی ، ولایلزم من ذٰلک ان الرائي صحابی ، لان شرط الصحبة الرؤیة فی عالم الملک ، وهذه رویة وهو فی عالم الملکوت ، وهی لا تفید صحبة والا تثبت لجمیع امته لانهم عرضوا علیه فی ذلک العالم فراٰه وراوه ، وقال الشیخ ابوطاهر القزوینیؒ : مضعفا لما قال الغزالیؒ ماعبارته وکان الغزالی یقول: من راٰی رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم لم یر حقیقة شخصه المودع فی روضة المدینة ، وانما رائ مثاله لا شخصه ، قال وبلغنا من الغزالی ایضا انه کان یقول : ما یراه النائم

پھر ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے صدر کلام کی تائید کے لئے بیان کیا کہ پھر میں نے دیکھا کہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے جو میں نے ذکر کیا اس کی تصریح کی ہے، اس طور سے کہ حضرت ﷺ کی ذات مقدس کی رؤیت مع جسم وروح ممتنع نہیں ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ اور باقی انبیاء زندہ ہیں، بعد وفات کے ان کی ارواح ان کے ابدان کی جانب لوٹائی جاتی ہیں، اوران کو قبر سے خارج ہونے کی اور ملکوت علیا اور سفلی میں تصرف کی اجازت دی جاتی ہے۔ اور آپ کی ذات کی رؤیت سے یہ لازم نہیں ہوتا ہے کہ رائی صحابی ہو، اس لئے کہ ثبوت صحبت کے لئے اس عالم کی رؤیت شرط ہے، اور آپ عالم ملکوت میں ہیں، وہ مفید صحبت نہیں ہوتی ہے، ورنہ آپ کی تمام امت کو صفت صحبت حاصل ہونا چاہئے، اس لئے کہ عالم ملکوت میں سب آپ کے سامنے پیش کئے جائیں گے تب آپ بھی ان کو دیکھیں گے اور وہ بھی آپ کو۔ اور نیز شیخ ابوطاہر قزوینی نے قول غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تضعیف کی ہے، انہوں نے کہا کہ: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: جس شخص نے حضرت ﷺ کو دیکھا تو اس نے آپ ﷺ کے بدن کو جو روضۂ مبارک میں ودیعت ہے اس کو نہ دیکھا، بلکہ اس

من المثال انما هو مثال روحه صلى الله عليه وسلم المقدسة عن الصورة والشكل وشبه رؤية الله فى المنام بذلك ، فلا ادرى ما اراد به رحمه الله تعالى ، وذلك لان الاحاديث التى تلقفت من رسول الله صلى الله عليه وسلم باسانيد صحيحة لما دلت على حياتهم فى القبور وبروزهم منها باجسادهم وارواحهم كما مر، ما احتيج الى التاويل الذى افاده الغزالى ، لانه لايصار اليه الا بعد تعذر المعنى الحقيقى الظاهر، وههنا ليس كذلك ، وكذلك لا يعبأ بما سبق من ان الحجب التى حالت بينه و بين النبى صلى الله عليه وسلم تنكشف فينظره حيا فى قبره لان هذا مجرد احتمال العقل ، ومثل ذلك لا يثبت بمجرد احتمال العقل ، وبالجملة ان البيانات التى القيت عليك اذا امعنت النظر فيها تدريك ان النبى صلى الله عليه وسلم لو يحل

---

نے آپ ﷺ کی مثال کو دیکھا۔ اور نیز فرماتے تھے کہ نائم جو مثال کہ دیکھتا ہے وہ در حقیقت آپ کی روح ہی کی مثال ہے۔ اور انہوں نے اس سے اللہ تعالیٰ کی رؤیت کو جو خواب میں ہوتی ہے اس سے اس کو تشبیہ دی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ امام موصوف نے اس سے کیا ارادہ کیا ہے، اس لئے کہ احادیث جو باسانید صحیحہ رسول اللہ ﷺ سے تلقی کی گئیں جب دلالت کرتی ہیں اس امر پر کہ انبیاء قبر میں زندہ ہیں، اور قبر سے مع جسد اور روح کے نکل سکتے ہیں جیسا کہ گذرا تو کیا حاجت ہے، اس تاویل کی جو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے، اس لئے کہ تاویل کی طرف رجوع معنی حقیقی کے تعذر ہی کے وقت کیا جاتا ہے' اور یہاں معنی حقیقی متعذر نہیں ہیں، اسی طور سے نہ اعتبار کیا جائے گا اس قول کا جو گذرا کہ حجاب جو رائی اور حضرت ﷺ کے درمیان ہوتا ہے وہ ہٹ جاتے ہیں تو آپ کو وہ قبر شریف میں دیکھتا ہے، اس لئے کہ یہ صرف عقلی احتمال ہے، اور ایسا حکم صرف عقلی احتمال سے ثابت نہیں ہوسکتا۔

بامكنة مختلفة فى اوقات متعددة فليس هو بمستبعد عند السمع والعقل ،

نعم ان ما يقال ان النبى صلى الله عليه وسلم موجود بكل مكان فى كل اٰن ' متمكن بكل اجزاء الارض حاضر فيه فى كل زمان بذاته الشريفة ، فقد خالطه التفريط ، لان مثل ذلک لم يسمع من الثقات الذين شيدوا اركان الدين ، ولم يوجد فى صحائفهم التى تضمنت كل مايحتاج اليه فى الدين المبين ، ومن زعم فى نفسه ذلک فقد تمسک بوجوه لا تغنى عنه شيئا ،

الاول...... بظاهر ماورد فى التشهد" السلام عليک ايها النبى ورحمة اللّٰه وبركاته"

---

حاصلِ کلام یہ ہے کہ جو بیانات کہ تیرے سامنے پیش کئے گئے ان کو جب تو بغور نظر دیکھے گا تو تجھ کو وہ معلوم کرادیں گے کہ نبی ﷺ اگر مختلف مواضع میں باوقات متعددہ تشریف فرماویں، تو یہ نقل اور عقل کے نزدیک بعید نہیں ہے۔

## آپ ﷺ ہر آن و ہر مکان میں ہر وقت حاضر ہے' یہ قول تفریط ہے

ہاں یہ بات جو کہی جاتی ہے کہ نبی ﷺ ہر آن ہر مکان میں موجود ہیں، اور ہر جزو زمین پر ہر وقت حاضر اور متمکن ہیں، پس اس میں تفریط مخلوط ہے، اس لئے کہ ایسا ثقات سے جنہوں نے ارکان دین کو مضبوط کیا، نہیں سنا گیا اور نہ ان کی کتابوں میں جو مایحتاج الیہ فی الدین کو شامل ہیں یہ بات پائی جاتی ہے۔

## حضور ﷺ کو حاضر ماننے والوں کے دلائل، اوران کے جوابات

اور جس نے اپنے دل میں اس امر کا زعم کیا تو اس نے چند وجوہ سے دلیل قائم کی ہے:

اول دلیل...... ''ايها النبى ورحمة الله وبركاته'' سے جو تشہد میں واقع ہے قائم کی ہے، اس طور سے کہ یہ ندا ایک ہی وقت میں مشرق اور مغرب میں کی جاتی ہے، اور ندا مستدعی

لان هذا النداء يكون مشارق الارض ومغاربها فى وقت واحد ، والنداء يستدعى حضور المنادى ، فلو لم يكن النبى صلى الله عليه وسلم حاضرا متمكنا فى كل مكان لما شرع هذا النداء ؟

والجواب...... ان هذا النداء يستعمل على سبيل الحكاية عما صدر من اللّٰه تعالىٰ ليلة اسرى به ، قال ابن الملك : روى انه صلى الله عليه وسلم لما عرج به اثنى على اللّٰه تعالىٰ بهذه الكلمات ، فقال اللّٰه تعالىٰ : " السلام عليك ايها النبى ورحمة اللّٰه وبركاته " فقال عليه الصلٰوة والسلام :" السلام علينا وعلٰى عباداللّٰه الصالحين " فقال جبريل :" اشهد ان لا اله الا اللّٰه و اشهد ان محمداً عبده ورسوله " قال العلامة القارى بعد نقل هذه العبارة : وبه يظهر وجه الخطاب انه على حكاية معراجه عليه

---

حضور منادی ہے، پس اگر نبی ﷺ ہر مکان میں متمکن اور حاضر نہ ہوتے تو یہ ندا مشروع نہ ہوتی ؟

جواب اس کا یہ ہے کہ: یہ ندا' درحقیقت حکایت ہے اس ندا کی جو اللہ تعالیٰ سے شب اسراء کو سرزد ہوئی تھی۔ ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ مروی ہے کہ: حضرت ﷺ نے جب عروج فرمایا تو آپ ﷺ نے ان کلمات سے یعنی" التحيات للّٰه والصلٰوة والطيبات " سے اللہ کی ثنا کی، تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:" السلام عليك ايها النبى ورحمة الله عليه وبركاته " پس حضرت ﷺ نے فرمایا:" السلام علينا وعلى عباد اللّٰه الصالحين " پس جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا:" اشهدان لا الٰه الا اللّٰه و اشهد ان محمدا عبده ورسوله "۔ علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت کو نقل کر کے فرمایا کہ: اس سے آخر نماز میں جو معراج مؤمنین ہے خطاب کرنے کی وجہ ظاہر ہوئی کہ یہ حکایت ہے شب معراج کے خطاب سے۔

السلام فی اٰخر الصلوٰة التی هی معراج المؤمنين ،

ويمكن ان يقال ان النداء وان كان يستدعی حضور المنادی ، لكن لا فی الخارج فقط ، بل اعم من ان يكون حضوره فی الخارج او فی الذهن ، واذا استعمل هذا للنداء فحينئذ وان لم يكن النبی صلی الله عليه وسلم حاضرا فی الخارج الا انه يكون مستحضرا فی الذهن ، وهذا القدر من الحضور يكفی للنداء ، ولما كان ملاک هذا النداء الحضور الذهنی امر الغزالی لاستحضار النبی صلی الله عليه وسلم فی القلب ح فقال واحضر فی قلبک النبی صلی الله عليه وسلم وشخصه الكريم وقل " السلام عليک ايها النبی ورحمة اللّٰه وبركاته " وليصدق اَمَلَکَ فی انه يبلغه ويرد عليک ما هو او فی منه ، ومن ثم اندفع ما يترا اٰی وروده علی ظاهر ماثبت فی الدر المختار" ويقصد بالفاظ التشهد معانيها مرادة علی وجه الانشاء كانه يحيی

اوراس طور سے بھی جواب ممکن ہے کہ: ندا کومستدعی حضور منادی ہے، لیکن نہ صرف خارج ہی میں، بلکہ عام اس سے کہ اس کا حضور خارج میں ہو یا ذہن میں، اوراس ندا کا جب استعمال کیا جاتا ہے تو اس وقت گو نبی ﷺ خارج میں حاضر نہیں ہوتے ہیں، لیکن ذہن میں مستحضر ہوتے ہیں، اوراسی قدر حضور ندا کے لئے کافی ہے، چونکہ مداراس ندا کا حضور ذہنی پر ہے، اس لئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حکم فرمایا ہے نبی ﷺ کے استحضار فی القلب کا۔ انہوں نے فرمایا کہ: تو اپنے دل میں نبی ﷺ کے شخص کو حاضر کر کے کہہ کہ: آپ پر سلام ہوجیو اے نبی اور رحمت اور برکتیں اللہ کی، اور تو سچی امید رکھے کہ یہ سلام حضرت کو پہونچے گا، اور تجھ کو اس سے بڑھ کر اب جواب دیں گے۔ اس تقریر سے وہ اشکال جو ظاہر عبارت درمختار پر وارد ہوتا ہے دفع ہوگیا کہ اس عبارت کا مفاد یہ ہے کہ الفاظ تشہد سے ان کے معانی بطور انشاء کے مراد لئے جائیں، گویا کہ مصلی اللہ کے لئے انشائے

اللّٰه تعالٰی ويسلم علی نبيه وعلٰی نفسه وعلی اوليائه لا الاخبار عن ذلک بان ارادة الانشاء ههنا تستدعی حضور المنادی وهو غير متيسر ثمه "

والثانی...... ان المنكر والنكير يسئلان فی القبور من كان فی المشرق ومن كان فی المغرب فی وقت واحد ، وانما يمكن هذا اذا كانا موجودين فی كل مكان ، و قد تبين فی علم الكلام ان نبينا صلی الله عليه وسلم كان افضلهما ، بل افضل الملائكة كلهم ، فلو كان موجودا فی كل مكان ، فليس ذٰلک ببعيد ،

والجواب...... ان اللّٰه تعالٰی جعل لداعية الحكمة جثتها عظيمة ، حتی ان الدنيا عندهما كالاناء الذی يؤكل منه ، وجسم نبينا صلی الله عليه وسلم ليس كذلک ، علی

---

ثناء کرتا ہے، اور نیز نبی ﷺ اور اپنے نفس اور اولیاء پر بطور انشاء کے سلام بھیجتا ہے نہ بطور اخبار کے۔ ورود اشکال کا اس طور سے ہے کہ انشاء کا اس جگہ ارادہ کرنا مستدعی ہے حضور منادی کو اور وہ غیر ممکن ہے اس جگہ۔

## کیا منکر نکیر ایک ہیں یا کئی ہیں؟

دوسری دلیل یہ ہے کہ...... منکر اور نکیر ایک ہی وقت میں جو شخص کہ مشرق اور مغرب میں ہوتا ہے، اس سے قبر میں سوال کرتے ہیں، اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ دونوں ہر ایک مکان میں موجود ہوں۔ اور علم کلام میں ظاہر ہوا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ ان سے بلکہ تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔ پس اگر آپ ﷺ ہر جگہ موجود ہوں تو کچھ بعید نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ...... اللہ تعالیٰ نے بوجہ حکمت کے ان کا جسم اتنا بڑا بنایا کہ تمام دنیا ان کے سامنے مثل کھانے کے برتن کے ہے، اور حضرت ﷺ کا جسم مبارک ایسا نہیں ہے، علاوہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ سوال کے لئے متعدد فرشتے ہوں، پس اس سے حجت پکڑنا سرے

انه يحتمل تعدد الملا ئكة المعدة لذلک فارتفع الاحتجاج بماذکر عن اصله ،

قال الجلال الدين السيوطى ناقلا عن القرطبى : ان قيل : كيف يخاطب الملكان جميع الموتى فى الاماكن المتباعدة فى الوقت الواحد ؟

فالجواب : ان عظم جثتهما يقتضى ذلک فيخاطبان الخلق الكثير فى الجمعة الواحدة،وفى المرة الواحدة مخاطبة واحدة بحيث يخيل لكل واحد من المخاطبين انه المخاطب دون من سواه ويمنعه اللّٰه من سماع جواب بقية الموتٰى، ثم قال : قلت : ويحتمل تعدد الملا ئكة المعدة لذلک كما فى الحفظة وغيرهم ، ثم رايت الحليمى من اصحابنا ذهب اليه ، فقال فى منهاجه : والذى يشبه ان تكون ملا ئكة السؤال جماعة كثيرة يسمى بعضهم منكرا وبعضهم نكيرا ، فيبعث الى كل ميت

---

سے ساقط ہے۔

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے قرطبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کر کے بیان کیا ہے کہ: دونوں فرشتے ایک ہی وقت میں نہایت دور دور کے موتی کو کس طور سے سوال کرتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ: دونوں کا جثہ اس قدر بڑا ہے کہ بہت سی مخلوق کو ایک ہی دفعہ خطاب کرتے ہیں اس طور سے کہ ہر مخاطب یہ خیال کرتا ہے کہ اسی سے سوال کرتا ہے نہ کہ غیر سے۔اور نیز اللہ تعالیٰ اس کو اور موتی کے جواب گوش زد (وہ بات جو سنی جائے) نہیں کرتا۔اس کے بعد جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ سوال کے لئے جو فرشتے مقرر ہیں، ان کی کثرت بھی مثل محافظین فرشتے وغیرہ کے ممکن ہے، پھر میں نے حلیمی شافعی کو دیکھا کہ اسی طرف وہ گئے ہیں، انہوں نے ''منہاج'' میں بیان کیا ہے کہ مشابہ بالحق یہ بات ہے کہ فرشتے سوال کے ایک جم غفیر ہیں کہ بعض کا نام منکر اور بعض کا نام نکیر ہے، پس ہر میت کی جانب ان میں سے دو فرشتے بھیجے جاتے ہیں، جیسے ہر آدمی کے اعمال لکھنے کو دو

اثنان منهم كما كان الموكل عليه لكتابة اعماله ملكين ،

والثالث...... ان ملك الموت يقبض ارواح من كان فی المشرق ومن كان فی المغرب فی الوقت الواحد ، ولا يمكن هذا الا اذا كان موجودا فی كل مكان ، وكان نبينا صلی الله عليه وسلم افضل الملا ئكة بأسرهم ، فلو كان موجودا فی كل مكان فما ذلک بعسير ،

والجواب...... ان ملك الموت ليس هو بنفسه يقبض ارواح الناس، بل له اعوان معدة لذلک ، يقبضون الارواح علی ما امرهم اللّٰه تعالیٰ ، ثم يسلمونها الی كبيرهم ملک الموت والی هذا اشار قوله تعالیٰ ﴿ حتی اذا جاء احدكم الموت توفته رسلنا وهم لايفرطون ﴾

---

فرشتے معین ہیں۔

## ملک الموت ایک ہے یا کئی؟

تیسری دلیل یہ ہے کہ: ملک الموت بھی ایک ہی وقت میں جو شخص کہ مغرب اور جو شخص کہ مشرق میں ہوتا ہے اس کی روح قبض کرتا ہے، اور یہ تاوقتیکہ وہ تمام جگہ نہ موجود ہو غیر ممکن ہے۔ اور ہمارے نبی ﷺ سب فرشتوں سے افضل ہیں۔ پس اگر آپ ﷺ ہر مکان میں موجود ہوں تو کچھ مشکل نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ: ملک الموت خود قبض ارواح نہیں کرتا، بلکہ اس کے لئے مددگار قبض ارواح کے لئے موجود ہیں، جو ارواح کو مطابق فرمان خداوندی قبض کر کے ملک الموت کو کہ جو ان کا افسر ہے تفویض کرتے ہیں۔ اسی کی جانب اللہ کے اس قول نے اشارہ کیا ہے کہ: ”یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے، تو ہمارے فرستادے ان کی ارواح قبض کرتے ہیں، اور وہ حد سے تجاوز نہیں کرتے“۔

وما اخرج ابو الشيخ ابن حبان فی " كتاب العظمة " عن الربيع بن انس انه سئل عن ملک الموت هل هو وحده الذی يقبض الارواح ؟ قال : هو الذی يلی امر الارواح وله اعوان علی ذلک غير ان ملک الموت هو الرئيس ، وكل خطوة منه من الشرق الی المغرب ، واذا تعدد قابضوا الارواح سقط الاحتجاج بما ذكر عن اصله ،

والرابع...... ان النكيرين يسئلان الميت فی القبر بقولهما " ما تقول فی هذا الرجل " والمراد به النبی صلی الله عليه وسلم اجماعا ، فلو لم يكن النبی صلی الله عليه وسلم محسوسا فی الخارج حاضرا عند كل ميت فی المشرق والمغرب فلامساغ لهذه الاشارة ؟

---

اور نیز اس کی طرف اشارہ کیا ہے اس روایت نے جو ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ”کتاب العظمۃ“ میں ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے کہ: وہ ملک الموت کے متعلق سوال کیئے گئے کہ کیا وہ اکیلے ہی قبض ارواح کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ: وہ امر ارواح کے ذمہ دار ہیں، اور اس کام کے لئے اس کے معاون ہیں، مگر ان کا افسر ملک الموت ہی ہے، اور ہر ایک قدم اس کا مشرق سے مغرب تک ہے، جب قابضین ارواح متعدد ہوئے تو ملک الموت سے حجت پکڑنا سرے سے ساقط ہے۔

## ”ھذا الرجل“ سے کون سا رجل مراد ہے؟

چوتھی دلیل یہ ہے کہ: نکیرین میت کو قبر میں سوال کرتے ہیں کہ: کیا کہتا ہے تو اس شخص کے بارے میں، مراد اس شخص سے اتفاقاً حضرت ﷺ ہیں۔ پس اگر نبی ﷺ خارج میں محسوس اور مشرق اور مغرب میں ہر ایک میت کے سامنے حاضر نہیں ہیں، تو اس اشارے کے جواز کی کوئی صورت نہیں ہے۔

والجواب...... ان ملاک هذه الاشارة انما هو على الوجود الذهني المنزل منزلة المحسوس في الخارج ، لكمال اشتهاره كأنه حاضر بين يدى كل نفس ، وهذا متعارف فيما بين الناس ، ويؤيده ما افاده الجلال الدين السيوطي انه سئل ابن الحجر العسقلاني هل يكشف له اى الميت حتى يرى النبى صلى الله عليه وسلم ؟ فاجاب انه لم يرد في حديث ، وانما ادعاه بعض من لايحتج به بغير مستند ، سوى قوله " في هذا الرجل " ولا حجة فيه ، لأن الاشارة الى الحاضر في الذهن ، وقد قال مثل ذلک فی موضع اٰخر ولا يلزم من الاشارة ما قيل من رفع الحجب بين الميت وبينه صلى الله عليه وسلم حتى يراه ، ويسئل عنه لان مثل ذلک لا يثبت بالاحتمال

اس کا جواب یہ ہے کہ: مداراس اشارے کا وجود ذہنی ہی پر ہے، جو بمنزلہ محسوس فی الخارج بسبب وفور اشتہار فرض کیا گیا ہے، گویا کہ آپ ہر ایک شخص کے سامنے حاضر ہیں، اور وجود ذہنی کو وجود خارج فی الحس فرض کرنا لوگوں میں مشہور ہے۔ اس کی مؤید ہے وہ عبارت جو جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے کہ: ابن حجر عسقلانی سے سوال کیا گیا کہ کیا پردہ ہٹایا جاتا ہے میت کے لئے تا کہ وہ حضرت ﷺ کو مشاہدہ کرے؟ انہوں نے جواب دیا کہ کسی حدیث میں یہ وارد نہیں ہے سوائے قول "فی ھٰذ الرجل" کے، مگر اس سے دلیل نہیں قائم کر سکتے، اس لئے کہ یہ اشارہ حاضر فی الذہن کی طرف ہے، صرف یہ دعویٰ ہے اس شخص کا کہ اس سے سند بدون صحت دلیل نہیں پکڑ سکتے۔ اسی طور سے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے مقام میں فرمایا کہ: اشارے سے یہ بات لازم نہیں آتی ہے کہ مابین میت اور حضرت ﷺ کے جو پردہ ہوتا ہے وہ اٹھالیا جاتا ہے، تا کہ میت آپ ﷺ کو دیکھے، اور اس سے سوال کیا جائے، اس لئے کہ ایسی بات صرف احتمال سے نہیں ثابت ہوتی ہے، علاوہ یہ ہے کہ یہ مقام امتحان ہے، اور آپ ﷺ کے شخص کو نہ دیکھنا سخت امتحان ہے۔

على انه مقام امتحان ، وعدم روية شخصه الكريم اقوى فى الامتحان ، ومن ثم سقط ما قيل انه يصور صورته عليه السلام فيشار اليه ، لانه ادعاء بمجرد احتمال على انه يلزم حينئذ تصوير تمثال ذى روح ، وهو محظور فى شرعنا ، وكذلك ما ذكر العلامة القارى فى شرح الشفاء فى ذيل قول ابن دينار قال : ان لم يكن فى البيت احد فقل :" السلام على النبى صلى الله عليه وسلم ورحمة الله وبركاته " اى لان روحه عليه السلام حاضر فى بيوت اهل الاسلام " السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين " اى من الانبياء والمرسلين والملائكة المقربين ، وذلك لان هذا ادعاء من غير متداع اليه بمجرد احتمال على أنه لو كان السلام على النبى صلى الله عليه وسلم فى بيوت المسلمين ، فلا بد ان يقال ايضا بحضور الارواح لجميع عباد

اس تقریر سے یہ بات رد ہوگئی جو کہی گئی کہ حضرت ﷺ کی تصویر بنائی جاتی ہے، اور اسی کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، اس لئے کہ یہ بھی صرف ادعاء محض احتمال سے ہے۔ علاوہ یہ ہے کہ اس میں ذی روح کی تصویر بنانا لازم آتا ہے اور یہ ہماری شریعت میں ممنوع ہے۔ اسی طور سے ساقط ہے وہ عبارت جو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''شرح شفاء'' میں ابن دینار کے اس قول کے ذیل میں لکھی ہے' ابن دینار نے کہا کہ: اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو کہہ'' السلام على النبى ورحمة الله وبركاته ''۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: اس لئے کہ حضرت ﷺ کی روح اہل اسلام کے مکانوں میں حاضر ہوتی ہے '' السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين ''یعنی انبیاء اور رسل اور فرشتوں پر، اور یہ عبارت اس لئے ساقط ہے کہ یہ صرف ادعاء ہے بلا ضرورت کے۔ علاوہ یہ ہے کہ اگر حضرت ﷺ پر درود بھیجنا اس امر کو مقتضی ہے کہ آپ ﷺ کی روح اہل اسلام کے مکانوں میں حاضر ہے، پس ضرور ہے کہ کہا جائے کہ جمیع عباد اللہ الصالحین کی ارواح بھی

الله الصالحين فيها ، لانه يسلم عليهم ايضا ، ولان روحه صلى الله عليه وسلم لو كانت حاضرة فى بيوت اهل الاسلام ، فلاحاجة الى الملا ئكة فى تبليغ الصلوٰة والسلام اليه ، مع انه روى النسائى والدارمي عن ابن مسعودؓ قال : قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم : (( ان لله ملا ئكة سياحين فى الارض يبلغونى من امتى السلام )) والعجب من هذا العلامة انه قال هٰهنا هذا مع عدم الضرورة اليه ، ولما ورد على ما وقع فى التشهد من القول" السلام عليک ايها النبى" الخ ، تجشم وقال هذا على سبيل الحكاية ، ولم يقل ثمه ان هذا بناء على ان روحه صلى الله عليه وسلم حاضرة فى بيوت اهل الاسلام مع الضرورة الداعية اليه ، وهو التحرز عن ارتكاب التجشم، فلعل هذا مزلة أقلام الناسخين او انتحال المضرطين ، واللّٰه اعلم بالصواب ،

---

اہل اسلام کے مکانوں میں حاضر ہوتی ہیں، اس لئے کہ ان پر بھی سلام کیا جاتا ہے، اور نیز اگر آپ ﷺ کی روح پاک اہل اسلام کے مکان میں حاضر ہوتی، تو فرشتوں کی تبلیغ سلام وصلوٰۃ کے لئے کچھ حاجت نہ تھی، حالانکہ نسائی اور دارمی رحمۃ اللہ علیہما نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ کے چند فرشتے سیاح زمین پر ہیں کہ میری امت کی طرف سے مجھ کو سلام پہونچاتے ہیں۔ عجب ہے اس علامہ سے کہ اس جگہ انہوں نے ایسا فرمایا: حالانکہ کچھ اس کی ضرورت نہ تھی، اور جب اشکال وارد ہوا'' السلام عليک ايها النبى ورحمة الله عليه '' پر جو تشہد میں واقع ہے تو انہوں نے تکلف کر کے فرمایا کہ: یہ خطاب بطریق حکایت ہے، اور اس جگہ یہ انہوں نے نہیں کہا کہ یہ اس لئے ہے کہ حضرت ﷺ کی روح پاک اہل اسلام کے مکان میں حاضر ہوتی ہے، حالانکہ اس قول کی وہاں سخت ضرورت تھی وہ ضرورت سے اجتناب کرنا ہے۔ پس شاید یہ کاتب کے قلم سے لغزش ہوئی، یا افتراء ہے تفریط کرنے والوں کا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

## حضرۃ العلام مولانا عبدالحیؒ صاحب رحمہ اللہ کی ایک نظم

## مَعَ اَنَّهٗ لَيْسَ يُقَالُ اِنَّهٗ يَعْلَمُ كُلَّه كَمَا يُفَاهُ

**هذا ما افاده واملاه الكئيب الاواه عبد الحئى بن الحافظ احمد وقاهما الله من شر حاسد اذا حسد**

يَـارَبِّـىَ ارْحَمْ مَنْ طَغٰى هَوَاهُ (۱) فَـعَـنْ وُجُـوْهِ الْبِـرِّ قَدْ اَعْـمَـاهُ
حَتّٰى مَضٰى كَثِيْرُ عُمْرٍوَانْقَضٰى (۲) فِىْ كَسْبِ اِثْمٍ نِ انْتَهٰى اَقْصَاهُ
وَلَيْـسَ شَىْءٌ عِنْدَهٗ مِنْ عَمَلٍ (۳) يُـنْـجِيْــهِ يَوْمًـا يَجْتَلِىْ تَوَاهُ
ولَـمْ يَـكُـنْ لَّدَيْهِ اَمْرٌ يَّرتَجِىْ (۴) بِــهٖ نَـعِيْـمَ الْـخُـلْـدِ فِىْ عُقْبَاهُ
فَـحُـقَّ اَنْ يَسْكُبَ دَمْعًا بِدَمٍ (۵) بِــخَشْيَةٍ وَنَــدَمٍ عَــرَاهُ

---

(۱)......اے اللہ! اس شخص پر رحم کر جو اپنی خواہشات کے سبب سرکش ہوگیا۔اوراس کو نیکیوں کےاختیارکرنے سے نابینا کردیا۔

(۲)...... یہاں تک کہ عمر کا بیشتر حصہ گذر گیا۔اورایسے گناہوں کے ارتکاب میں گذرا جو اپنی انتہاءکو پہنچے ہوئے ہیں۔

(۳)......اورعمل خیر کے نام کی کوئی چیزاس کے پاس نہیں ہے، جواس کوایسے دن نجات دلا سکے کہ جس دن روشنی کی ضرورت ہوگی۔

(۴)......اوراس کے پاس کوئی ایساعمل نہیں ہے کہ جواس کوآخرت میں۔ جنت کی نعمتوں کی امید دلا سکے۔

(۵)......اس لئے ایسے شخص کے لئے سزاوار ہے کہ وہ خون کے آنسو خوف اور ندامت کے سبب بہائے۔

| | | |
|---|---|---|
| مُسْتَغْفِرًا مُبْتَهِلاً لِرَبِّهٖ | (۶) | كَيْ يُفِيْضَ رَحْمَةً تَغْشَاهُ |
| فَاِنَّمَا صَدَّقَ ظَنِّيْ اَنَّه | (۷) | مَاخَابَ سَآئِلٌ اِذَا دَعَاه |
| لاَ سِيَّمَا اِذَا جَرىٰ مِنْ عَيْنِهٖ | (۸) | دَمْعٌ يَبُلُّ الْخَدَّ مِنْ نَدَاهُ |
| فاغْفِرْ لَهٗ يَارَبِّ مِنْ مُخْتَبِطٍ | (۹) | مُنْكَسِرٍ قَدْ بَانَ عَنْ مَغْنَاهُ |
| وَتَاهَ فِيْ اَرْضِ النَّوىٰ مُكْتَئِبًا | (۱۰) | فِيْ هَجْرِ مَنْ قَدْ حَيٌّ فِيْ ثَرَاه |
| وَ اخْتَارَهُ اللّٰهُ بِعِلْمِ غَيْب | (۱۱) | اَكْثَرَ مِنْ اِحْصَآءِ مَنْ اَحْصَاهُ |
| مَعَ اَنَّهٗ لَيْس يُقَالُ اِنَّهٗ | (۱۲) | يَعْلَمُ كُلَّه كَمَا يُفَاهُ |

(۶)......اور رب اکبر کی بارگاہ میں استغفار کرے، تاکہ اس کی رحمت اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کرلے۔

(۷)......اس لئے میرا یہ یقین ہے کہ وہ ذات کسی سائل کو محروم نہیں کرتی، اگر وہ اس کو پکارے۔

(۸)......اور خصوصاً جبکہ اس کی آنکھوں سے آنسو اس طرح جاری ہوں جو اس کے رخسار کو تر کردیں۔

(۹)......پس اے اللہ! بخش دے تو اس نادان اور عاجز کو جو، اپنے مسکن سے جدا ہو چکا ہے۔

(۱۰)......اور جو تکلیف دہ سرزمین پر اس ذات کی جدائی میں پریشان ہے جو اپنی قبر میں زندہ ہے۔

(۱۱)......اور جس ذات کو باری تعالیٰ نے پوشیدہ علوم کا اتنا ذخیرہ مرحمت فرمایا جو احاطہ کرنے والوں کی مقدار اِحاطہ سے زیادہ ہے۔

(۱۲)......حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کلی طور پر عالم

| | | |
|---|---|---|
| مَـنْ شَكَّ فِيْهِ فَلْيَرُنْ مَّا قُلْتُهٗ | (۱۳) | كَـيْ يُـزِيْحَ الشَّكَ مَا حَوَاهُ |
| يَـاتِيْـهِ رِزْقٌ وَاسِـعٌ مُفَـرِّحٌ | (۱۴) | اِذَا اَرَادَ الـنَّـفْـسُ مِنْ مَوْلَاهُ |
| وَ تُعْرَضُ الصَّلٰوةُ طُرًّا تَتْرىٰ | (۱۵) | عَـلَيْـهِ مَـا يَسْكُنُ فِيْ مَثْوَاهُ |
| فَيَـا نَسِيْمَ الصُّبْحِ اِنْ تَمُرُّ بِهٖ | (۱۶) | بَلِّغْ صَـلٰوةً مِـنِّـى يَـجْزِ اللّٰهُ |
| وَ قُلْ لَهٗ يَا صَاحِ عَبْدُ الْحَيِّ فِى | (۱۷) | هِـجْرِكَ كَمْ ذَا بَتُّ لَهٗ اَحْشَاهُ |
| ضَاقَتْ عَلَيْهِ الْاَرْضُ بَعْدَ رَحْبِهَا | (۱۸) | اَكْـثَـرَ مِـنْ تِسْـعِيْنَ لَوْ تَـرَاهُ |
| لِـمَا جَرىٰ عَلَيْهِ مِنْ اِنْسٍ وَجِنْ | (۱۹) | حِـقْـدًا وَّبَـغْيًا مِّنْ اَذًى قَاسَاهُ |

الغیب ہیں، جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں۔

(۱۳)......اور جس کو اس سلسلے میں شک ہو تو وہ میری اس کتاب کا مطالعہ کرے، تاکہ وہ اپنے قلبی شکوک ختم کر سکے۔

(۱۴)......جس ذات گرامی کے پاس جب وہ چاہتے ہیں تو باری تعالیٰ کی جانب سے بافراغت اور فرحت بخش رزق عطا کیا جاتا ہے۔

(۱۵)......اور مسلسل درود وسلام ان کے روبرو پیش کیا جاتا ہے، جس سے وہ مزار اقدس میں سکون حاصل فرماتے ہیں۔

(۱۶)......پس اے نسیم صبح! اگر تیرا ادھر سے گذر ہو تو میری جانب سے آپ کی خدمت میں درود وسلام پیش کردینا، باری تعالیٰ اس کی جزا دے گا۔

(۱۷)......اور عرض کرنا کہ آپ کے ہجر میں عبدالحی سوز جگر سے بے تاب ہے۔

(۱۸)......سرزمین اپنی پوری کشادگی کے باوجود اس کے لئے تنگ ہو چکی ہے، نوّے سے متجاوز ہو چکا ہے، اے کاش آپ اس پر رحم فرمائیں۔

(۱۹)......اس لئے کہ جن وانس کینہ اور سرکشی کے سبب اس کو اذیت دینے میں سخت دل

فَانْظُرْ اِلَيْهِ نَظَرًا بِرَحْمَةٍ (۲۰) وَادْعُ اِلَيْكَ مُسْعِفًا مَنَاهُ

هٰذَا مُرَادُ مِنْكَ يَاخَيْرَ الْوَرٰى (۲۱) فَالسَّعْدُ كُلُّ السَّعْدِ اَنْ يَلْقَاهُ

---

ہو چکے ہیں۔

(۲۰)......آپ نظر رحمت سے اس کو دیکھ لیجئے، اور دربار عالی میں باریاب فرمایئے۔

(۲۱)......خیر الوریٰ (ﷺ) آپ سے میری یہی درخواست ہے، اور آپ کی ملاقات میرے لئے سب سے بڑا سرمایۂ سعادت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰه صلى الله عليه وسلم : (( مَنۡ سُئِلَ عَنۡ عِلۡمٍ عَلِمَهٗ ثُمَّ كَتَمَهٗ اُلۡجِمَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ بِلِجَامٍ مِنۡ نَار ))

اس پرآشوب زمانے میں خود بینی وخود پسندی کا یہ عالم ہے کہ تحریر گوکیسی ہی سراپا حق اور صائب ہو، مگر مخالف اقوال ملمعہ سے اس کی تردیداور مقدمات مزخرفہ سے خود کے دعوے کا اثبات اس طور سے کرتا ہے کہ انجام میں حق کا ناحق خون ہو ہی جاتا ہے، اور بنظر ظاہر بیں حق وباطل میں بالکل امتیاز باقی نہیں رہتا ہے۔ بدیں وجہ اختلافی مسائل اس وقت بتمشیۂ نظرعقل اظہار حق کرنا کسی قدر سوائے جنگ وجدل کے مفید نہیں ہوسکتا ہے۔اس وجہ سے جب جناب میاں ابراہیم بن محمد مپارا صاحب نے اس احقر انام سے سوال کیا کہ آیا جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوۃ ﷺ کو بالاستقلال جمیع اشیاء ماضیہ ومستقبلہ کلّیہ وجزئیہ کا علم تھا، اور آیا آپ ہر جگہ ہر وقت موجود ہیں یا نہیں؟ اور متعدد مرتبہ جواب کے لئے اصرار کیا، تب اگر یہ احقر جواب سے پہلو تہی کرتا، ممکن تھا لیکن حاملان شریعت صرف اسی وجہ سے اظہار حق کے فروگذاشت کرنے کے خصوصاً جب ان سے سوال کیا جائے کسی طرح سے بمفاد حدیث شریف صدر مجاز نہیں ہوسکتے، اس لئے جواب سوال مذکور کو مجبوراً باستناد کتب معتبرۂ شرعیہ بہ پیرایۂ عبارت عربیہ مستنبط وبعنوان ’’نضرة النعيم ‘‘ نامزد کر کے زیب نظر ناظرین کیا، وبصرف زر میاں ابراہیم بن محمد مپارا صاحب حلیۂ طبع سے آراستہ ہوا، حاشا وکلا اس تحریر سے کسی کی دل شکنی اور کسی کے دامن عزت کو غبار مذلت سے آلودہ کرنا منظور نظر نہیں ہے، صرف اس سے احقاق حق واظہار صواب ہی مقصود بالذات ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص منصفانہ جو دعویٰ کے اس تحریر میں مبرہن ہو چکا ہے، اس کی نقیض کو

براہین قاطعہ ثابت کر دکھائے تو سب سے اول یہ احقر ہی اس کے سامنے سر تسلیم کو خم کرے گا، اور نہایت اعزاز سے اس کو قبول کر کے شکر گزار ہوگا۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علی وسلم : اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْحَکِیْمِ ، فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا۔

راقم: محمد عبدالحی بن حافظ احمد سورتی عفی عنہما

خطیب جامع مسجد مولمین

# کلمۃ الفصل

اس رسالہ میں تقلید، قرأۃ الفاتحہ، رفع یدین، وضع یدین، آمین وغیرہ مختلف مسائل میں احناف کے مسلک کی تائید میں قرآن وحدیث کے دلائل، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مناقب، وغیرہ امور پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، آج کے دور میں جب کہ مسلک احناف پر بعض حضرات کی طرف سے اعتراضات کی بارش ہورہی ہے، اس رسالہ کا مطالعہ از حد ضروری ومفید ہوگا۔

از: حضرۃ العلام مولانا عبدالحئ صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ

ترتیب، حواشی وعنوانات......مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

# عرض مرتِّب وتعارف مرتَّب

حضرۃ العلام مولانا عبدالحیؒ صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ نے اس رسالہ میں چند مشہور اور اہم مسائل کو بڑی عمدگی اور تحقیق سے تحریر فرمایا ہے۔ امت کے ایک مختصر طبقہ کو تقلید سمجھ میں نہیں آتی، اور بعض حضرات تو تقلید کو شرک سے کم کا درجہ دینے پر بھی راضی نہیں، وہ حضرات کہتے ہیں کہ تقلید صرف نبی کی ہوگی اور اتباع صرف احادیث کا کیا جائے گا، فقہ کوئی چیز نہیں ہے، اور ان میں بعض نے فقہ کے بارے اس قسم کے توہین آمیز اور نا قابل تحریر الفاظ لکھے ہیں کہ ان کو نقل کرنا بھی باعث شرم ہے۔ ظاہر ہے ان حضرات کے نزدیک فقہاء امت کے اجتہادات اور ان کی کاوشیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، اسی لئے انہوں نے بعض مسائل میں فقہاء رحمہم اللہ سے سخت اختلاف کیا، اور بعض مسائل میں اس قدر شدت کی کہ اسلاف کی تاریخ اس قسم کے واقعات اور شدت پسند خیالات سے یکسر خالی ہے۔ حضرت صاحب رسالہ نے اس رسالہ میں اولا تقلید کی افادیت اور ترک تقلید کے نقصانات پر بڑی عمدہ بحث فرمائی اور قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت پیش کیا۔

الغرض حضرت رحمہ اللہ نے درجِ ذیل عنوانات سے اس رسالہ میں بڑی کارآمد اور مفید ابحاث زیب قرطاس فرمائی ہیں:

(۱)......کیا اختلافی مسائل میں ایک فریق نے دوسرے کے موقف کو قبول کیا؟

(۲)......کوئی قابل فخر تصنیف وجود میں آئی؟

(۳)......التقلید: تحمل اور تفقہ کی تعریف، تفقہ کے لئے تحمل ضروری ہے۔

(۴)......تفقہ کے لئے قرآن وحدیث کس قدر محفوظ ہونے چاہئیں۔

(۵)......تفقہ کے بعد احکام مستنبطہ کو شائع کرنا فرض کفایہ ہے۔

(۵)......اولوا الامر ،اھل الذکر ،مجتھد کون لوگ ہیں؟

(۶)......تقلید کا ثبوت قرآن وحدیث سے۔

(۷)......تقلید کس کی ہو؟ اور مجتہد کے شرائط۔

(۸)......کون سی تقلید نا جائز ہے۔

(۹)......مجتہدین کی تقلید نہ ہوگی تو غیر مجتہد کی تقلید کرنی پڑے گی۔

(۱۰)......زخم میں تیمّم کے بجائے غسل کروانے پر آپ ﷺ کی ناراضگی۔

(۱۱)......ترک تقلید کے نقصانات پر غیر مقلد عالم کی گواہی۔

(۱۲)...... مذاہب اربعہ کا ماخذ کیا ہے؟

(۱۳)......حنفی مذہب کا مأخذ ابراہیم نخعیؒ اور ان کا مأخذ ابن مسعود اور علی ہیں۔

(۱۴)......آنحضرت سے علم حاصل کرنے کے دو طریقے تھے۔

(۱۵)......امام صاحب رحمہ اللہ کے مناقب۔

(۱۶)......امام صاحب نے حدیث کی اشاعت کی طرف توجہ کیوں نہیں دی؟

(۱۷)......امام صاحب کو صاحب رائے کیوں کہا گیا۔

(۱۸)......امام صاحب کی توثیق۔

(۱۹)......قرأۃ الفاتحہ۔

(۲۰)......خبر واحد سے کتاب اللہ کی تنسیخ ناجائز ہے تو اہل قبا کعبہ کی طرف کیوں پھر گئے؟

(۲۱)......رفع الیدین۔

(۲۲)......وضع الیدین۔

(۲۳)......التامین۔

کوئی صاحب ذوق اس رسالہ کو خالی الذہن ہو کر پڑھے گا تو انشاء اللہ ممکن ہے کہ اس کے کئی اشکالات اور الجھنیں دور ہو جائیں گی۔

اللہ تعالی اس رسالہ کو شرف قبولیت سے نواز کر ناظرین کے لئے باعث خیر و ہدایت اور حضرت موصوف رحمہ اللہ و راقم الحروف اور اس کی طباعت میں تعاون کرنے والے جملہ احباب کے لئے ذخیرۂ آخرت و ذریعۂ نجات بنائے، آمین۔

مرغوب احمد لاجپوری

نوٹ: ......اس رسالہ کے تعارف میں راقم نے ایک تفصیلی مضمون لکھا تھا، مگر کمپیوٹر کے استعمال میں ذرا سی غفلت و ناواقفیت کی وجہ سے ضائع ہو گیا ’’انا للہ وانا الیہ راجعون‘‘ اس لئے دوبارہ اس کی ہمت نہ ہو سکی۔

# عرض مؤلِّف وتالیف مؤلَّف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ' والصلوۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین ، وعلی الہ و اصحابہ اجمعین ، اما بعد:

یہ مباحث جواس وقت آپ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں، ان سے یہ غرض نہیں کہ کسی کے مذہب پرحملہ کیا جائے یا کسی کی ذاتیات سے بحث کی جائے یا شہرت ونا موری کے لئے اسے ذریعہ قرار دیا جائے، بلکہ ان سے صرف یہی غرض ہے کہ مسائل زیر بحث کی نسبت بعض اصحاب کی جو بدگمانی ہے کہ یہ قرآن وحدیث کے خلاف ہیں، اسے ایک ایسے پیرایہ سے رفع کیا جائے کہ تعصب کی رنگ آمیزیوں سے وہ بالکل پاک ہو، اوران کے دلائل کی توضیح وتشریح ایسے خوشنما وشائستہ عنوان سے کی جائے کہ نہایت سہولت سے مفید مدعیٰ ہو۔

اس کوکون نہیں جانتا کہ اس عہد میں اکثر اختلافی تحریریں چونکہ نفسیات وتعلّی کا پہلو لئے ہوئے رہتی ہیں، اس لئے بجائے اس کے کہ ان سے حق منکشف ہو،حق پرایک ایسا تاریک حجاب اشتباہ کاپڑ جاتا ہے کہ اس کا رفع کرنا اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہو جاتا ہے۔

## کیا اختلافی مسائل میں ایک فریق نے دوسرے کے موقف کوقبول کیا؟

آج بیسیوں اختلافی مسائل نے علمائے کرام کی توجہ کواپنی جانب مصروف کر رکھا ہے، مگر بطورنظیرایک مسئلہ بھی پیش نہیں کیا جا سکتا کہ ایک فریق نے دوسرے کے قول کوحق سمجھ کے تسلیم کیا ہو۔

## کوئی قابل فخر تصنیف وجود میں آئی

یہی وجہ ہے کہ آج علمائے کرام کی زندگیوں کا مفید حصہ اوران کی علمی دولت کا گراں مایہ ذخیرہ ایسے بے سود نزاع میں اس طرح صرف ہو رہا ہے کہ کسی فن میں بھی کوئی ایسی کتاب ان سے تصنیف نہ ہوسکی کہ ملک اس پر فخر کر سکے، کیا یہ امر ایک حقیقت شناس عاقبت اندیش کے لئے کچھ قابل افسوس ہے؟

**اللهم انا نعوذ بک من ضر و مضرة و فتنة مضلة واجعلنا هداة مهتدين**

محمد عبدالحیؒ کفلیتوی عفی عنہ

الخطیب بجامع رنگون

## التقلید: تحمل اور تفقہ کی تعریف، تفقہ کے لئے تحمل ضروری ہے

قرآن مجید وحدیث کی عبارت کو ضبط کرنا اسے تحمل، اور بذریعہ استنباط وقیاس ان سے احکام ظاہر کرنا اسے تفقہ فی الدین کہا جاتا ہے۔قرآن وحدیث کے تحمل کے لئے تفقہ کا حاصل ہونا ضروری نہیں، اس لئے کہ بہت سے لوگ حامل قرآن وحدیث تو ہوتے ہیں، مگر تفقہ کی قابلیت ان میں نہیں ہوتی، چنانچہ قولہ ﷺ: ''رُبّ حامل فقه غیر فقیه''[۱] اس مدعا کے ثبوت کے لئے کافی شاہد ہے۔

## تفقہ کے لئے قرآن وحدیث کس قدر محفوظ ہونے چاہئیں

البتہ تفقہ کے لئے تحمل ضروری ہے، کیونکہ عبارت قرآن وحدیث کی احکام کے لئے

---

[۱]...... یہ ایک طویل حدیث شریف کا ٹکڑا ہے، پوری روایت یہ ہے:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی اس بندہ کو تروتازہ رکھے جس نے میری کوئی بات سنی' اور اسے یاد رکھا' اور اس کی حفاظت کی' اور اس کو لوگوں تک پہنچایا، بعض فقہ کے حامل فقیہ نہیں ہوتے ہیں اور بعض حامل فقہ اس تک پہنچا دیتے ہیں' جو ان سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔تین چیزوں پر کسی مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا ہے: (۱): عمل خاص طور پر اللہ کے لئے کرنا۔(۲): مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کرنا۔(۳): مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا، اس لئے کہ جماعت کی دعا ان کو گھیرے رہتی ہے۔(شافعی' بیھقی '' مدخل) احمد' ترمذی ابو داوٗد' ابن ماجہ' دارمی' نے اس حدیث کو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، لیکن ''ترمذی'' اور ''ابو داوٗد'' نے حدیث کے آخری لفظ '' ثلاث لایغل علیهن'' الخ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(مسند الامام الشافعی ص ۱۶ ج ۱، کتاب العلم ' رقم الحدیث: ۱۶۔مسند احمد ص ۱۸۳ ج ۵۔ابوداوٗد ص ۱۵۹ ج ۲، باب فضل نشر العلم ' کتاب العلم ' رقم الحدیث: ۳۶۶۰۔ترمذی ص ۹۴ ج ۲، باب ماجاء فی الحث الخ ' کتاب العلم ' رقم الحدیث: ۲۶۵۶۔ابن ماجہ ص ۲۱، مقدمه ' باب من بلغ علماً ' رقم الحدیث: ۲۳۲۔مشکوٰۃ ص ۳۵، کتاب العلم ' الفصل الثانی)

ماخذ واقع ہے، اور بدونِ علمِ ماخذ کے ماخذ سے احکام ظاہر نہیں کئے جاسکتے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ تفقہ کے لئے قرآن وحدیث کس قدر محفوظ ہونے چاہئیں؟ چونکہ آیات احکام قرآن میں منتشر ہیں اور بدون تتبع کل قرآن کے ان کا پتہ نہیں لگ سکتا، اس لئے قرآن تو کل ہی محفوظ ہونا چاہئے، ہاں کل حدیثیں محفوظ ہونی ضروری نہیں، صرف ان احادیث کا ضبط کرنا جو احکام کو حاوی ہوں کافی ہے، ان کی تعداد بعض نے پانچ سو، بعض نے تین ہزار اور بعض نے اس سے بھی زائد بتائی ہے۔

## تفقہ کے بعد احکام مستنبطہ کو شائع کرنا فرض کفایہ ہے

تفقہ فی الدین حاصل کر کے احکام مستنبطہ کو لوگوں میں شائع کرنا فرض کفایہ ہے، جس طرح قرآن وحدیث کو تحمل کر کے ان کو ادا کرنا فرض کفایہ ہے، چنانچہ خداوند کریم نے فرمایا ہے کہ: قال تعالیٰ:

﴿ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْآ اِلَيْهِمْ ﴾

''ہر ایک قبیلہ سے کیوں چند افراد نہیں نکلتے، تا کہ تفقہ فی الدین حاصل کر کے جب لوٹیں تو قوم کو ڈراویں'' [1]

## اولوا الامر'اہل الذکر'مجتہد' کون لوگ ہیں؟

جسے تفقہ فی الدین حاصل ہوا سے اصطلاح شریعت میں ''اولوا الامر، اھل الذکر، مجتھد'' کہا جاتا ہے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی بنا کے بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا تھا: معاذ کس طرح (مقدمات) فیصل کرو گے؟ کہا:

[1]......سورۂ توبہ، آیت نمبر:۱۲۲۔

کتاب اللہ سے، اگر اس میں نہ ہو تو حدیث رسول اللہ ﷺ سے، اگر اس میں بھی نہ ہو تو بقدر طاقت اجتہاد کروں گا، جس پر آنحضرت ﷺ نے خداوند کریم کا بایں الفاظ شکریہ ادا فرمایا: "الحمد للّٰہ الذی وفّق رسولَ رسول اللّٰہ یرضی رسول اللّٰہ"۔[۱]

جس طرح بعض افراد پر تفقہ حاصل کرنا واجب قرار دیا گیا، اسی طرح بقیہ اشخاص پر انہیں متفقہ افراد سے جو مجتہد واہل الذکر کہے جاتے ہیں، سوال کرنا اور بلا حجت ان کے اقوال پر عمل کرنا یعنی ان کی تقلید کرنا بھی واجب قرار دیا گیا ہے۔

## تقلید کا ثبوت قرآن وحدیث سے

وقال تعالیٰ: ﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾۔[۲]

وقال تعالیٰ: ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾۔[۳]

وقال ﷺ: "اصحابی کالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم" رواه رزین۔[۴]

وقال عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ لعثمان رضی اللہ عنہ حین بیعته: أبایعک علی کتاب اللّٰہ وسنة رسوله ﷺ وسیرة الشیخین۔[۵]

---

[۱]..... ابوداؤد، باب اجتهاد الرأی فی القضاء، اول کتاب القضاء، رقم الحدیث: ۳۵۹۲۔
ترمذی، باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی، ابواب الاحکام، رقم الحدیث: ۱۳۲۷۔

[۲]..... سورۂ نحل، آیت نمبر: ۴۳۔ سورۂ انبیاء، آیت نمبر: ۷۔

[۳]..... سورۂ نساء، آیت نمبر: ۵۹۔

[۴]..... مشکوۃ ص ۳۵، باب مناقب الصحابة رضی الله عنهم اجمعین، الفصل الثالث۔

[۵]..... عن ابی وائل قال: قلت لعبد الرحمن بن عوف: کیف بایعتم عثمان وترکتم علیا؟ قال: ما ذنبی؟ قد ابدأت بعلیٍّ، فقلت أُبایعک علی کتاب الله وسنة رسوله وسیرة ابی بکر و عمر، قال فیما استطعت، قال: ثم عرضتها علٰی عثمان رضی الله عنه، فقبلها۔

(مسند احمد ص ۵۶۰ ج ۱، مسند عثمان بن عفان، رقم الحدیث: ۵۵۷)

چنانچہ خداوند کریم فرماتا ہے کہ:

(۱):...... ''اگر تم کو علم نہیں تو اہل ذکر سے دریافت کرو''۔

(۲):...... نیز فرماتا ہے: ''اللہ اور رسول اللہ اور اولوا الامر کی اطاعت کرو''۔

(۳):...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، جس کی تقلید کروگے ہدایت پاؤ گے۔

(۴):...... عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے برسرِ مجلس جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ میں تم سے بیعت اس شرط پر کرتا ہوں کہ قرآن وحدیث پر اور شیخین کے مذہب پر قائم رہو تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ تسلیم کیا، اور کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے اس پر ناراضامندی ظاہر نہ کی۔

## تقلید کس کی ہو اور مجتہد کے شرائط

اس بیان سے نہایت صریح وواضح طور پر یہ تو ثابت ہوا کہ تقلید کرنا خواہ کسی مجتہد کی بھی ہو واجب ہے، مگر محققین کے نزدیک مجتہد جس کی تقلید کی جاتی ہے ایسا ہونا چاہئے کہ جس کے اجتہادی کارنامے زندہ ہوں، جس کے مذہب کی باقاعدہ توضیح وتشریح کی گئی ہو، جس کے مذہب سے اکثر وقائع وحوادث حل ہو سکتے ہوں، جس کے مذہب کو جمہور اسلامیوں نے اپنا دستور العمل قرار دیا ہو، تاکہ مذہب اپنی جامعیت وقبولیت عامہ کی وجہ سے مقلد کو اور مذاہب سے بے نیاز کر سکے، اور اس کو مجتہد کے قابل تقلید ہونے کا یقین دلا سکے، چنانچہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، وامام احمد (رحمہم اللہ) ان کے اجتہادی کارنامے دنیا میں زندہ ہیں، ان کے مذاہب کو وسیع پیمانہ پر قبولیت عامہ کا رتبہ بھی حاصل ہے، بوجہ جامعیت ہر ایک مذہب دوسرے سے بے بیاز کرنے والا بھی ہے، بخلاف امام بخاری، داؤد ظاہری، ابوثور وابن جریر طبری وغیرہم (رحمہم اللہ) کے گو یہ بھی ارباب اجتہاد تھے، اور اصحاب

مذاہب شمار کئے جاتے ہیں، مگر چونکہ ان کے پیچھے ان کے ایسے اجتہادی کارنامے باقی نہیں رہے کہ لوگ ان کو اپنا دستور العمل قرار دے سکتے ہیں، اس لئے ان کی تقلید کا سلسلہ ان کی زندگی کے بعد قائم نہ رہ سکا۔

اس میں شک نہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی ''جامع صحیح'' موجود ہے، مگر اس میں اس قدر احکام نہیں کہ ان کی تقلید کرنے والا اور مذاہب سے بے نیاز ہو سکے۔ داؤد ظاہری رحمہ اللہ کے مذہب کے متعلق گو بہت سی کتابیں لکھی گئی تھیں، مگر غیر مقبولیت کی وجہ سے اپنی ہستی کو دنیا میں قائم نہ رکھ سکیں۔ اسی طرح ابوثور وابن جریر رحمہما اللہ کے مذہب کے متعلق بھی اگر کوئی کتاب تھی تو وہ بھی دنیا میں فروغ حاصل نہ کر سکی۔

ہم جانتے ہیں کہ جو لوگ ائمہ اربعہ کی تقلید کو خلاف سمجھ کے جب اس سے گھبرا اٹھتے ہیں تو امام بخاری رحمہ اللہ کی تقلید کر کے ''صحیح بخاری'' کو اپنا دستور العمل قرار دینا چاہتے ہیں، مگر جب ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ جن کی بابت ''صحیح بخاری'' میں کوئی حکم نہیں ہے تو پھر مایوسانہ ان کو انہیں ائمہ کی مذہبی کتب کی طرف بادل ناخواست رجوع کرنا پڑتا ہے۔

غرض کسی مجتہد کی تقلید کے لئے جو شرائط ضروری ہیں وہ چونکہ ائمہ اربعہ (رحمہم اللہ) ہی میں پائی جاتی ہیں، اس لئے تقلید انہیں میں حصر کی گئی۔

**قال ابن الصلاح ما حاصله : انه يتعين تقليد الأئمة الأربعة دون غيرهم ، لأن مذهب الائمة الأربعة قد انتشرت وعلم تقييد مطلقها وتخصيص عامها ونشرت فروعها بخلاف مذهب غيرهم۔**

**وقال امام الحرمين فى البرهان : اجمع المحققون على ان العوام ليس لهم ان يتعلقوا بمذاهب اعيان الصحابة ، بل عليهم ان يتبعوا مذاهب الأئمة ، لأنهم**

أوضحوا طرق النظر، وهذبوا المسائل، وبينوها وجمعوها۔

وقال الشاه ولی اللّٰه : اعلم ! ان فی الأخذ بهذه المذاهب الأربعة مصلحة عظيمة وفی الاعراض عنها مفسدة كبيرة۔

چنانچہ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے لکھا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ: صرف ائمہ اربعہ ہی کی تقلید متعین ہو چکی ہے، اس لئے کہ انہیں کے مذاہب دنیا میں پھیل گئے ہیں، ان مذاہب میں تقیید و تخصیص کی جہاں ضرورت تھی اس کا ذکر کیا گیا ہے، اور اس کے فروعات وسیع پیمانے پر شائع ہو چکے ہیں بخلاف اور مذاہب کے۔

امام الحرمین رحمہ اللہ نے برہان میں لکھا ہے کہ: محققین کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ عوام کو اعیان صحابہ کے مذاہب کی نہیں، بلکہ ائمہ اربعہ کی پیروی کرنی چاہئے، کیونکہ انہوں نے طرق استدلال کی توضیح اور مسائل کی تنقیح کر کے پھر ان کو ایک جگہ جمع بھی کر دیا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: مذاہب اربعہ کی تقلید میں جتنی بڑی مصلحت ہے اتنی ہی بڑی ان سے انحراف کرنے میں مضرت بھی ہے۔[1]

بہر تقدیر مطلق تقلید واجب ہے، اس کو ادا کرنے کی یا یہ صورت ہے کہ تمام احکام میں ایک ہی مجتہد کی مثلاً امام اعظم رحمہ اللہ یا امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید کی جائے، اسے تقلید شخصی کہتے ہیں، یا یہ صورت ہے کہ بعض احکام میں ایک مجتہد کی اور بعض دوسروں میں دوسرے مجتہد کی تقلید کی جائے۔

بنا بر اس کے مطلق تقلید بمنزلہ مطلق کفارۂ یمین ہوگی، جس طرح کفارۂ یمین کہ جو واجب ہے دس مساکین کو کھانا کھلانے یا انہیں کپڑے پہنانے یا ایک غلام کو آزاد کرنے

[1]......عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید، ص ۳۱، مطبوعہ مجتبائی دہلی مع ترجمہ از : مولانا محمد احسن نانوتوی۔ تقلید کی شرعی حیثیت ص ۸۳۔

سے ادا ہو جاتا ہے، اسی طرح مطلق تقلید بھی واجب ہے کہ ایک ہی مجتہد کی تقلید سے یا متعدد مجتہدین کی تقلید سے ادا ہو جائے گی، اس لئے کہ یہ دونوں چونکہ مطلق تقلید کے افراد ہیں، اس لئے مکلّف کو اختیار ہے کہ جس فرد میں چاہے اس میں اسے ادا کر لے، رکاوٹ کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے، بنا بر اس کے تقلید شخصی ہرگز ناجائز نہیں ہو سکتی، اور شخصی تقلید کرنے والا کسی وجہ سے قابل ملامت نہیں ہو سکتا۔

## کون سی تقلید ناجائز ہے

تاہم اس میں شک نہیں کہ اگر کسی امام کی اس خیال سے تقلید کی گئی کہ جو احکام اس نے بیان کئے ہیں ان کا واضع حقیقۃً وہی امام ہے تو یہ تقلید حرام، بلکہ شرک ہے، چونکہ اس قسم کی تقلید یہود و نصاریٰ میں موجود تھی، اس لئے قرآن نے ان کی مذمت بے شک کی ہے:

قال تعالیٰ: ﴿ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾۔[1]

رواه الترمذی وحسنه عن عدی بن حاتم قال: اتیت النبی ﷺ وهو یقرأ فی سورة براءة: ﴿ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾۔ فقال: اما انهم لم یکونوا یعبدونهم، ولکنهم کانوا اذا احلوا لهم شیئا استحلوه، واذا حرموا علیهم شیئا حرموه۔[2]

چنانچہ خداوند کریم نے فرمایا ہے کہ: ''یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور راہبوں کو علاوہ خدا کے رب بنا رکھا ہے''۔

''ترمذی'' نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہا: میں نبی ﷺ کی خدمت

---

[1] ......سورۂ توبہ، آیت نمبر: ۳۱۔

[2] ......ترمذی، (باب) ومن سورة التوبة، ابواب تفسير القرآن، رقم الحديث: ۳۰۹۵۔

میں حاضر ہوا تو آپ سورۂ برأت کی یہ آیت: ﴿ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ تلاوت فرمارہے تھے، آپ نے فرمایا کہ: یہود ونصاریٰ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے، بلکہ جس کو وہ (بلا سند شرعی اپنی طرف سے) حلال کہتے تھے اس کو حلال اور جس کو وہ حرام کہتے تھے اس کو وہ حرام سمجھتے تھے۔

ابن حزم نے جس تقلید کو حرام کہا ہے غالباً مراد اس کی یہی تقلید ہوگی، ورنہ اگر ایک امام یا مجتہد کی بایں خیال تقلید کی جائے کہ جو احکام وہ بیان کرتا ہے ان کا واضع حقیقۃً شارع ہے اور امام صرف واسطہ فی البیان ہے، یعنی بذریعہ استنباط یا قیاس کے نصوص سے احکام کو ظاہر کرنے والا ہے تو اس کا انکار کرنا قولہ تعالیٰ: ﴿ فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ ﴾[1] کے عموم کا انکار کرنا ہے۔

## آیت ﴿ نتبع ما الفینا علیه اٰباء نا ﴾ میں تقلید کی مذمت کیوں کی گئی؟

رہا یہ شبہ کہ جب تقلید جائز تھی تو قولہ تعالیٰ:

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا ط اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴾[2]

میں اس کی مذمت کیوں کی گئی؟

---

[1] ......سورۂ نحل، آیت نمبر: ۴۳۔ سورۂ انبیاء، آیت نمبر: ۷۔

[2] ......سورۂ بقرہ، آیت نمبر: ۱۷۰۔

ترجمہ: ......اور جب ان (کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ اس کلام کی پیروی کرو جو اللہ نے اتارا ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں! ہم تو ان باتوں کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ بھلا کیا اس صورت میں بھی (ان کو یہی چاہئے) جب ان کے باپ دادے (دین کی) ذرا بھی سمجھ نہ رکھتے ہوں اور انہوں نے کوئی آسمانی ہدایت بھی حاصل نہ کی ہو؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تقلید دو قسم کی ہے:

(۱):......ایک ایسے احکام میں کہ جن کا ماخذ ادلۂ شرعیہ یا ادلۂ عقلیہ قطعیہ ہوں۔

(۲):......اور دوسری ایسے احکام میں جن کا ماخذ نہ ادلۂ شرعیہ ہوں نہ ادلۂ عقلیہ قطعیہ۔

کفار مکہ اپنے آباء کی جن امور میں تقلید کرتے تھے، چونکہ ان کا ماخذ نہ کوئی حجت شرعی تھا' نہ حجت عقلی، اس لئے آیت مذکورہ میں ان کی مذمت کی گئی، بخلاف مقلدین ائمۂ اربعہ کے، چونکہ وہ مجتہدین کی ایسے امور میں تقلید کرتے ہیں کہ جن کا ماخذ ادلۂ شرعیہ ہیں' یعنی قرآن وحدیث، اس لئے ان کی تقلید کو کوئی مذموم نہیں کہہ سکتا۔

## مجتہدین کی تقلید نہ ہوگی تو غیر مجتہد کی تقلید کرنی پڑے گی

ہم جانتے ہیں کہ بہت سے لوگ صرف تعصب ہی کی وجہ سے ائمہ مجتہدین کی تقلید سے انکار کرتے ہیں، مگر چونکہ تقلید عامی شخص کے لئے ایک ایسا گلے کا ہار ہے کہ نکالے سے نہیں نکل سکتا، اس لئے جب مجتہد کی تقلید نہیں کی جاتی تو غیر مجتہد کی تقلید جو باضابطہ احکام استنباط نہیں کرسکتا گلے کا ہار ہو کے رہتی ہے۔

مگر بمقابلۂ مجتہد ایک ایسے شخص کی تقلید کرنا جو باقاعدہ قرآن وحدیث سے احکام استنباط نہیں کرسکتا' نہ عقلا جائز ہے نہ شرعاً۔ اس کا کون انکار کرسکتا ہے کہ تشخیص مرض وتجویز نسخہ میں حکیم حاذق کے مقابلہ میں نیم حکیم کی رائے کا کچھ بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا، کیا قولہ ﷺ: ''اذا لم یبقَ عالمٌ' اتَّخذ الناسُ رُؤُوسًا جُهَّالا' فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بغیر علم، فضلّوا واَضلّوا''[۱]

سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو لوگ قابل افتا نہیں، ان سے فتوے لینا گمراہی ہے؟

---

[۱]......بخاری، باب کیف یقبض العلم' اول کتاب العلم' رقم الحدیث: ۱۰۰۔

علاوہ اس کے قولہ تعالیٰ : ﴿ وَاِلٰٓی اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡهُمۡ ﴾ میں اولی الامر کی اطاعت و تقلید اس لئے واجب کی گئی ہے کہ وہ کلامِ خدا و کلام رسول ﷺ سے احکام استنباط کر کے بیان کرتے ہیں، چنانچہ قولہ تعالیٰ :

﴿ وَلَوۡ رَدُّوۡهُ اِلَی الرَّسُوۡلِ وَاِلٰٓی اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡهُمۡ لَعَلِمَهُ الَّذِیۡنَ یَسۡتَنۡۢبِطُوۡنَهٗ مِنۡهُمۡ ﴾ ۱

اس پر شاہد ہے، چونکہ مجتہد جن احکام کو قرآن و حدیث سے استنباط کر کے بیان کرتا ہے وہ احکام گویا احکام خدا اور رسول ﷺ ہوا کرتے ہیں، اس لئے قولہ تعالیٰ :

﴿ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوۡلِ ﴾ ۲

کے ساتھ " اُولِی الۡاَمۡرِ "کا اعادہ نہیں کیا گیا، حالانکہ پہلے اس کا تذکرہ ہو چکا تھا، وجہ اس کی یہی ہے کہ اس کی طرف رجوع کرنا گویا خدا اور رسول ﷺ کی جانب رجوع کرنا ہے۔

غرض جب اولوالامر کی تقلید اس واسطے واجب قرار دی گئی کہ ان کو استنباط و قیاس کا ملکہ ہوتا ہے، تو پھر ایسے شخص کی تقلید کرنا جو مجتہد نہ ہو کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔

## زخم میں تیمّم کے بجائے غسل کروانے پر آپ ﷺ کی ناراضگی

"ابوداؤد" میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ہم سفر میں تھے کہ ایک شخص کا سر پتھر لگنے سے زخمی ہو گیا، جب اس کو احتلام ہو گیا تو لوگوں سے اس نے دریافت کیا کہ کیا میں تیمّم کر

۱......سورۂ نساء، آیت نمبر: ۸۳۔

ترجمہ: ......اور اگر یہ اس (خبر) کو رسول کے پاس یا اصحابِ اختیار کے پاس لے جاتے تو ان میں سے جو لوگ اس کی کھوج نکالنے والے ہیں وہ اس کی حقیقت معلوم کر لیتے۔

۲......سورۂ نساء، آیت نمبر: ۵۹۔

ترجمہ: ......پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو (اگر واقعی تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو) اسے اللہ اور رسول کے حوالے کر دو۔

سکتا ہوں؟ جس پر کہا گیا کہ: جب پانی پر قدرت ہے تو تم تیمّم نہیں کر سکتے، چنانچہ اس نے غسل کیا، غسل کرنا ہی تھا کہ وہ انتقال کر گیا، جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: جب ہم واپس آئے اور آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے غسل کی رائے دینے والوں کی نسبت فرمایا: خدا ان کو غارت کرے! انہیں نے اس کو قتل کیا، جب نہیں جانتے تھے تو پھر انہوں نے دریافت کیوں نہیں کیا؟ انتہی۔

مجھے یاد ہے کہ ایک شخص نے ''صحیح بخاری'' کی اس عبارت '' کانوا یعطون لیجمع لا للفقراء ''[1] سے اپنے حلقۂ اثر میں یہ حکم نافذ کیا تھا کہ جب تک کہ فطرہ ایک جگہ جمع نہ کیا جائے تب تک فقراء میں اس کا تقسیم کرنا ناجائز ہے، حالانکہ اس عبارت کا یہ مفہوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں جو لوگ فطرہ قبل عید دیتے تھے وہ جمع کیا جاتا تھا فقراء کو نہیں دیا جاتا تھا، تا کہ فقراء کو عید ہی کے روز دیا جائے۔

چونکہ متعدد مجتہدین کی تقلید کرنے سے کبھی بے علمی سے غیر مجتہد کی تقلید کا طوق گلے میں پڑ جاتا ہے، اور یہ بوجۂ مذکور ناجائز ہے، اس لئے لکھا گیا ہے کہ تقلید شخصی واجب ہے۔

## متعدد مجتہدین کی تقلید کے تباہ کن نتائج

علاوہ اس کے متعدد مجتہد کی خصوصاً اس زمانہ میں تقلید کرنے سے طبیعت آزادی وسہولت پسندی کی عادی ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات اس سے تباہ کن نتائج پیدا ہو جاتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض سرگرم طبائع نے جب اس قدر آزادی کو جو ترک تقلید سے حاصل ہوئی تھی کافی سمجھا تو آزادی کے دائرہ کو اس نے اور بھی وسیع کر دیا، اگر مجھے اجازت دی جائے تو میں کہہ سکتا ہوں نیچری، قادیانی و چکڑالوی کی آزادی کا سنگ

---

[1]...... بخاری، باب ، کتاب ، رقم الحدیث: ۰۰۔

بنیاد یہی آزادی ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی رئیس غیر مقلدین نے ''اشاعت السنہ'' کے نمبر:۲ جلد:۱۱ر کے صفحہ:۵۳ر میں لکھا ہے کہ:

## ترک تقلید کے نقصانات پر غیر مقلد عالم کی گواہی

''پچیس سال کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، ان میں سے بعض عیسائی بن جاتے ہیں اور بعض لا مذہب جو کسی دین ومذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق اور خروج تو اس آزادی کا ادنیٰ نتیجہ ہے''۔

واقعی شاہ ولی اللہ صاحب نے جو فرمایا ہے کہ:'' وفی الاعراض عنها مفسدة كبيرة '' [۱] نہایت صحیح ہے، اس سے بڑھ کے اور کیا مفسدہ ہوسکتا ہے کہ انسان اسلام ہی سے خارج ہوجائے۔ اس قدر بیان سے یہ ثابت ہوا کہ تقلید شخصی ناجائز نہیں ہوسکتی، بلکہ بوجوہِ مذکورہ واجب ہے، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ تقلید شخصی میں کیا کیا مصلحتیں وفوائد ہیں؟ اور اس سے انحراف کرنے میں کیا کیا مضرتیں ونقائص ہیں؟

لیکن ابھی تک یہ امر قابل بحث ہے کہ مذاہب اربعہ جن کو ائمہؒ اربعہ نے منقح ومدون کرکے اسلامی دنیا میں شائع کیا ہے، اور جمہور مسلمانوں نے ان کو اپنا دستور العمل قرار دیا ہے، ان کا ماخذ کیا ہے؟

## مذاہب اربعہ کا ماخذ کیا ہے؟

شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اس بحث کو ایک وسیع پیمانہ پر ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں لکھا

---

[۱]...... عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید' ص ۳۱، مطبوعہ مجتبائی دہلی مع ترجمہ از: مولانا محمد احسن نانوتوی۔ تقلید کی شرعی حیثیت ص۸۳۔

ہے، اس سے اقتباس کر کے میں صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جو عمر وتفقہ میں ائمہ ثلاثہ سے زائد تھے، اور تابعیت کا شرف حاصل ہونے میں بھی انہیں خاص امتیاز تھا، ان کے مذہب کی کیا حقیقت تھی؟

فـی " حجة اللّٰه البالغة " : وكان أبوحنيفة الزمَهم بمذهب ابراهيم واقرانه ' لا يُـجاوِزُه إلا ماشاء اللّٰه......وإن شئت أن تعلمَ حقيقةَ ما قلنا ' فَلَخِّصْ أقوالَ إبراهيم وأقـرانِـه من" كتاب الآثار" لمحمد ، و" جامعِ عبد الرزاق " و" مُصنَّفِ ابى بكر بن ابى شيبةَ " ثم قايِسْهُ بمذهبه تَجِدْهُ لا يُفارق تلك الْمَحَجَّةَ ' إلا مواضع يسيرة، وهو فى تلك اليسيرة ايضا لا يخرجُ عما ذهب إليه فقهاءُ الكوفة ، وكان اَشْهرَ اصحابِه ذكـرًا أبـو يـوسف ' فَوُلِّيَ قضاءَ القُضاء ايامَ هارون الرشيد ' فكان سببًا لظهور مذهبه والـقـضـاءِ بـه فـى اقـطـار الـعـراق وخـراسانَ وماوراءَ النهر، وكان احسنهم تصنيفا والـزمَهـم درسًـا مـحمدُ بن الحسن ، وكان مِن خبره : انه تفقّه على ابى حنيفة وأبي يـوسف ، ثـم خـرج إلى المدينة ' فقرأ المؤطا على مالك ' ثم رجع إلى نفسه ' فَطَبَّقَ مـذهـبَ أصحابِه على المؤطا مسئلةً مسئلةً ، فإن وافق فَبِهَا ' وإلا فإن رأى طائفة من الـصـحـابة والتّابعين ذاهبين إلى مذهب أصحابه فكذلك ، وإن وجد قياساً ضعيفاً ' أو تـخـريـجـا لَيِّـنًا ' يخالفُه حديثٌ صحيحٌ مِمَّا عمل به الفقهاءُ ' أويخالِفُه عملُ اكثر الـعـلماء تركه إلى مذهب السلف ' مما يراه أرجَحَ ما هناك....... فصنَّفَ محمدٌ وجـمـع رأىَ هـؤلاء الثـلا ثةِ' ونـفـع كثيـرًا من الناس' فتوجّه أصحابُ أبي حنيفة إلى تـلـك التـصانيف تخليصاً و تقريبا ' أوشرحاً ' أو تخريجاً ' أو تأسيساً ' أو استدلالا ، ثم تفرقوا إلى خراسانَ وماوراءَ النهر، فيُسمى ذلك مذهب أبي حنيفة رحمه اللّٰه[1]

[1]......رحمۃ اللہ الواسعۃ شرح حجۃ اللہ البالغہ ص: ۶۱۴ ج ۲۔

''حجۃ اللہ البالغہ'' میں ہے کہ: ابوحنیفہ رحمہ اللہ، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کے مذہب کے اس قدر پابند تھے کہ بہت کم اس سے عدول کرتے تھے، اگر اس کی حقیقت دریافت کرنی ہے تو ابراہیم اور ان کے اصحاب کے اقوال کو کتاب آثار امام محمدؒ و جامع عبدالرزاقؒ و مصنف ابن ابی بکرؒ سے اقتباس کرکے دیکھو، معلوم ہوجائے گا کہ بجز چند مقامات کے امام صاحب رحمہ اللہ کا مذہب بالکل ان اقوال کے مطابق ہے، بلکہ ان مقامات میں یہی بھی فقہائے کوفہ کے مذہب سے باہر نہیں ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ کے شاگردوں میں مشہور و قابل ذکر امام ابویوسف رحمہ اللہ ہیں، ہارون رشید کے عہد میں تمام قاضیوں کے سردار بنائے گئے تھے، یہی وجہ تھی کہ حنفی مذہب عراق، خراسان و ماوراء النہر کے اطراف میں شائع ہوگیا تھا۔ تصنیف و تعلیم میں سب شاگردوں سے امام محمد رحمہ اللہ کا رتبہ بڑھا ہوا تھا، امام ابوحنیفہ اور ابویوسف رحمہما اللہ سے تفقہ حاصل کرکے مدینہ منورہ کو چلے گئے، امام مالک رحمہ اللہ سے ''مؤطا'' پڑھی، بطور خود ایک ایک مسئلہ کرکے اپنے اصحاب کے مذہب کو ''مؤطا'' پر منطبق کیا، جو مسئلہ منطبق ہوگیا یا صحابہ و تابعین کا کوئی گروہ اس کی طرف گیا ہے تو اس کو رکھ لیا، اور اگر کسی قیاس یا تخریج ضعیف کو دیکھا کہ صحیح حدیث یا اکثر علماء کے عمل سے خلاف ہے تو اسے علیحدہ کردیا، اور سلف سے جس کا قول راجح معلوم ہوا اس کو قبول کرلیا، پھر امام محمد رحمہ اللہ نے تصنیف کا سلسلہ جاری کرکے تینوں کی رایوں کو مدون کیا، پھر امام صاحب رحمہ اللہ کے اصحاب ان کی خدمت کے لئے متوجہ ہوئے، کسی نے ان کا خلاصہ کیا، کسی نے ان کی شرح لکھی، کسی نے ان سے تخریج کی، کسی نے ان کو مدلل کیا، پھر خراسان و ماوراء النہر میں ان کی اشاعت کردی، اسی کا نام حنفی مذہب قرار پایا۔

## حنفی مذہب کا مأخذ ابراہیم نخعی، اوران کا مأخذ ابن مسعود اور علی ہیں

یہ عبارت نہایت صریح وواضح الفاظ میں بتارہی ہے کہ حنفی مذہب بعینہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اوران کے اصحاب کا مذہب ہے، باقی ابراہیم رحمہ اللہ اوران کے اصحاب کا مذہب کس سے ماخوذ ہے؟ اسے بھی شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

وأصلُ مذهبه فتاوى عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ ' وقضايا على رضی اللہ عنہ ' وفتاواه ' وقضايا شريح وغيرِه من قضاة الكوفة ، فجمع من ذلک ما سيره الله ....... فَتَلَّخص له مسائل الفقه فى كل باب باب....... وكان ابراهيم لسانَ فقهاء الكوفة ، فإذا تكلم بشيىء ' ولم ينسبه إلى أحد ، فإنه فى الاكثر منسوب إلى أحد من السلف صريحا أو ايماءً۔[1]

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے مذہب کا ماخذ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فتاوے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وقاضی شریح رحمہ اللہ وغیرہ قضاۃ کوفہ کے فیصلہ جات ہیں، ان سب کو ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے جمع کر کے ہر ہر باب کے متعلق ان سے مسائل کا انتخاب کیا، واقعی ابراہیم رحمہ اللہ فقہائے کوفہ کی زبان تھے، جب انہوں نے کوئی قول بیان کیا اور کسی کی جانب سے منسوب نہیں کیا تو ضرور وہ کسی سلف کی طرف صریحاً یا اشارۃً منسوب ہی ہوگا۔

یہ فیض ابراہیم نخعی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوفہ میں حاصل کیا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں کوفہ کو دارالخلافت قرار دیا تھا، ایک ہزار پچاس صحابہ رضی اللہ عنہم جن میں اصحاب بدر بھی شامل تھے، کوفہ کو گئے تھے، جن میں سے بہتوں نے وہیں کی سکونت اختیار کرلی تھی، انہیں کی بدولت کوفہ میں اس قدر چرچا پھیلا کہ کوفہ دارالحدیث

[1]......رحمۃ اللہ الواسعۃ شرح حجۃ اللہ البالغہ ص:۵۹۹ ج ۲۔

والروایت مشہور ہو گیا تھا۔

اس سے تو معلوم ہو گیا کہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے حضرت علیؓ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے علم حاصل کیا تھا، مگر ابھی تک یہ نظری ہے کہ حضرت علی وعبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو قرآن وحدیث میں کہاں تک دستگاہ تھی؟

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کرنے کے دو طریقے تھے

''حجۃ اللہ البالغہ'' میں لکھا ہوا ہے کہ: صحابہ رضی اللہ عنہم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کرتے تھے، اس کے دو طریق تھے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کا مشاہدہ اور آپ کے اقوال کی سماعت، جو افعال آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوتے تھے ان کا مشاہدہ کر کے اور جو اقوال آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرزد ہوتے تھے ان کی سماعت کر کے یاد کر لیا کرتے تھے، بنا براس کے اس نتیجہ پر پہنچنا نہایت آسان ہوگا کہ جس صحابی رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف زیادہ حاصل ہوگا اسی قدر اس کو علم شریعت زیادہ حاصل ہونا چاہئے۔[۱]

اس کو کون نہیں جانتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دس سال کی عمر میں سب سے مقدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے آغوش صحبت میں تربیت پاتے رہے، بناءً علیہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کا مشاہدہ کرنے کا اور اقوال کو سماعت کرنے کا جس قدر موقع ملا اتنا کسی کو نہ ملا ہوگا، یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

'' أنا دار الحكمة وعلي بابها ''۔[۲]

ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ بنسبت اور صحابہ کے آپ کثیر الروایت کیوں

---

[۱]...... رحمۃ اللہ الواسعۃ شرح حجۃ اللہ البالغہ ص: ۶۱۴ ج ۲۔

[۲]...... ترمذی، باب ( حديث غريب : انا دار الحكمة وعلى بابها ) باب مناقب على بن ابى طالب رضى الله عنه ، ابواب المناقب ' رقم الحديث: ۳۷۲۳۔

ہیں؟ فرمایا کہ: میں آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کرتا تھا، جب میں خاموش ہو جاتا تھا تو خود آپ ﷺ مجھے بتاتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: خدانخواستہ ایسا اتفاق نہ ہو کہ کوئی مشکل واقعہ پیش ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود نہ ہوں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حالانکہ مجتہد تھے، تاہم فرمایا کرتے تھے کہ: جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ موجود ہوتو اور کے فتوے کی کیا ضرورت رہتی؟

کوئی شک نہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ خلوت وجلوت میں اس قدر رہتے تھے کہ آپ کا نام ہی صاحب سر رسول اللہ ہو گیا تھا ''صحیح مسلم'' میں ابوموسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کچھ دنوں تک (مدینہ) میں رہے ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس اس قدر آتے جاتے دیکھا کہ ہم انہیں آنحضرت ﷺ کے اہل بیت سے گمان کرتے رہے۔[1]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دعوی تھا کہ قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت نہیں جس کی نسبت مجھے علم نہ ہو کہ کس بات میں اتری ہے، یہی انہیں کا قول ہے کہ قرآن کا مجھ سے کسی کو زیادہ علم ہوتا تو میں سفر کر کے اس کے پاس جاتا۔[2]

''صحیح مسلم'' میں ہے کہ: ایک مجمع عام میں انہوں نے دعوی کیا تھا کہ صحابہ جانتے ہیں کہ سب سے زائد قرآن کا مجھے علم ہے۔

---

۱...... مسلم، باب من فضائل عبد الله بن مسعود وامه ' كتاب فضائل الصحابة ، رقم الحديث : ۲۴۶۰۔

۲...... مسلم، باب من فضائل عبد الله بن مسعود وامه ' كتاب فضائل الصحابة ، رقم الحديث : ۲۴۶۲۔

شقیق کہتے ہیں کہ مجھے اکثر صحابہ کے حلقے میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا، مگر کسی نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کے دعوے کی تردید نہیں کی۔[۱]

یوں تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بہت سے لوگوں نے علم حاصل کیا تھا، مگر علقمہ رحمہ اللہ نے ان سے جو کمال حاصل کیا وہ کسی کو نصیب نہیں ہوا، لوگ کہا کرتے تھے کہ: جس نے علقمہ رحمہ اللہ کو دیکھا اس نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا، خود عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول تھا کہ: میری معلومات علقمہ کی معلومات سے زائد نہیں، اس سے بڑھ کے کیا دلیل ہوگی کہ خود صحابی ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔

علقمہ کے بعد اسود رحمہ اللہ تھے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد یہ دونوں ان کے جانشین قرار دیئے گئے، جب ان دونوں کا انتقال ہوگیا تو ابراہیم نخعی رحمہ اللہ ان کے جانشین ہوئے۔

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے علم فقہ کو یہاں تک وسعت دی کہ ان کو ''فقیہ العراق'' کا لقب دیا گیا۔ علم حدیث میں ان کو اس قدر دستگاہ تھی ''صیر فی الحدیث'' کہے جاتے تھے۔ امام شعبی رحمہ اللہ نے جو ''علامۃ التابعین'' سمجھے جاتے تھے ان کی وفات کے وقت کہا تھا کہ: ابراہیم نے اپنے سے کسی کو زیادہ عالم وفقیہ نہیں چھوڑا، جس پر پوچھا گیا حسن بصری، ابن سیرین بھی نہیں؟ شعبی نے کہا: ان پر کیا ختم، بصریٰ، کوفہ، شام، حجاز میں بھی کوئی شخص ان سے زیادہ عالم نہ رہا۔

ابراہیم کے عہد میں مسائل فقہ کا ایک مجموعہ تیار ہوگیا تھا، جس کا ماخذ حدیث نبوی ﷺ اور حضرت علی وعبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے فتاوے تھے، گو مرتب طور پر یہ مجموعہ قلم بند نہ تھا،

---

[۱]...... مسلم، باب من فضائل عبد الله بن مسعود وامه، كتاب فضائل الصحابه، رقم الحديث: ۲۴۶۲۔

تاہم ان کے شاگردوں کو اس کے مسائل زبانی یاد تھے، سب شاگردوں سے چونکہ یہ مجموعہ حماد بن سلیمان رحمہ اللہ کو زیادہ محفوظ تھا، اس لئے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے بعد وہی مسند نشین قرار دیئے گئے، جب: ۱۲۰ھ میں حماد رحمہ اللہ نے انتقال کیا تو بجائے ان کے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مسند نشین قرار دیئے گئے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ: ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور: ۱۵۰ھ میں ان کی وفات ہوئی، اگر تسلیم بھی کیا جائے کہ انہوں نے کسی صحابی سے روایت نہیں کی، مگر انس بن مالک رضی اللہ عنہ صحابی کی رویت کا شرف چونکہ انہیں حاصل تھا، چنانچہ سیوطی نے ''رسالہ'' میں ''دارقطنی'' سے روایت کی ہے: لم يلق أبو حنيفة أحدا من الصحابة إلا أنه رأى أنسا بعينيه ولم يسمع منه، اس لئے بقول صحیح ان کے تابعی ہونے میں تامل نہیں کیا جاسکتا، تابعی ہونے کا شرف صرف امام صاحب رحمہ اللہ کی قسمت میں تھا اور ائمہ اس دولت سے محروم تھے۔

## امام صاحب رحمہ اللہ کے مناقب

اس میں شک نہیں کہ امام صاحب رحمہ اللہ میں مجتہدانہ، محدثانہ دونوں حیثیتیں موجود تھیں، اول وہ شخص جس نے استنباط وقیاس کے قواعد واصول مرتب کئے، اوران قواعد کے ذریعہ ایک بہت بڑا ذخیرہ احکام کا حسب ضرورت وقت قرآن وحدیث سے استنباط و استخراج کیا وہ بھی امام صاحب رحمہ اللہ تھے۔

اسی وجہ سے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ: جو شخص علم فقہ میں تبحر پیدا کرنا چاہے وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محتاج ہے، استدلال کا ان کو اتنا بڑا ملکہ تھا کہ امام دارالہجرہ مالک رحمہ اللہ جیسے مجتہد بھی ان کا لوہا مان گئے تھے، امام شافعی رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے دریافت کیا تھا کہ: کیا آپ نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو دیکھا؟ فرمایا: میں نے دیکھا کہ اگر وہ

اس ستون کی بابت دعوی کریں کہ سونے کا ہے تو بے شک دلیل سے اسے ثابت کر دکھائیں گے، غرض فن فقہ میں ان کا بے نظیر ہونا اس کو چونکہ موافق ومخالف دونوں تسلیم کرتے ہیں، اس لئے میں اس کے متعلق زیادہ قلم فرسائی نہیں کرنا چاہتا، میں صرف یہ پہلو دکھانا چاہتا ہوں کہ علم حدیث میں ان کا کیا رتبہ تھا۔

آغاز مبحث میں بیان کیا گیا ہے کہ تفقہ واجتہاد کے لئے احادیث احکام کا مجتہد کو علم ہونا ضروری ہے، بدون ان کے علم کے تفقہ واجتہاد غیر ممکن ہے، اور امام مالک وشافعی رحمہما اللہ وغیرہ مسلم الثبوت علماء امام صاحب رحمہ اللہ کے رئیس الفقہاء اور امیر المجتہدین ہونے کا اعتراف کر چکے ہیں، ان دونوں مقدموں کی ترتیب دینے سے نہایت سہولت کے ساتھ یہ نتیجہ برآمد ہوسکتا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کو احادیث احکام محفوظ تھیں۔

اس کو کون نہیں جانتا کہ طہارت‘ نماز‘ روزہ‘ زکاۃ وحج وغیرہ مباحث کے متعلق جو احکام امام صاحب رحمہ اللہ نے بیان کئے ہیں ان میں سے صدہا احادیث کے مطابق ہیں، اگر ان کو علم حدیث نہ تھا تو یہ تطابق کیوں ہوا؟ اگر یوں کہا جائے کہ امام صاحب نے تو یہ مسائل رائے ہی سے بیان کئے تھے، مگر اتفاقاً احادیث سے توارد ہوگیا، تو کیا اس سے امام صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح صاحب الہام ثابت ہوں گے؟ اور کیا اس سے ایک حقیقت شناس یہ نتیجہ نکال سکے گا کہ امام صاحب رحمہ اللہ جو احکام استنباط فرماتے تھے ان کا ماخذ وہ حدیثیں تھیں جن کا علم ان کو بطور الہام حاصل تھا۔

غرض امام صاحب رحمہ اللہ کو مجتہد وفقیہ تسلیم کر کے ان کے محدث ہونے کا انکار کوئی کر ہی نہیں سکتا، جس طرح کوئی طلوع شمس تسلیم کر کے وجود نہار کا انکار نہیں کرسکتا، ورنہ ان کی فقاہت کی خبر جو متواتر ہے کی تکذیب کرنی پڑے گی۔

یہی وجہ تھی کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں حفاظ حدیث کی فہرست میں امام صاحب رحمہ اللہ کا نام بھی ثبت کیا ہے۔

خطیب بغدادی نے اسرائیل میں یونس سے یہ فقرہ نقل کیا ہے: '' نِعْمَ الرجل النعمان ما كان أحفظه '' یعنی ابوحنیفہ رحمہ اللہ بہت اچھے شخص ہیں ان کا حافظہ بہت ہی اچھا ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: جب امام صاحب رحمہ اللہ کسی قول پر وثوق کرتے تو میں بایں خیال کہ اس کی تائید میں کوئی حدیث یا اثر مل جائے، کوفہ کے مشائخ کے پاس جاتا تھا، اور دو یا تین حدیثیں مل جاتی تھیں، جب میں ان کو امام صاحب کی خدمت میں پیش کرتا تھا تو آپ بطور تنقید فرمایا کرتے تھے کہ: یہ غیر صحیح یا غیر معروف ہے، جس پر میں عرض کرتا تھا کہ آپ کو کس طرح معلوم ہوا؟ فرمانے لگے: اہل کوفہ کے علم پر میں حاوی ہوں۔

ایک روز آپ اعمش رحمہ اللہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اعمش رحمہ اللہ سے چند مسئلے دریافت کئے گئے، انہوں نے امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف اشارہ کردیا، جب آپ نے تسلی بخش جوابات دیئے تو اعمش رحمہ اللہ نے بطور استعجاب دریافت کیا کہ آپ نے جوابات کہاں سے دیئے؟ فرمایا: احادیث سے جو میں نے تم سے سنی تھیں، یہ فرما کے چند احادیث معہ اسانید پڑھ کر سنائیں، جس پر اعمش رحمہ اللہ نے بطور انصاف کہا: واقعی آپ بمنزلہ طبیب ہیں اور ہم یعنی محدثین بمنزلہ عطار۔ حقیقت میں آپ کو فقہ و حدیث دونوں میں کمال حاصل ہے۔

رہی یہ بحث کہ جو احادیث احکام امام صاحب رحمہ اللہ کو محفوظ تھیں وہ صحیح تھیں یا ضعیف؟ اس کے متعلق اس قدر بیان کردینا کافی سمجھتا ہوں کہ وکیع بن جراح، یحی بن سعید

قطان، وعبداللہ بن مبارک وغیرہ رحمہم اللہ اکابر حفاظ ونقاد حدیث ان کے شاگرد تھے، اگر وہ حدیثیں جن سے امام صاحب رحمہ اللہ احکام اخذ کرتے تھے ضعیف ہوتیں تو ضرور یہ کنارہ کشی کرکے چلا اٹھتے، اور یہ چلانا ضرور کتابوں میں کسی رنگ میں ظاہر ہوتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کی جس روایت پر ضعف کا داغ ہے، یہ ان کے بعد کے راویوں سے لگا ہے، ممکن ہے کہ جن وسائط سے امام صاحب رحمہ اللہ نے روایت کی وہ جرح سے محفوظ ہوں، مگر جب محدثین نے باقاعدہ سلسلہ تحدیث کا جاری کیا تو اسناد کے وہ راوی جو امام صاحب رحمہ اللہ کے بعد تھے وہ مجروح ہوں اوران کے باعث روایت پر ضعف کا داغ لگ گیا ہو، امام صاحب رحمہ اللہ کے اساتذہ غالبًا تابعین تھے، اس لئے ان کی اسناد کے رجال تین چار سے زائد نہیں ہوتے تھے، اور چونکہ خیرالقرون سے تھے، اس لئے اکثر بے داغ بھی ہوتے تھے۔

## امام صاحب نے حدیث کی اشاعت کی طرف توجہ کیوں نہیں دی؟

رہی یہ نکتہ چینی کہ جب امام صاحب رحمہ اللہ کو فن حدیث میں اس قدر کمال تھا تو پھر انہوں نے اور محدثین کی طرح سلسلہ تحدیث کو کیوں فروغ نہیں دیا؟ اس کی یہ وجہ تھی کہ چونکہ اجتہاد واستنباط میں جو اس وقت نہایت ضروری واہم امر تھا، امام صاحب رحمہ اللہ اس قدر مستغرق تھے کہ اور محدثین کی طرح دائرہ تحدیث کو وسیع نہ کرسکے، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث کا ان کو علم ہی نہیں تھا۔ اس کا کون انکار کرسکتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وفاروق اعظم رضی اللہ عنہ علم حدیث کے بہت بڑے ارکان تھے، مگر سیاست کی اہمیت نے ان کے سلسلہ روایت کو نہایت ہی محدود کردیا تھا، جوامع ومسانید کو ملاحظہ کرکے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے سترہ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سے پچاس حدیثیں روایت کی

گئی ہیں، بخلاف ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے کہ ان سے (۵۳۴۶) اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کہ ان سے (۲۶۶۰) حدیثیں مروی ہیں۔

## امام صاحب کو صاحب رائے کیوں کہا گیا؟

رہا یہ شبہ کہ جب امام صاحب صاحب حدیث تھے تو پھر ان کو صاحب رائے کا کیوں خطاب دیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بلا شبہ امام صاحب رحمہ اللہ صاحب حدیث تھے، ایک مجتہد کو احادیث کا جس قدر علم ہونا چاہئے اتنا ان کو بھی حاصل تھا، مگر کثرت فتوحات اور تمدن کی وسعت نے ایسے ایسے بکثرت جدید واقعات پیدا کر دیئے تھے کہ نصوص قرآن وحدیث سے ان کے متعلق کوئی حکم مفہوم نہیں ہوتا تھا، اس ضرورت نے مجتہدین میں ان واقعات کے لئے بطور استنباط وقیاس احکام ظاہر کرنے کی سخت تحریک پیدا کر دی تھی، یوں تو قیاس واستنباط میں کم وبیش ہر ایک مجتہد نے اپنے حوصلہ کے مطابق حصہ لیا تھا، مگر اس میدان میں خصوصیت کے ساتھ جو کامیابی وشہرت امام صاحب رحمہ اللہ کو حاصل ہوئی چونکہ وہ کسی کو حاصل نہ ہوئی تھی، اس لئے ان کو صاحب رائے یعنی صاحب قیاس کا لقب دیا گیا، دستور ہے کہ بعض علماء حالانکہ جامع الفنون ہوتے ہیں، مگر جس فن میں ان کو زیادہ کمال وشہرت ہوتی ہے اسی سے وہ نامزد کئے جاتے ہیں۔

باقی یہ تو کوئی کہہ ہی نہیں سکتا کہ واقعات غیر منصوصہ میں صرف امام صاحب رحمہ اللہ ہی قیاس کرتے تھے، اور امام مالک، شافعی، احمد وبخاری وغیرہم (رحمہم اللہ) اس سے مستثنیٰ تھے، اس لئے کہ قیاس کا جواز چونکہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اور صحابہ اس کے کاربند ہو چکے تھے، اور ضرورت بھی اس کی متقاضی تھی، اس لئے بجز ارباب ظواہر سب نے قیاس سے کام لیا تھا، لیکن کسی نے کم اور کسی نے زائد، چنانچہ ان کے کارنامے اس پر شاہد ہیں،

’’صحیح بخاری‘‘ میں ایسے ایسے دقیق قیاسات موجود ہیں کہ ان کے سمجھنے کے لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی لیاقت درکار رہے، امام احمد رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ میں آپ نے کونسا عیب دیکھا؟ کہا: رائے، پوچھا گیا: امام مالک رحمہ اللہ رائے سے کام نہیں لیتے تھے؟ کہا: ہاں! مگر ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان سے بڑھے ہوئے ہیں، کہا گیا پھر بقدر حصہ امام مالک رحمہ اللہ پر بھی جرح کرنی چاہئے؟ جس کا جواب بجز خاموشی کے امام احمد رحمہ اللہ سے بن نہ سکا۔

اسی طرح یہ بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ امام صاحب رحمہ اللہ کو صاحب رائے اس لئے کہا گیا کہ وہ حدیث پر قیاس کو مقدم کرتے تھے:

اولاً:......اگر یہی بات تھی تو پھر حدیث ضعیف وخبر مرسل کو قیاس پر انہوں نے کیوں مقدم کیا؟ قہقہہ جو قیاساً حدث نہیں ہوسکتا، صرف خبر مرسل کی خاطر انہوں نے ناقض وضو کیوں ٹھہرایا؟ خود امام صاحب رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اگر حدیث نہ ہوتی تو نسیاناً قہقہہ لینے سے بطور قیاس میں قضا کا حکم دیتا۔

ثانیاً:......اگر یہی بات تھی تو پھر یحی بن سعید قطان اور وکیع بن جراح اور عبداللہ بن مبارک وغیرہم (رحمہم اللہ) ارباب حدیث ان کی شاگردی کو کیوں پسند کرتے؟ اور بالخصوص یحی اور وکیع رحمہما اللہ' امام صاحب رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ کیوں دیتے؟ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے وکیع بن جراح رحمہ اللہ کے تذکرے میں لکھا ہے:

’’ يفتي بقول ابي حنيفة وكان يحى القطان يفتي بقوله أيضا ‘‘

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ احناف کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ جو حدیث مخالف قیاس ہو اور اس کے راوی فقیہ نہ ہوں تو وہ حدیث قابل حجت نہیں ہوسکتی، مگر یہ قول امام صاحب رحمہ

اللہ کا نہیں، بلکہ ایک شخص عیسی بن ابان کا قول ہے، اور حدیث مصراۃ کو امام صاحب رحمہ اللہ نے اس لئے نا قابل حجت نہیں قرار دیا کہ قیاس کے مخالف ہے اور اس کے راوی غیر فقیہ ہیں، بلکہ اس لئے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک منسوخ ہے، چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے ''معانی الآثار'' میں اس کو ذکر کیا ہے۔

اس بحث کو ہم علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ کے قول پر ختم کرنا چاہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ: اس خیال سے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث پر قیاس کو مقدم کرتے ہیں محدثین نے امام صاحب رحمہ اللہ کی گستاخی میں سخت غلو کیا ہے، حالانکہ انہوں نے کسی تاویل سے صرف بعض اخبار آحاد ہی کو رد کیا ہے، اور اس میں بھی وہ متفرد نہیں، بلکہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردان کے ہم آہنگ ہیں، پھر علامہ لکھتے ہیں کہ کسی معتبر عالم کو ہم نے نہیں دیکھا کہ ایک حدیث کو حدیث تسلیم کرکے پھر بدون حجت اس کو رد کیا ہو یا تو اس حجت سے اس کو رد کیا ہے کہ کسی اور حدیث سے یا جماعت سے یا کسی صحابی کے عمل سے وہ منسوخ ہے یا اس حجت سے کہ اس کی سند میں کوئی طعن موجود ہے، باقی اگر کوئی شخص حدیث کو بلا حجت رد کرے گا تو اس کی امامت تو کیا اس کی عدالت بھی پایۂ اعتبار سے ساقط ہو جائے گی، البتہ خداوند کریم نے ائمہ کو اس سے محفوظ رکھا ہے۔

## امام صاحب کی توثیق

اب رہا مسئلہ جرح وتعدیل کا، علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ نے ''خیرات الحسان'' میں امام صاحب رحمہ اللہ کی توثیق کے متعلق جو اقوال ائمہ حدیث کے ذکر کئے ہیں، ان کو بطور اقتباس نقل کرکے ان پر اس بحث کے فیصلہ کو ختم کرتا ہوں:

**قال الإمام علی بن المدینی : أبو حنیفة روی عنه الثوری وابن المبارک وحماد**

بـن زيـد وهشام ووكيع وعباد بن العوام وجعفر بن عون وهو ثقة ، لا بأس به ، وكان شعبة حسن الرأي فيه ، وسئل يحى بن معين عنه ، فقال: ثقة، ما سمعت أحدا ضعفه، وقال شعبة : كان والله حسن الفهم ' جيد الحفظ ، وروى الخطيب عن اسرائيل بـن يـونـس أنـه قـال : نِـعْـمَ الرجل النعمان ما كان احفظه لكل حديث فيه فقه ، وعن الـحسن بن الصالح : أن أباحنيفة كان شديد الفحص عن الناسخ والمنسوخ ، عارفا بحديث أهل الكوفة ' حافظا لما وصل إلى أهل بلده ، قال ابن عبدالبر : والذين رووا عـن أبـي حـنيفة ووثقوه عليه اكثر من الذين تكلموا فيه ، والذين تكلموا فيه من أهل الحديث اكثر ماعابوا عليه الاغراق فى الراى والقياس وقد مران ذلک ليس بعيب '

امام علی بن مدینی رحمہ اللہ نے کہا: ابوحنیفہ رحمہ اللہ ثقہ ہیں، ثوری' ابن مبارک' حماد بن زید' ہشام وکیع' عباد بن عوام' جعفر بن عون (رحمہم اللہ) نے ان سے روایت کی ہے، شعبہ رحمہ اللہ کا ان کے متعلق نیک گمان ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ کے متعلق یحی بن معین رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا تو کہا: ثقہ ہیں، کسی کو ان کی تضعیف کرتے میں نے نہیں سنا۔ شعبہ رحمہ اللہ نے کہا: قسم خدا کی ابوحنیفہ رحمہ اللہ خوش فہم ہیں' حافظہ ان کا جید ہے۔ خطیب رحمہ اللہ نے اسرائیل بن یونس رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ: نعمان اچھے شخص ہیں، احادیث احکام ان کو خوب یاد ہیں۔ حسن بن صالح رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ: ابوحنیفہ رحمہ اللہ ناسخ ومنسوخ کی خوب تنقیح کرتے ہیں، اہل کوفہ کی حدیث کو پہچان لیتے ہیں، جو حدیثیں مقامی علماء کو پہنچی ہیں ان کے حافظ ہیں۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کہا کہ: جن لوگوں نے امام صاحب رحمہ اللہ سے روایت کی اور ان کی توثیق وتعریف کی' ان کی تعداد ان لوگوں سے جو ان میں کلام کرتے ہیں زائد ہے،

اور جن محدثین نے جرح کی، اکثر ان کی جرح بہ نسبت استغراق فی القیاس ہے، مگر گذر چکا کہ یہ عیب نہیں۔

رہا یہ شبہ کہ جب جرح وتعدیل دونوں امام صاحب کے متعلق ثابت ہوئی ہیں تو بقاعدۂ اصول جرح تعدیل پر مقدم ہونی چاہئے، اس کا جواب ذیل میں ہے:

قال التاج السبكى فى الطبقات : ان الجارح لا يقبل منه الجرح ' وإن فسره فى حق من غلبت طاعته على معصيته ' ومادحوه على ذاميه ' ومزكوه على جارحيه ' إذا كانت هناك قرينة يشهد العقل بأن مثلها حامل على القعية فيه من تعصب مذهبى أو منافسة كما يكون بين النظراء أو غير ذلك ، فلا يلتفت لكلام الثورى وغيره فى أبي حنيفة ، وابن أبي ذئب وغيره فى مالك ، وابن معين فى الشافعى ، والنسائى فى احمد بن صالح ، ونحو ذلك ،

وقال الإمام البخارى فى رسالته فى القراءة : ولم ينج كثير من الناس من كلام بعض الناس فيهم نحو ما يذكر عن ابراهيم من كلامه فى الشعبى وكلام الشعبى فى عكرمة ،

تاج الدین سبکی رحمہ اللہ نے کہا کہ: جرح گو مفسر ہی ہو، مگر اس شخص کی نسبت قبول نہیں ہوسکتی جس کی طاعت معصیت پر غالب ہو' جس کے ثنا خواں مذمت کرنے والوں سے' جس کی تعدیل کرنے والے جرح کرنے والوں سے زائد ہوں، خصوصاً جبکہ قرینہ موجود ہو، عقل شاہد ہے کہ سبب جرح حسد ہے یا مذہبی تعصب یا حسد یا تقلید متعصب، بنا بر اس کے ثوری رحمہ اللہ وغیرہ نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ میں اور ابن ابی الذئب رحمہ اللہ وغیرہم نے امام مالک رحمہ اللہ میں اور ابن معین رحمہ اللہ نے شافعی رحمہ اللہ میں اور نسائی رحمہ اللہ نے احمد بن صالح رحمہ اللہ میں جو کلام کیا ہے وہ قابل التفات نہیں ہوسکتا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ''رسالہ قرأت'' میں فرمایا ہے کہ: بہت سے لوگ بعض آدمیوں کی جرح سے نجات نہ پاسکے، چنانچہ ابراہیم رحمہ اللہ نے شعبی رحمہ اللہ میں کلام کیا ہے، اور شعبی رحمہ اللہ نے عکرمہ رحمہ اللہ میں۔

کیا یہ تعجب نہیں کہ جو حدیثیں ایک مدت تک امام صاحب رحمہ اللہ کے زیر بحث رہ چکی ہوں، جن کے ہر ایک پہلو پر بارہا غور وتدبر کرنے اور احکام استنباط کرنے کا ان کو اتفاق ہوا ہو، وہ حدیثیں ان کو محفوظ نہ ہوں، اور ان کی روایت میں ان کا حافظہ غلطی کرتا ہو، خواہ کوئی کچھ ہی کہے، مگر عقل سلیم اسے ہرگز قبول نہیں کرسکتی۔ حاصل کلام بقول تاج سبکی وامام بخاری رحمہما اللہ ''میزان الاعتدال'' میں جو امام صاحب رحمہ اللہ کی نسبت لکھا گیا ہے کہ: ''ضعفه النسائی من جهة حفظه وابن عدی وآخرون'' ہم نہایت سہولت سے اس کا فیصلہ کرسکتے ہیں کہ یہ تضعیف چونکہ تعصب یا تقلید متعصب کی وجہ سے کی گئی ہے، اس لئے گو یہ مفسر بھی ہے' تاہم اس کا اعتبار کسی وجہ سے نہیں کیا جاسکتا۔

## قرأۃ الفاتحہ

روایات تفاسیر پر غور کرنے سے وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ آغاز بعثت میں سورۂ مزمل کی اوائل آیات کے ذریعہ جب نماز تہجد فرض کی گئی تو اس کے ساتھ یہ دو چیزیں بھی مشروع تھیں:

اول یہ کہ:......قرأت طویل ہو۔

دوم یہ کہ:......مقتدی بھی فاتحہ وسورت کی قرأت کرتا ہو۔

چنانچہ ایک سال تک اسی طرح باجماعت نماز تہجد پڑھی گئی، ایک سال کے بعد جب سورۂ مزمل کی اخیر کی آیتیں نازل ہوئیں تو قولہ تعالیٰ: ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾

سے عموماً طویل قرأت تو منسوخ ہوگئی، مگر مقتدی پر جو قرأت مشروع تھی وہ بدستور باقی رہی، یہاں تک کہ جب نماز تہجد کی فرضیت منسوخ کردی گئی' اور بجائے اس کے نماز پنجگانہ فرض کی گئی' تب بھی مقتدی قرأت کرتے تھے، پھر جب قبل ہجرت مکہ معظّمہ ہی میں آیت: ﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ ۔[۱] نازل ہوئی تو وجوب قرأت مقتدی جو عموم قوله تعالىٰ ﴿ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ﴾ ۔[۲] سے مفہوم ہوتا تھا منسوخ ہوگیا، چنانچہ بیہقی' سعید بن منصور' ابن ابی حاتم (رحمہم اللہ) نے محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ سے روایت کی ہے:

قال كان رسول الله ﷺ إذا قرأ في الصلوة اجابه من وراءه إذا قال: بسم الله الرحمن الرحيم، قالوا: مثل ذلك' حتى تنقضي الفاتحة والسورة، فلبث ماشاء الله أن يلبث ثم نزلت: ﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا ﴾،

یعنی جب رسول اللہ ﷺ نماز میں قرأت کرتے تو مقتدی بھی قرأت کرتے تھے، جب آپ بسم اللہ پڑھتے تو وہ بھی پڑھتے، یہاں تک کہ فاتحہ اور سورۃ ختم ہوجاتی، جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا اسی حالت پر رہے، پھر آیت: ﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا ﴾ نازل ہوئی۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بوجہ اختلاف اجتہاد صحابہ کا طرز عمل مختلف رہا، ایک فریق نماز جہری ہو یا سری امام کے پیچھے مطلقاً قرأت نہیں کرتا تھا' نہ سراً نہ جہراً، اس دلیل سے کہ آیت میں قرأت قرآن مطلق ہے' سری وجہری دونوں کو شامل ہے، اور استماع

---

[۱]......سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۲۰۴۔

ترجمہ:......اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو، اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحمت ہو۔

[۲]......اب تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا آسان ہو۔ (سورۂ مزمل، آیت نمبر: ۲۰)

صرف قرأت جہری سے مخصوص ہے اور انصات کو دونوں سے تعلق ہے، یعنی جب امام جہراً قرأت کرے تو خاموشی کے ساتھ سنی جائے، اس لئے کہ قرأت بالجہر سے یہ غرض ہے کہ قرأت پر غور وتدبر ہوسکے، اور غور وتدبر بدون خاموشی کے ساتھ سماعت کرنے کے نہیں حاصل ہوسکتا، اور جب سراً قرأت کرے تو خاموشی اختیار کی جائے' تاکہ امام کی قرأت میں کشاکشی وثقل نہ پیدا ہو۔

دوسرا فریق گو جہری نماز میں تو امام کے پیچھے مطلقاً قرأت نہیں کرتا تھا، مگر سری نماز میں خفیہ قرأت کو جائز سمجھتا تھا، اس دلیل سے کہ قرأت جو آیت میں ہے مراد اس سے بقرینۂ ''فاستمعوا'' قرأت بالجہر ہے، اس لئے کہ سماع قرأت جہری ہی کا ہوتا ہے، جب قرأت سے مراد قرأت جہری ہوئی تو انصات بھی قرأت جہری ہی کے ساتھ مخصوص ہوگا، یعنی جب امام قرأت بالجہر کرے تو بغرض سماع خاموشی اختیار کی جائے، باقی اگر قرأت بالسر کرے تو خاموشی ضروری نہیں ہے، سراً قرأت کی جاسکتی ہے۔

تیسرا فریق سری وجہری دونوں نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتا تھا، اس دلیل سے کہ مقتدی کا سراً قرأت کرنا سماع وانصات کے منافی نہیں ہے۔

یا یوں کہا جائے کہ: اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ میں دو فریق ہوگئے: ایک فریق نے چونکہ یہ سمجھ لیا تھا کہ وجوب قرأت مقتدی کے ساتھ جواز قرأت مقتدی بھی اس آیت سے منسوخ ہوگیا، اور یہ کہ قرأت قرآن عام ہے سری وجہری دونوں کو شامل ہے، اس لئے سری وجہری دونوں میں اس نے امام کے پیچھے قرأت ترک کردی، چنانچہ یہ جابر بن عبداللہ وزید بن ثابت وغیرہما صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

اور دوسرے فریق نے چونکہ یہ گمان کیا تھا کہ آیت مذکورہ سے گو وجوب قرأت مقتدی تو

منسوخ ہوگیا، مگر جواز قرأت باقی ہے، اس لئے بطور جواز امام کے پیچھے وہ خفیہ قرأت کرتا رہا، مگر اس فریق میں دو قسم کے لوگ تھے: بعض سری وجہری دونوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے، چنانچہ عبادہ بن صامت وعبداللہ بن عباس وغیرہما رضی اللہ عنہم اور بعض جہری میں نہیں صرف سری میں امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے، چنانچہ ابی بن کعب وعبداللہ بن عمر وغیرہما رضی اللہ عنہم۔

چونکہ یہ اختلاف اجتہاد پر مبنی تھا، اس لئے ان میں سے کوئی فریق قابل ملامت نہیں ہوسکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بنی قریظہ پر فوج کشی کا ارادہ کرلیا تو صحابہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا" لا يصلين أحد العصر إلا فی بنی قريظة" چنانچہ جب صحابہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوگئے اور ظہر کا وقت تنگ ہونے لگا تو بلحاظ اجتہاد ان میں افتراق ہوگیا، ایک فریق نے تو وہیں نمازِ ظہر پڑھ لی، بایں وجہ کے اس حدیث سے حقیقی معنی مراد نہیں، بلکہ مجازی، اس سے تعجیل مراد ہے، بنا بر اس کے بروقت نماز پڑھ لینا اس کے منافی نہیں ہوسکتا۔ اور دوسرے فریق نے بلحاظ ظاہر الفاظ وقت پر نماز نہیں پڑھی، بلکہ بنی قریظہ میں پہنچنے کے بعد اس کی قضا کرلی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اختلاف کی اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فریق کو قابل ملامت نہ سمجھا، بلکہ دونوں کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویب فرمائی۔[۱]

بہر تقدیر اس آیت کے بعد جو فریق امام کے پیچھے جوازاً خفیہ قرأت کرتا تھا، اس کی قرأت کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تھا، یہاں تک کہ بعد ہجرت ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ چند مقتدیوں نے سراً قرأت کی، جس کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت پر ہوا کہ قرأت آپ کے اوپر ثقل اور دوبھر ہوگئی، جس سے آپ کو علم ہوا کہ ابھی تک امام کے پیچھے

[۱]...... بخاری ص ۵۱۹ ج ۱، باب صلوة الطالب والمطلوب راكبًا و ايماءً، ابواب صلوة الخوف، رقم الحديث: ۹۴۶۔ باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب الخ، كتاب المغازی، رقم الحديث: ۴۱۱۹۔

قرأت کی جاتی ہے، چنانچہ حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ جو کلاً و جزاً جامع اسانید میں مذکور ہے، اس پر شاہد ہے:

**عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ قال : قال رسول الله ﷺ : " لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب " متفق عليه ، وفى رواية لمسلم:" لمن لم يقرأ بأم الفاتحة فصاعدا"**

**وعن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ قال: كنا خلف النبى ﷺ فى صلوة الفجر ، فثقلت عليه القراء ة ، فلما فرغ ، قال: لعلكم تقرؤون خلف امامكم ؟ قلنا : نعم ، يا رسول الله قال : " لا تفعلوا إلا بفاتحة الكتاب ' فإنه لا صلوة لمن لم يقرأ بها "، رواه ابوداؤد والترمذى،**

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اس شخص کی نماز نہیں جس نے فاتحہ نہ پڑھی۔ (متفق علیہ) [۱]

نیز عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ہم صبح کی نماز میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے تھے، آپ نے قرأت کی، مگر قرأت آپ پر دوبھر ہوگئی، جب فارغ ہوئے، فرمایا: شاید تم امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ کہا: جی ہاں، فرمایا: مت پڑھو الا فاتحہ، اس لئے کہ جس نے اسے نہ پڑھا اس کی نماز نہیں ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی) [۲]

عبادہ رضی اللہ عنہ کی دونوں روایتوں پر غور کرنے سے تین امور معلوم ہوتے ہیں:

---

[۱]...... بخاری، باب وجوب القراء ة للامام والماموم فى الصلوات كلها فى الحضر والسفر' وما يجهر فيها وما يخافت ' كتاب الاذان ' رقم الحديث: ۷۵٦۔

مسلم، باب وجوب قراء ة الفاتحة فى كل ركعة ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث: ۳۹۴۔

[۲]...... ابوداؤد، باب من ترك القراء ة فى صلوته بفاتحة الكتاب ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث : ۸۲۳۔

ترمذی، باب ما جاء فى القراء ة خلف الامام ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث: ۳۱۱۔

اول یہ کہ:......اول الذکر حدیث مستقل نہیں، بلکہ مؤخر الذکر حدیث کا ایک حصہ ہے۔

دوم یہ کہ:......آنحضرت ﷺ کا'' لعلکم تقرؤون ''یعنی شاید تم قرأت کرتے ہو، فرمانا بین ثبوت ہے اس پر کہ اس قرأت کی نہ آپ نے پڑھنے والوں کو اجازت دی تھی اور نہ قبل ازیں کے آپ کو اس کا علم تھا، ورنہ سوال بے سود ہوگا۔

سوم یہ کہ:......ان کی قرأت خفیہ تھی، ورنہ سوال کی کیا ضرورت تھی؟ اور اس قدر عرصہ تک مخفی کیوں رہتی؟ اس واقعہ کے بعد جب آنحضرت ﷺ کو علم ہوا کہ امام کے پیچھے خفیہ قرأت کی جاتی ہے اور لوگ اس کے عادی بھی ہو چکے ہیں، تو بتدریج آپ نے اس کا انسداد کرنا چاہا۔

شروع میں آپ نے مقتدی کے لئے جہری نماز میں سورت کی خفیہ قرأت کو ناجائز قرار دیا اور علت اس کی یہ بیان فرمائی کہ اس سے امام کی قرأت میں ثقل ومنازعت پیدا ہوتی ہے، چنانچہ حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ میں آپ نے فرمایا:'' لا تفعلوا إلا بفاتحة الکتاب '' یعنی جب بالجہر قرأت کی جائے تو خفیہ بھی قرأت نہ کرو، البتہ فاتحہ کی قرأت اس سے مستثنیٰ ہے، صرف اس کی خفیہ قرأت مقتدی کے لئے جائز ہے، چنانچہ نہی سے اس کو مستثنیٰ کرنا اس پر بین شاہد ہے، کیونکہ اصول میں یہ امر مدلل ہو چکا ہے کہ نہی سے استثنا کرنا مفید جواز و اباحت ہوا کرتا ہے، باقی فاتحہ کی خفیہ قرأت کیوں جائز قرار دی گئی؟ اس کی علت آنحضرت ﷺ نے بقولہ : '' لا صلوة لمن یقرأ بها ''ارشاد فرمائی یعنی مقتدی کے لئے فاتحہ کی خفیہ قرأت اس لئے جائز قرار دی گئی ہے کہ اس میں ایک خصوصیت پائی جاتی ہے جو اور سورتوں میں نہیں ہے، اس میں یہ خصوصیت ہے کہ امام ہو یا منفرد کسی کی نماز بدون فاتحہ مکمل نہیں ہوسکتی، اسی وجہ سے ہر ایک رکعت میں اس کا اعادہ کیا جاتا ہے، اور ہر ایک رکعت میں اعادہ

کرنے کے باعث قرآن مجید میں اس کا نام مثانی یعنی بار بار لوٹ آنے والی رکھا گیا ہے، چونکہ فاتحہ میں یہ خصوصیت تھی، اس لئے باوجودیکہ اس کی قرأت مورث ثقل ومنازعت تھی، تاہم اس خصوصیت کو اس پر ترجیح دے کے اس کی خفیہ قرأت مقتدی کے لئے جائز رکھی گئی۔

بنابراس تقریر کے عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے امور ذیل مفہوم ہوسکتے ہیں:

اولاً یہ کہ:......مقتدی کے لئے سوا فاتحہ سورت یا تین آیات کی قرأت کرنا حرام ہے، اس لئے بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم " لا تفعلوا " اس سے نہی کی گئی اور نہی دراصل حرمت کے لئے ہوتی ہے۔

ثانیاً یہ کہ:...... جہری نماز میں مقتدی کے لئے خفیہ فاتحہ پڑھنا جائز ہے نہ واجب، اس لئے کہ اس کا استثناء نہی سے کیا گیا ہے، اور نہی کا مستثنیٰ جائز ومباح ہوتا ہے نہ واجب بلا بدلیل مستقل، چنانچہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم " لا نكاح إلا بولي " میں اس لئے کہ ولی کی موجودگی سے نکاح واجب وضروری نہیں، بلکہ جائز ہوسکتا ہے۔

ثالثاً:......"بخاری ومسلم" کی حدیث " لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب " یہ مستقل حدیث نہیں، بلکہ "ابوداؤد" و"ترمذی" کی حدیث کا وہی حصہ ہے جو معرض علت میں بیان کیا گیا ہے، چنانچہ نواب حسن صاحب نے "عون الباری شرح مختصر بخاری" میں اس کا اعتراف کیا ہے، باقی امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف اس قدر حصہ پر اس لئے اکتفاء کیا کہ بقیہ ان کی شرائط کے مطابق نہ تھا۔

رابعاً:......قولہ صلی اللہ علیہ وسلم " فإنه لا صلوة " میں صلوۃ سے صلوۃ منفرد مراد ہے، نہ صلوۃ مقتدی، اس لئے کہ "مسلم" کی حدیث میں لفظ " فصاعداً " زائد کیا گیا ہے، اور " صاعداً " سے مراد سورت یا تین آیتیں ہیں، اور قولہ صلی اللہ علیہ وسلم " لا تفعلوا " سے مقتدی کے لئے سورت یا تین

آیات کی قرأت حرام ثابت ہوچکی، چنانچہ آگے بیان ہو چکا ہے، پس اگر لفظ صلوۃ مقتدی کو بھی شامل ہوتو" لا تفعلوا " سے مقتدی کے لئے سورت کی قرأت حرام ثابت ہوگی، اور" فصاعداً" سے اس کا وجوب، اور ظاہر ہے کہ حرمت و وجوب میں تضاد ہے، اور تضاد حدیث میں نہیں ہوسکتا، پس لامحالہ تسلیم ہی کرنا پڑے گا کہ" لا صلوۃ " صلوۃ مقتدی کو شامل نہیں، بلکہ مراد اس سے صرف صلوۃ منفرد ہی ہے جو امام پر بھی صادق ہوتا ہے یعنی جس طرح منفرد اس کو پڑھتا ہے، مقتدی کو بھی اسے پڑھنا چاہئے، البتہ اتنا فرق ہے کہ منفرد کے لئے فاتحہ پڑھنا واجب ہے بخلاف مقتدی کے کہ اس کے لئے جائز ہے، اس دعوے پر کہ" لا صلوۃ " صلوۃ مقتدی کو شامل نہیں، بلکہ مراد اس سے صرف صلوۃ منفرد ہی ہے، امام احمد رحمہ اللہ کا قول جو" صحیح ترمذی" میں مذکور ہے نہایت وضاحت سے دلالت کرتا ہے۔

واما احمد بن حنبل فقال : معنى قولِ النبى ﷺ " لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب " إذا كان وحده ' واحتج بحديث جابر بن عبدالله رضی اللہ عنہ حيث قال : من صلى ركعة لم يقرأ فيها بفاتحة الكتاب لم يصل إلا أن يكون وراء الإمام ، قال احمد : فهذا رجل من اصحاب النبى ﷺ تأوّل قولَ النّبى ﷺ " لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب " أن هذا إذا كان وحده[1]

یعنی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: قولہ ﷺ" لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب" کا مصداق منفرد ہے، اس پر جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو انہوں نے بطور سند پیش کیا، جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: جس نے ایک رکعت میں بھی فاتحہ نہ پڑھی تو اس نے گویا نماز ہی نہیں پڑھی، مگر امام کے پیچھے ہو۔ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: اس صحابی رضی اللہ عنہ نے قولہ

[1] ...... ترمذی، باب ما جاء فی ترک القراءة خلف الامام ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث:۳۱۲۔

ﷺ ’’لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب‘‘ کا مصداق صرف منفرد ہی کو قرار دیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ مقتدی کے لئے بھی فاتحہ کی قرأت واجب ہے، ان کے دعوے کا بہت بڑا مدار حدیث عبادہ ’’لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب‘‘ پر ہے، مگر اس حدیث سے کبھی ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ بروایت مسلم اس حدیث میں لفظ ’’فصاعداً‘‘ موجود ہے، جس کو معمر رحمہ اللہ نے جو ثقہ ہیں زائد کیا ہے، اور زیادت ثقہ کی نظر انداز نہیں کی جاسکتی ہے، خصوصا جبکہ معمر رحمہ اللہ کا متابع سفیان رحمہ اللہ جیسا ثقہ راوی موجود ہو، چنانچہ ’’ابوداؤد‘‘ میں تصریح ہے:

’’حدثنا سفیان عن الزهری عن محمود بن الربیع عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ یبلغ به النبی ﷺ قال: ’’لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب فصاعداً‘‘۔[1]

اور خصوصاً جبکہ اس کی مؤید اور حدیث بھی ہو،

’’روی الترمذی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: لا صلوة لمن لم یقرأ بالحمد وسورة فی فریضة أو غیرها‘‘۔[2]

اور لفظ ’’فصاعداً‘‘ چونکہ ’’بفاتحة الکتاب‘‘ پر معطوف ہے؛ اس لئے فاتحہ کی طرح سورت کی قرأت کا وجوب بھی ثابت ہوگا، بنابراس کے اگر ’’لا صلوة‘‘ صلوۃ مقتدی کو بھی شامل ہے تو مقتدی پر بھی اس حدیث سے سورت کی قرأت واجب ہوگی، اور عبادہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے جس میں: ’’لا تفعلوا بفاتحة الکتاب‘‘ موجود ہے، نہایت وضاحت سے ثابت ہوتا ہے کہ مقتدی کے لئے سورت کی قرأت حرام ہے، اور وجوب وحرمت میں

---

[1]..... ابوداؤد، باب من ترک القراءة فی صلوته بفاتحة الکتاب، کتاب الصلوة، رقم الحدیث: ۸۲۲۔

[2]..... ترمذی، باب ما جاء فی تحریم الصلوة وتحلیلها، کتاب الصلوة، رقم الحدیث: ۲۳۸۔

تضاد ہے اور تضاد حدیث میں محال ہے، اور یہ محال چونکہ اس قول سے لازم آیا کہ ’’ لا صلوۃ ‘‘صلوۃ مقتدی کو شامل ہے،اس لئے’’لا صلوۃ ‘‘ کا صلوۃ مقتدی کو شامل ہونا بھی محال ہوگا، جب’’لا صلوۃ ‘‘ کا نماز مقتدی کو شامل ہونا محال ہوا تو لامحالہ تسلیم ہی کرنا پڑے گا کہ حدیث’لا صلوۃ ‘ سے صرف صلوۃ منفرد ہی مراد ہے، چنانچہ ابوداؤد نے حدیث مذکور کے ذیل میں ’’قال سفيان لمن يصلى وحده‘‘نقل کر کے اس کا فیصلہ کر دیا ہے۔

بنابراس حدیث کو جن لوگوں نے قولہ تعالیٰ: ’’ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا ‘‘ [۱] کے لئے مخصص قرار دیا ہے، میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ بلحاظ اصول درایت کہاں تک صحیح ہے؟

امام بخاری رحمہ اللہ چونکہ اس شبہ سے ناواقف نہ تھے، اس لئے جب ان کو اس کا احساس ہوا تو انہوں نے رسالہ قرأت میں اس کو بایں طور اٹھانا چاہا:

اولاً:......فرمایا کہ لفظ’’فصاعداً ‘‘زہری رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے صرف معمر رحمہ اللہ نے زیادہ کیا ہے، مگر چونکہ اور ثقہ نے ان کی اس میں متابعت نہیں کی، اس لئے یہ زیادت قابل اعتبار نہیں ہوسکتی۔

ثانیاً:......فرمایا کہ: اگر اس زیادت کا اعتبار بھی کیا جائے تو یہ عبارت بمنزلہ حدیث ’’ لا يقطع اليد إلا فى ربع دينار فصاعداً ‘‘ ہوگی، جس طرح ربع دینار سے جو مقدار زائد ہے وہ ربع دینار کے موجب قطع ہونے کے منافی نہیں ہوسکتی، اسی طرح زائد علی الفاتحہ مقتدی کے لئے قرأت فاتحہ کے وجوب کو منافی نہ ہو سکے گا، مگر میری دانست میں امام بخاری رحمہ اللہ کی اس توجیہ سے شبہ مذکورہ کسی طرح اٹھ نہیں سکتا:

[۱]......سورۂ اعراف، آیت نمبر:۲۰۴۔

ترجمہ:......اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو، اور خاموش رہو۔

اول اس لئے کہ:...... یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی ثقہ اس زیادت میں معمر رحمہ اللہ کا متابع نہیں ہے، کیونکہ ''ابوداؤد'' میں تصریح ہے کہ سفیان رحمہ اللہ جو ثقہ ہیں معمر رحمہ اللہ کے متابع ہیں۔

دوم اس لئے کہ:...... ہم تسلیم کرتے ہیں کہ قرأت زائد علی الفاتحہ مقتدی کے لئے قرأت فاتحہ کے وجوب کو منافی نہیں ہے، مگر قرأت زائد علی الفاتحہ چونکہ بسبب عطف علی فاتحۃ الکتاب واجب ثابت ہوئی، اس لئے قولہ ﷺ''لا تفعلوا '' کے ضرور منافی ہوگی، اس لئے کہ اس سے زائد علی الفاتحہ کی قرأت مقتدی کے لئے حرام ثابت ہوتی ہے، اور وجوب وحرمت میں جو منافات ہے وہ ظاہر ہے۔

الحاصل: جہری نماز میں آنحضرت نے بقولہ'' لا تفعلوا إلا بفاتحة الكتاب ''مقتدی کے لئے فاتحہ کی قرأت کو جائز قرار دیا اور ساتھ ہی اس کے اس کی علت بھی بیان فرمائی، پھر عرصہ کے بعد جب آپ ﷺ ایک روز بالجہر قرأت فرما رہے تھے کہ ایک مقتدی نے آپ ﷺ کے پیچھے خفیہ فاتحہ کی قرأت کی جس سے آنحضرت ﷺ کی قرأت میں کشاکشی وثقل پیدا ہوگیا، تو آپ نے ایک ایسا فقرہ فرمایا کہ جس سے ثابت ہوگیا کہ جہری نماز میں مقتدی کے لئے فاتحہ کی قرأت کرنا بھی ناجائز ہے، چنانچہ جو لوگ جہری نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے وہ فاتحہ پڑھنے سے رک گئے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ انصرف من صلوة جهر فيها بالقرأة ، فقال : هل قرأ معى أحد منكم انفا ؟ فقال رجل : نعم يا رسول الله ! قال : فإنى أقول مالى انازع القرآن ، قال : فانتهى الناس عن القرأة مع رسول الله ﷺ فيما يجهر فيه رسول الله ﷺ من الصلوات بالقرأة حين سمعوا ذلك من رسول الله ﷺ ، رواه ابوداؤد

والنسائی والترمذی وقال : حديث حسن۔

وفی السنن الکبریٰ للبیهقی : وفی رواية الاوزاعی عن الزهری قال : قرأنا مع رسول اللہﷺ فی صلوة يجهر فيها بأم القرآن ، هداية المهتدی ،

ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک جہری نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا: کیا کسی نے تم میں سے ابھی میرے ساتھ قرأت کی؟ ایک شخص نے کہا: ہاں، یارسول اللہ! میں نے کی ہے، فرمایا: میں کہتا تھا کہ کیوں میں قرأت میں کشمکش کیا جارہا ہوں۔ راوی نے کہا: جب یہ سنا تو لوگ جہری نماز میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ قرأت کرنے سے رک گئے۔ (ابوداؤد، نسائی، ترمذی۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے) ۔[1]

اور بیہقی کی ''سنن کبریٰ'' میں بروایت اوزاعی عن الزہری یہ ہے کہ: لوگوں نے جہری نماز میں آنحضرت کے ساتھ فاتحہ کی قرأت کی۔ ( هداية المهتدی )

اس حدیث پر غور کرنے سے چند امور مفہوم ہوتے ہیں:

اولاً:...... یہ کہ جس شخص نے قرأت کی اس کی قرأت خفیہ تھی ورنہ سوال کی کیا ضرورت تھی؟

ثانیاً:...... یہ کہ اس شخص نے فاتحہ ہی کی قرأت کی تھی، چنانچہ ''سنن کبریٰ'' کی روایت اس پر شاہد ہے، اور قرینہ بھی اس پر دال ہے، اس لئے کہ حدیث عبادہؓ میں قرأت سورۃ سے ممانعت کی گئی تھی، اس لئے ضرور صحابہ نے پیشتر ہی سے اسے ترک کردیا ہوگا، جب پیشتر ہی قرأت سورۃ کا ترک ثابت ہوا تو اس نماز میں باعث منازعت قرأت سورۃ نہیں، بلکہ

---

[1]...... ابوداؤد، باب من ترک القراء ة فی صلوته بفاتحة الکتاب ' کتاب الصلوة ' رقم الحديث : ۸۲۲۔

نسائی، ترک القراء ة خلف الامام فيما يجهر به ' کتاب الافتتاح' رقم الحديث:۹۲۰۔

ترمذی، باب ما جاء فی ترک القراء ة خلف الامام ' کتاب الصلوة' رقم الحديث:۳۱۲۔

قرأت فاتحہ ہی ہوگی، اس لئے کہ اس کا جواز ابھی تک ثابت تھا۔

ثالثاً:...... یہ کہ اس واقعہ میں آنحضرت ﷺ نے ثقل قرأت کو فاتحہ کی خصوصیت پر ترجیح دیا، اور جہری نماز میں آپ نے مقتدی کے لئے فاتحہ کی بھی خفیہ قرأت کو ناجائز قرار دیا۔

رابعاً:...... جو لوگ جہری نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ کی خفیہ قرأت کرتے تھے، ازاں جملہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں، اس واقعہ کے بعد اس سے رک گئے۔

خامساً:...... چونکہ اس امر کی اطلاع دینے والے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یا زہری رحمہ اللہ ہیں، اس لئے اس کی تکذیب نہیں کر سکتے، ورنہ ان کا دامن وثوق کذب سے محفوظ نہ رہ سکے گا، میری دانست میں یہ ممکن ہے کہ فقرہ " فانتهى الناس " زہری رحمہ اللہ کا قول ہو، مگر چونکہ اس میں ایک ایسے واقعہ کی خبر ہے جس کا وقوع آنحضرت ﷺ کے عہد میں ہوا تھا، اس لئے اس خبر کا سلسلہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر جا کے منتہی ہونا چاہئے، کیونکہ وہ اس وقت حاضر تھے۔

جہری نماز میں مقتدی کا فاتحہ وغیرہ کی قرأت سے باز رہنا اور خاموش ہو کے امام کی قرأت کو سننا علامہ ابن جریر و ابن کثیر رحمہما اللہ نے قولہ تعالیٰ ﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا ﴾[۱] کا مفاد قرار دیا ہے، چنانچہ قولہ ﷺ: " انما جعل الإمام ليؤتم به فإذا كبر فكبروا وإذا قرأ فانصتوا "[۲] جس کو مسلم وغیرہ ائمہ حدیث نے ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ، و ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اس پر واضح دلیل ہے، علامہ ابن جریر و ابن کثیر رحمہما اللہ نے زہری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ جہری نماز میں مقتدیوں کو امام کی قرأت اگرچہ نہ سنی جائے، تاہم خاموش رہنا کافی ہے، ہاں سری نماز میں خفیہ پڑھ سکتے ہیں، باقی

---

[۱]...... سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۲۰۴۔

ترجمہ:...... اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو، اور خاموش رہو، تا کہ تم پر رحمت ہو۔

[۲]...... مسلم، باب التشهد فى الصلوة ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث: ۴۰۴۔

جہری نماز میں نہ سراً پڑھنا جائز ہے نہ جہراً، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: استماع وانصات عام نہیں، بلکہ نماز سے مخصوص ہیں، چنانچہ قولہ ﷺ در بارۂ امام ''وإذا قرأ فانصتوا'' جس کی ابن حنبل رحمہ اللہ نے تصحیح کی ہے، اس پر شاہد ہے۔ فأين مفر عن السنة وظاهر القراٰن، بنابراس کے حدیث وظاہر قرآن سے کہاں مفر ہوگا؟

اس موقعہ پر ہم اس امر کو بھی فراموش نہیں کر سکتے کہ بعض علماء نے جو لکھا ہے جہری نماز میں مقتدی کو فاتحہ پڑھنا ہی چاہیے، مگر اس وقت جب امام سکتہ کرے' تا کہ قرآن وحدیث دونوں پر عمل ہو جائے، اس لئے کہ نماز میں امام کے لئے تین مقام پر سکتہ کرنا آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے: ایک: تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان، دوسرا: ''ولا الضالين'' اور سورت کے درمیان، تیسرا: قرأت سے فارغ ہونے کے بعد۔

چنانچہ ''ترمذی'' میں ہے:

ما هاتان السكتتان قال : إذا دخل فی صلوته ، وإذا فرغ من القرأة ، ثم قال بعد ذلك : وإذا قرأ ولا الضالين قال : وكان يعجبه إذا فرغ من القرأة أن يسكت حتى يتراد إليه نفسه۔[1]

مگر وہ توجیہ بھی اشکال سے خالی نہیں، اس لئے کہ ان سکتات کے ثابت کرنے سے ان میں مقتدی کا بالاستیعاب فاتحہ پڑھنا غیر ممکن ہے، اس لئے کہ پہلا سکتہ ذکر استفتاح کے لئے موضوع ہے، اور ذکر استفتاح میں امام کے ساتھ مقتدی بھی شریک ہوگا، جب مقتدی بھی اس سکتہ میں ذکر استفتاح پڑھے گا تو پھر اس میں اس کے لئے اس قدر وسعت کہاں ہوگی کہ فاتحہ بھی پڑھ سکے، اور اگر تسلیم بھی کیا جائے کہ یہ ذکر امام کے لئے مخصوص ہے' تاہم

[1]......ترمذی، باب ما جاء فی السكتتين فی الصلوة ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث: ۲۵۱۔

کہہ سکتے ہیں کہ یہ توجیہ صرف پہلی ہی رکعت میں صحیح ہوسکتی ہے، باقی دوسری وتیسری و چوتھی رکعت میں صحیح نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ ان میں یہ ذکر نہیں، اس لئے یہ سکتہ بھی نہ ہوگا، ''ولاالضالین'' کے بعد جو سکتہ کہا جاتا ہے، چونکہ یہ آمین کو عبارت قرآن سے ممتاز وعلیحدہ کرنے کے لئے کیا جاتا ہے، اس لئے یہ اس قدر خفیف ہوگا کہ علاوہ آمین کہنے کے اس میں ایک آیت بھی نہ پڑھ سکے گا، اب رہا تیسرا سکتہ چونکہ خود حدیث میں مذکور ہے کہ یہ سانس کو ٹھہرانے کے لئے کیا جاتا ہے، اس لئے اس میں بھی اس قدر گنجائش نہ ہوگی کہ فاتحہ پڑھی جائے۔

البتہ اس مقام پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ: مقتدی اگر فاتحہ یا سورت کو پڑھے تو اس سے امام کی قرأت میں ثقل یا کشاکشی کس طرح پیدا ہوسکتی ہے؟ غالباً اس کی دو وجوہ ہیں:

اول یہ کہ:......خفیہ پڑھنے سے بھی بعض اوقات مقتدی کی زبان سے خصوصاً جب تو ہم اس پر غالب ہو بعض الفاظ جہراً نکل جاتے ہیں جو امام کے کان میں پہنچ کے اس کی قرأت میں ثقل واشتباہ پیدا کردیتے ہیں۔

دوم یہ کہ:......خفیہ آواز ملنے سے بھی مجموعی کبھی ایک ایسی آواز پیدا ہوتی ہے کہ اس کا اثر امام کی قرأت پر پڑسکتا ہے، بنابراں کے مقتدی کی خفیہ قرأت کا امام کی قرأت میں ثقل پیدا کردینا یہ جہری قرأت سے مخصوص نہ ہوگا، بلکہ سری قرأت میں بھی اس سے ثقل پیدا ہوسکتا ہے، بلکہ اس سے زیادہ، اس لئے کہ امام چونکہ خفیہ پڑھتا ہے اس لئے بسبب تصادم آوازوں کے خفیف آواز بھی اس کے کان میں پہنچ جائے گی، اور قرأت میں ثقل پیدا ہوجائے گا، یہی وجہ ہے کہ رات کے وقت جس قدر آواز محسوس ہوتی ہے دن کو نہیں ہوتی ہے، اس امر پر کہ سری قرأت پر بھی مقتدی کی خفیہ قرأت کا اثر پڑتا ہے، حدیث ذیل شاہد

ہے:

**عن عمران بن حصين رضی اللہ عنہ أن النبي ﷺ صلى بهم الظهر فلما انفتل قال : (( أيكم قرأ بسبح اسم ربک الأعلى )) فقال رجل : أنا ، فقال : (( علمت أن بعضكم خالجنيها )) ، أبو داؤد۔** [1]

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو ظہر کی نماز پڑھائی، جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ: کس نے ''سبح اسم'' پڑھی؟ ایک شخص نے کہا: میں نے، فرمایا: مجھے معلوم ہوگیا کہ کسی نے میری قرأت میں خلجان پیدا کردیا۔

جب مقتدی کی خفیہ قرأت بھی امام کی خفیہ قرأت کے لئے موجب ثقل ثابت ہوئی تو، پھر جن احادیث میں مقتدی سری نماز میں بھی عموماً خفیہ قرأت سے منع کیا گیا ہے کوئی وجہ نہیں کہ ان کا انکار کیا جائے۔

**قال احمد بن منبع فی مسنده : أخبرنا اسحق الأرزق حدثنا سفيان وشريک عن موسى بن ابى عائشة عن عبدالله بن شداد عن جابر رضی اللہ عنہ قال : قال رسول الله ﷺ : (( من كان له إمام فقرأة الإمام له قراء ة )) اسناده صحيح على شرط مسلم۔** [2]

احمد بن منیع نے کہا کہ: ہم کو اسحاق ارزق نے خبر دی کہ ہم کو سفیان وشریک نے حدیث بیان کی، موسی بن ابی عائشہ سے اور موسی عبداللہ بن شداد سے اور عبداللہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جس کے لئے امام ہو تو امام کی قرأت اس کے لئے قرأت ہے۔ اسناد اس کی صحیح موافق شرط مسلم کے ہے۔

---

[1] ......ابوداؤد، باب من رأى القراء ة اذا لم يجهر ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث: ۸۲۸۔

[2] ......مجمع الزوائد، باب القراء ة فى الصلوة ۔ الجوهر النقى، ج ۲، باب من قال لا يقرأخلف الامام فى الصلوة ۔ كنز العمال ، رقم الحديث: ۱۹۶۸۳۔

عن عطاء بن يسار أنه سأل زيد بن ثابت رضی اللہ عنہ عن القرأة مع الإمام ؟ فقال : لا قرأة مع الإمام في شيء ، ( رواه مسلم )[1]

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے قرأت مع الامام کی بابت سوال کیا؟ کہا: کسی نماز میں امام کے ساتھ قرأت نہیں ہے۔ (مسلم)

وعن جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ يقول : من صلى ركعة لم يقرأ فيها بأم القرآن فلم يصل الا وراء الإمام ، رواه مالك ' والترمذی ، وقال : حديث حسن صحيح[2]

وعن ابن عمر رضى الله عنهما أنه قال : إذا صلى أحدكم خلف الإمام فحسبه قرأة الإمام ، وإذا صلى وحده فليقرأ ، رواه مالك[3]

عن أبي الدرداء رضی اللہ عنہ يقول : سئل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أفي كل صلوة قرأة قال : نعم ، قال رجل من الأنصار : وجبت هذه فالتفت إلي وكنت أقرب القوم منه ما أرى الإمام إذا أم القوم إلا وقد كفاهم ، ( رواه النسائی )[4]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کہتے ہیں کہ: جس نے ایک رکعت میں بھی فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں، مگر امام کے پیچھے۔ (مالک)

ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ: جب کوئی امام کے پیچھے نماز

---

[1]...... مسلم، باب سجود التلاوة ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث: ۵۷۷۔

[2]...... مؤطا امام مالک، باب ما جاء فی ام القرآن ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث: ۲۲۷۔

ترمذی، باب ما جاء فی ترک القراء ة خلف الامام ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث: ۳۱۳۔

[3]...... مؤطا امام مالک، باب ترک القراء ة خلف الامام ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث: ۲۳۳۔

[4]...... نسائی، اکتفاء المأموم بقراء ة الامام ' كتاب الافتتاح ' رقم الحديث: ۹۲۴۔

پڑھے تو امام کی قرأت اسے کافی ہے اور جب تنہا پڑھے تو قرأت کرے۔(مالک)

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ: کیا ہر ایک نماز میں قرأت ہے؟ فرمایا: ہاں، جب ایک انصاری نے کہا کہ: واجب ہو چکی قرأت تو چونکہ میں سب سے زیادہ قریب تھا، اس لئے آپ نے میری جانب التفات کرکے فرمایا کہ: میں سمجھتا ہوں کہ جب امام قوم کی امامت کرے تو ان کے لئے کافی ہو جائے گا۔

ملخص اس تقریر کا یہ ہوا کہ جب آیت: ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ [۱] نازل ہوئی اور اس نے وجوب قرأت مقتدی کو جو آیت: ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ [۲] سے (جو آغاز سنین بعثت میں نازل ہوئی تھی) ثابت ہوتا تھا' منسوخ کر دیا، تو بعض صحابہ نے چونکہ وجوب قرأت مقتدی منسوخ ہونے سے جواز قرأت مقتدی کو منسوخ نہ سمجھتے تھے، اس لئے بطور جواز امام کے پیچھے قرأت کرتے رہے، جب آغاز حین ہجرت میں آنحضرت ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے اس کو بایں علت کے موجب ثقل قرأت امام ہے بدفعات منسوخ کر دیا۔

چنانچہ حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ سے جواز قرأت سورۃ بعلتِ ثقل اولاً منسوخ کیا گیا، اور قرأت فاتحہ کا جواز بلحاظ اس کی خصوصیت اور مزیت کے بحال رکھا گیا، پھر حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جہری نماز میں قرأت فاتحہ کا جواز بھی ثقل کو خصوصیت پر ترجیح دے کے منسوخ کیا گیا، چنانچہ قول ابوہریرہ رضی اللہ عنہ "فانتهى الناس عن القرأة مع رسول الله ﷺ" اس پر بین شاہد ہے، پھر حدیث عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ وغیرہ سے سری نماز میں یہی قرأت فاتحہ

---

[۱] ......سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۲۰۴۔

ترجمہ: ......اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو، اور خاموش رہو۔

[۲] ......اب تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا آسان ہو۔(سورۂ مزمل، آیت نمبر: ۲۰)

جو مقتدی کے لئے جائز تھی بعلت ترجیح ثقل منسوخ کردی گئی، باقی تنسیخ بدفعات اس لئے کی گئی کہ مجوزین کو اس کی عادت ہو چکی تھی، اور عادی شیء کی تنسیخ کا عمدہ طریقہ یہی ہے کہ بدفعات ہو، جب وہ حدیثیں جن سے فاتحہ کی قرأت کا جواز مقتدی کے لئے ثابت ہوتا ہے منسوخ ہوگئیں، تو پھر ان سے عموم قولہ تعالیٰ: ﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا ﴾ کی کس طرح تخصیص ہو سکے گی، اگر تسلیم بھی کیا جائے کہ یہ حدیثیں منسوخ نہیں، مگر چونکہ ان سے کتاب اللہ جو قطعی ہے زیادت لازم آتی ہے، اور کتاب اللہ پر زیادتی حنفیہ کے نزدیک تنسیخ ہے، اور کتاب اللہ کی تنسیخ کو حدیث متواتر مشہور سے جائز ہے، مگر خبر واحد سے جو ظنی ہے جائز نہیں ہو سکتی۔

## خبر واحد سے کتاب اللہ کی تنسیخ ناجائز ہے تو اہل قبا کعبہ کی طرف کیوں پھر گئے؟

اگر یوں کہا جائے کہ جب خبر واحد سے تنسیخ قرآن ناجائز ہے تو پھر اہل قبا (جو نماز پڑھ رہے تھے اور آنحضرت ﷺ کے منادی نے جا کر ان کو خبر دی کہ بجائے بیت المقدس کے کعبہ اللہ قبلہ قرار دیا گیا) نماز ہی میں اس خبر واحد سے کعبہ کی طرف کیوں پھر گئے؟ کیا یہ خبر واحد سے کتاب اللہ کی تنسیخ نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب خبر واحد بوجہ انضمام قرائن مفید بیقین ہو جائے تو اس وقت وہ کتاب اللہ کی تنسیخ کر سکتی ہے، تبدیل قبلہ کی جو ایک عظیم الشان واقعہ ہے، آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں جرأت کر کے ایک صحابی کا خبر دینا تو اس کے مفید یقین ہونے میں کسی طرح شک نہیں کیا جا سکتا۔

بنا بر بیان مذکور باقی احادیث کا جن کو قرأت کے ساتھ تعلق ہے نہایت سہولت سے

فیصلہ ہوسکتا ہے، چنانچہ ذیل میں ہم ان کو قلمبند کر کے اس کی کیفیت بھی بطریق اختصار درج کرتے ہیں:

عن أبي هريرة ﷺ قال: قال لی رسول الله ﷺ : (( أُخرُجْ فنادِ فی المدينة اَنه لا صلوة إلا بقرآن ، ولو بفاتِحة الكتاب فمازادَ )) ، ( رواه ابوداؤد واحمد ) [۱]

عن أبي سعيد الخدری ﷺ قال : اُمِرنا أن نَقُرأ بفاتحة الكتاب وما تَيَسَّر۔

(رواه أبوداؤد [۲] )

ابوہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ: مدینہ میں نکل کر پکاردو کہ بدون قرأت فاتحہ وسورۃ نماز نہیں ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤداور احمد نے )

ابوسعید خدری ﷺ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ: فاتحہ اور آسان سورہ پڑھا کریں۔ (ابوداؤد)

حدیث عبادہ ﷺ '' لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب فصاعداً '' اوران دونوں حدیثوں میں گوکسی قدر لفظاً تفاوت ہے، مگر بلحاظ معنی تینوں متحد ہیں، اور عبادہ ﷺ کی حدیث کی نسبت چونکہ ہم تحقیق کر چکے ہیں کہ اس کا مصداق منفرد ہے، اس لئے ان دونوں حدیثوں کا مصداق بھی بحکم اتحاد منعوی منفرد ہی ہوگا۔

عن عائشة رضی الله عنها انها قالت : سمعت رسول الله ﷺ يقول : (( كل صلوة لا يقرأ فيها بأم الكتاب فهی خداج )) رواه ابن ماجة ، ورواه ابن عدی فی الكامل ) [۳]

---

[۱]......ابوداؤد، باب من ترک القراء ۃ فی صلوته ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث: ۸۱۸۔
مسند احمد ص ۴۲۸ ج ۲۔

[۲]......ابوداؤد، باب من ترک القراء ۃ فی صلوته ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث: ۸۱۷۔

[۳]......ابن ماجہ، باب القراء ۃ خلف الامام ' ابواب اقامة الصلوات ' رقم الحديث: ۸۴۰۔

وابن عساکر بلفظ ’’ کل صلوۃ لا یقرأ فیها بفاتحة وآیتین فهی خداج ‘‘

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال : قال رسول الله ﷺ :(( من صلی صلوۃ لم یقرأ فیها بأم القرآن فهی خداج )) - ثلاثا - غیر تمام ، فقیل لأبي هريرة رضی اللہ عنہ انا نکون وراء الإمام ؟ قال اقرأبها فی نفسک ، فإنی سمعت رسول الله رضی اللہ عنہ یقول : قال الله تعالیٰ : قسمت الصلوۃ أي الفاتحة بینی وبین عبدی نصفین ، ولعبدی ما سئل ، الخ ، رواہ مسلم [۱]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے میں نے سنا کہ: جس نماز میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے۔(ابن ماجہ، ابن عدی)

اور’’ ابن عساکر‘‘ نے اسے بایں لفظ روایت کیا ہے کہ: جس نماز میں فاتحہ و دو آیتیں نہ پڑھی جائیں تو وہ ناقص ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نماز پڑھ کے اس میں فاتحہ نہ پڑھی- تین بار فرمایا- وہ ناقص ہے نا تمام ہے، جس پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ: ہم امام کے پیچھے اگر ہوں؟ کہا: تو جی میں پڑھو، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے میں نے سنا ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ نماز یعنی فاتحہ میرے اور بندے کے درمیان نصفا نصفی منقسم ہے، اور بندے کے لئے وہ ہے جس کا اس نے سوال کیا۔

ان دونوں حدیثوں میں بھی گو کسی قدر لفظی اختلاف ہے، مگر معنیً دونوں متحد ہیں، اول الذکر حدیث میں بروایت ابن عدی و ابن عساکر چونکہ لفظ آیتیں موجود ہے، اس لئے بحکم اتحاد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی اس کا اعتبار کیا جائے گا، بنا بر اس کے ان دونوں حدیثوں میں اور عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور میں اتحاد معنوی ثابت ہوگا، پس جس طرح

---

[۱]...... مسلم، باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة ، کتاب الصلوة ، رقم الحدیث: ۳۹۵۔

حدیث عبادہ کا مصداق بنابر تحقیق سابق منفرد ہے، اسی طرح ان دونوں کا مصداق بھی منفرد ہی ہوگا نہ کہ مقتدی، چونکہ ان دونوں حدیثوں کا مصداق مقتدی نہیں تھا، اس لئے جب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سائل کو امام کے پیچھے دل میں فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا تو ثبوت میں انہوں نے حدیث خداج کو ناکافی سمجھ کے حدیث قسمت الصلوۃ پیش کی۔

رہی حدیث قسمت الصلوۃ، اگر لفظ ''عبدی'' جو اس میں مذکور ہے مقتدی کو بھی شامل ہے تو بے شک اس سے قرأت فاتحہ مقتدی کے لئے ثابت ہوگی، مگر چونکہ خود ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کر چکے ہیں کہ جہری نماز میں صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرأت نہیں کرتے، اس لئے جہری نماز کا مقتدی اس سے مستثنی سمجھا جائے گا، جب جہری نماز کا مقتدی اس سے مستثنی کیا گیا تو اگر بحدیث ''قرأة الإمام قرأة له'' سری نماز کا مقتدی بھی اس سے مستثنیٰ کیا جائے تو حدیث قسمت آبی نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ جب امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہوئی تو امام کی فاتحہ خوانی مقتدی کی فاتحہ خوانی سمجھی جائے گی، اور جو امام کا سوال تھا وہ مقتدی کا بھی سوال تصور کیا جائے گا، باقی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کیوں دل میں پڑھنے کا حکم دیا؟ غالبًا یہ ان کا اجتہاد تھا۔

**عن أبي قلابة عن محمد بن أبى عائشة عن رجل من أصحاب النبي ﷺ قال : قال رسول الله ﷺ: (( لعلكم تقرؤن والإمام يقرأ ؟ )) قالوا : انا لنفعل ، قال : (( لا إلا بأن يقرأ أحدكم بفاتحة الكتاب ))۔**

ابوقلابہ سے وہ محمد بن ابی عائشہ سے وہ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: شاید بوقت قرأتِ امام تم قرأت کرتے ہو؟ کہا: ہم قرأت کرتے ہیں، فرمایا: نہ کرو، ہاں فاتحہ کی قرأت کوئی کرے تو کرسکتا ہے۔

یہ حدیث چونکہ معنیً اس حدیث کے ساتھ (جس کو''ابوداؤد وترمذی'' نے عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے) متحد ہے، اس لئے اس کی توجیہ بھی وہی ہونی چاہئے جو اس کی بیان کی گئی ہے۔

اس تحقیق سے یہ تو ثابت ہوا کہ مقتدی کے لئے قرأت فاتحہ نہیں ہے، البتہ منفرد کو پڑھنا چاہئے، مگر منفرد کے لئے قرأت فاتحہ فرض ہے یا واجب؟ یہ بھی ایک قابل بحث مسئلہ ہے، احادیث پر جہاں تک غور کیا جاتا ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرأت فاتحہ فرض نہیں، بلکہ واجب ہے، اس لئے کہ حدیث عائشہ '' كل صلوة لم يقرأ فيها بأم القرآن '' سے صاف اور صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ جس نماز میں قرأت فاتحہ نہ ہو اس میں خداج ہے' نقصان واقع ہوتا ہے، اور جس چیز کے ترک سے نماز میں خداج واقع ہو وہ فرض نہیں ہوسکتی، چنانچہ ''ترمذی'' میں فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

'' قال : مثنى مثنى تشهد في كل ركعتين ' وتخشع ' وتضرع ' وتمسكن ' ثم تقنع أي ترفع يديك ' وتقول يا رب يا رب ومن لم يفعل ذلك فهو خداج ''[1]

اس حدیث میں تصریح ہے کہ: جس نماز میں خشوع' زاری' انکساری ودعاء نہ کی جائے اس میں خداج یعنی نقصان ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ چیزیں نماز میں فرض نہیں، علاوہ اس کے حدیث '' لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب '' کے ساتھ بروایت ''مسلم'' لفظ ''فصاعداً'' موجود ہے،[2] پس اگر اس حدیث سے قرأت فاتحہ کی فرضیت ثابت کی جائے گی تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرأت سورت بھی فرض ہے، حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، چنانچہ ابن حجر رحمہ اللہ ''فتح الباری'' میں لکھتے ہیں:

[1]...... ترمذی، باب ما جاء في التخشع في الصلوة ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث: ۳۸۵۔

[2]...... مسلم، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث: ۳۹۴۔

’’ادعى ابن حبان والقرطبي وغيرهما الاجماع على وجوب قدر زائد على الفاتحة‘‘ بنابراس کے حدیث’’ لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب ‘‘ میں ترک فاتحہ کی صورت میں کہہ سکتے ہیں کہ نفی کمال کی‘ کی گئی ہے،جس طرح حدیث:

’’ لا صلوة بحضرة الطعام ‘‘۔[۱]

حدیث:

’’ لا صلوة لجار المسجد إلا في المسجد ‘‘۔[۲]

میں نفی کمال کی کی گئی ہے، بلکہ قولہ ﷺ :

’’ لا صلوة إلا بقرآن ولو بفاتحة الكتاب ‘‘ كما في منتخب كنز العمال ‘‘۔[۳]

صریح دال ہے کہ نماز کے لئے مطلق قرأت فرض ہے،خواہ فاتحہ کے ضمن میں ہو یا سورہ کے، بلکہ’’ ولو بفاتحة الكتاب ‘‘ دال ہے کہ اگر مطلق قرأت سورۃ کے ضمن میں ہوگی تو بطریق اولیٰ نماز جائز ہوگی۔

رہاقولہ ﷺ :’’ لا يجزأ صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب ‘‘غالبًا یہ قولہ ﷺ ’’ لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب ‘‘ کی بالمعنیٰ روایت ہے۔اس لئے جوتوجیہ اس کی تھی اس کی بھی کی جائے گی ،واللہ اعلم۔

---

[۱]......عن عائشة رضى الله عنها مرفوعا : (( لا صلوة بحضرة الطعام )) فانه في ’’ صحيح ابن حبان ‘‘ بلفظ (( لا يصلى احدكم بحضرة الطعام ))۔

(بذل المجہود ص۲۳۳ ج۴ (مطبوعہ: دارالبشائرالاسلامیہ) صحیح ابن حبان،رقم الحدیث:۲۰۷۴)

[۲]......اخرجه دار القطني في ’’ سننه ‘‘ ( ۱/ ۴۲۰ )، والحاكم في المستدرك ( ۱/ ۲۴۶ ) كذا في’’ بذل المجهود في حل سنن ابى داؤد ‘‘ ص۲۳۲ ج۴،( مطبوعه : دار البشائر الاسلاميه )

[۳]......کنزالعمال،رقم الحدیث:۱۹۶۹۸۔

# رفع الیدین

اس میں شک نہیں کہ خشوع وسکون نماز کے لئے چونکہ روح رواں ہے، اس لئے جس قدر اس کا زیادہ لحاظ رکھا جائے گا' اسی قدر نماز کی شان اعلی وارفع ثابت ہوگی، چنانچہ قولہ ﷺ ''اسکنوا فی الصلوة'' جس کو مسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اس کے لئے کافی شہادت ہے۔[1]

گو ابتدا میں بعض امور جو کسی قدر سکون کے خلاف ہیں نماز میں موجود تھے، مگر جوں جوں زمانہ گذرتا گیا بتدریج ان کی اصلاح ہوتی گئی، یہاں تک کہ دامن نماز کو اس قسم کے امور سے بالکل پاک وصاف کر دیا گیا۔

جس کو حدیث کا مذاق ہے وہ کبھی اس امر کا انکار نہیں کر سکتا ہے کہ نماز میں گردن پھیرا کے جھانکنے' سر اٹھا کر اوپر کی جانب دیکھنے' ہاتھ اٹھا اٹھا کے سلام کرنے یا سلام کا جواب دینے سے بوجہ اس کے کہ خلاف سکون ہے ممانعت کی گئی تھی، پہلے قبل وبعد سجدہ بھی رفع الیدین مشروع تھا، چنانچہ حدیث نسائی جو ذیل میں نقل کی جاتی ہے اس پر شاہد ہے:

عن مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ قال : رأیت رسول الله ﷺ حین دخل فی الصلوة رفع یدیه ' وحین رکع ' وحین رفع رأسه من الرکوع حتی حاذتا فروع أذنیه ، رواه النسائی۔[2]

مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو نماز میں رفع الیدین کرتے دیکھا اور جب رکوع کرتے' اور جب رکوع سے سر اٹھاتے' اور جب سجدہ کرتے'

---

[1]...... مسلم، باب الامر بالسکون فی الصلوة ' کتاب الصلوة ' رقم الحدیث: ۴۳۰۔

[2]...... نسائی، باب رفع الیدین حیال الاذنین ' کتاب الافتتاح ' رقم الحدیث: ۸۸۲۔

اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے، یہاں تک کہ دونوں ہاتھ دونوں کانوں کے نرم گوش کے مقابل لے جاتے تھے۔ (نسائی)

مگر چونکہ یہ بھی خلاف سکون تھا، اس لئے یہ بھی آخر الامر منسوخ کر دیا گیا، بنا بر اس کے جو رفع الیدین قبل الرکوع و بعد الرکوع مشروع تھا وہ بھی اگر بایں علت کہ خلاف سکون ہے منسوخ کیا گیا ہو تو بلحاظ اصول روایت مستبعد نہیں ہو سکتا۔

عن علقمة قال : قال عبد الله بن مسعود رضي الله عنه : ألا أصلى بكم صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى فلم يرفع يديه إلا فى أول مرة ، وفى لفظ : فكان يرفع يديه فى أول مرة ' ثم لا يعود ، رواه الترمذى و قال : وفى الباب عن البراء بن عازب رضي الله عنه وقال حديث ابن مسعود حديث حسن ( وقال ابن حزم حديث صحيح ) ،

وبه يقول غير واحد من اهل العلم من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم والتابعين وهو قول سفيان وأهل الكوفة وروى البيهقى والطحاوى بسند صحيح عن الأسود ، قال : رأيت عمر بن الخطاب رضي الله عنه رفع يديه فى اول تكبيرة ثم لا يعود ، قال : ورأيت ابراهيم والشعبى يفعلان ذلک ، قال فى الجوهر النقى : سنده صحيح۔[1]

علقمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: کیا میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ پڑھاؤں! چنانچہ پڑھائی، مگر رفع یدین اول بار ہی کیا، ایک روایت میں اول بار رفع یدین کیا پھر اس کا اعادہ نہیں کیا۔ (ترمذی)۔

''ترمذی'' نے کہا کہ: اس باب میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے، نیز کہا کہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے، اور ابن حزم نے کہا کہ صحیح ہے۔

[1]......ترمذی، باب ما جاء ان النبى صلى الله عليه وسلم لم يرفع الا فى اول مرة ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث : ۲۵۷۔

صحابہ وتابعین میں سے بہتوں کا اور سفیان رحمہ اللہ واہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے، اور ''بیہقی'' و''طحاوی'' نے بسند صحیح اسود سے روایت کی کہ: میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو اول تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے دیکھا پھر اعادہ نہیں کرتے تھے، اور ابراہیم وشعبی رحمہما اللہ کو بھی اسی طرح کرتے دیکھا۔ جوہرنقی میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

بقول ابن عیینہ رحمہ اللہ جب امام صاحب رحمہ اللہ کی مکہ معظّمہ میں بمقام دارالحناطین اوزاعی رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی،[۱] تو اوزاعی رحمہ اللہ نے امام صاحب رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ: آپ لوگ رفع الیدین کیوں نہیں کرتے؟ امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: اس کے متعلق کوئی صحیح حدیث قابل صحت ثابت نہیں، جس پر اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا: کیوں نہیں؟ زہری نے سالم سے اور سالم نے اپنے والد سے مجھے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آغاز نماز میں رفع الیدین کرتے تھے، اور قبل الرکوع وبعد الرکوع بھی، امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا حماد نے ابراہیم سے اور ابراہیم نے علقمہ اور اسود (رحمہم اللہ) سے اور دونوں نے عبداللہ بن مسعود سے ہمیں یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف آغاز نماز ہی میں رفع الیدین کرتے تھے، پھر اس کا اعادہ نہیں فرماتے تھے، اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا: میں تو باسناد زہری عن سالم عن ابیہ (رحمہم اللہ) آپ سے حدیث بیان کرتا ہوں، اور آپ مجھ سے باسناد حماد عن ابراہیم (رحمہم اللہ) حدیث بیان کرتے ہیں؟ امام صاحب

[۱]...... ذكرها الامام السرخسي في كتابه'' المبسوط '' ص۱۴ ج۱۔ وابن الهمام في '' فتح القدير '' ص۲۱۹ ج۱۔ و الحارثي في '' جامع المسانيد ''ص۲۵۳و۳۵۳ ج۱۔ معارف السنن ص۴۹۹ ج۲۔ زجاجة المصابيح ص۲۲۹ ج۱۔ نور المصابیح ترجمہ زجاجة المصابیح ص۲۱۱و۲۱۲ ج۲۔ عینی شرح ہدایہ ص ۶۶۸ ج۱۔ مناقب موفق ۱۳۱ ج۱۔ فتاوی بزازیہ ص۷۴ ج۱۔ کبیری ۳۲۵۔ کفایہ ص۲۷۱ ج۱۔ اعلاء السنن ص۵۹ ج۳۔ ایضاح الادلہ ص۳۷۔

رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: حماد زہری سے اور ابراہیم سالم (رحمہم اللہ) سے تفقہ میں زائد ہیں، گو ابن عمر رضی اللہ عنہ کو شرف صحبت حاصل ہے تاہم تفقہ میں علقمہ رحمہ اللہ ان سے کم نہیں اور عبداللہ رضی اللہ عنہ تو پھر عبداللہ ہی ہیں، جس پر اوزاعی رحمہ اللہ خاموش ہوگئے۔

غرض امام صاحب رحمہ اللہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بلحاظ تفقہ رواۃ کو ترجیح دی۔ واقعی جب حدیثیں بالمعنی روایت کی جاتی تھیں تو بلاشبہ بلحاظ تفقہ رواۃ کو ترجیح حاصل ہونی چاہیے، اس کو کون نہیں جانتا کہ ایک حقیقت شناس دقیقہ اس ایک مضمون کو جس قدر احتیاط سے ادا کرے گا دوسرا شخص نہیں ادا کرسکتا، یہی وجہ تھی کہ جب فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روبرو گواہی دی کہ جب مجھے تین طلاق دی گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ میرے لئے نفقہ کا حکم دیا نہ مسکن کا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی روایت کی تردید کردی اور فرمایا:

" لا أترک کتاب اللہ بقول إمرأة لا ندری أصدقت أم کذبت "۔[1]

الحاصل: رفع الیدین خلاف سکون ہے، اور امور خلاف سکون چونکہ نماز میں منسوخ ہوچکے ہیں، اس لئے اگر تسلی کیا جائے کہ یہ بھی منسوخ ہے تو کچھ تعجب نہیں، اور چونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدار تھے خلوت وجلوت میں آپ کی صحبت میں رہا کرتے تھے، جس قدر آپ کے افعال کی ان کو اطلاع ہوتی تھی اوروں کو نہیں ہوسکتی تھی، خصوصاً افعال نماز کہ آپ کے پیچھے ہی کھڑے رہتے تھے، اس لئے اگر ان کی حدیث پر وثوق کرکے کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر میں رفع یدین چھوڑ دیا تھا تو کچھ مستبعد نہیں ہوسکتا۔

---

[1]......نصب الرایة ، فصل : اذا طلق رجل امرأته فلها النفقة ، الخ۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ''صحیح بخاری'' میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے رفع الیدین مذکور کے متعلق حدیث وارد ہے، مگر باوجود اس کے امام بخاری رحمہ اللہ نے رسالہ میں یہ روایت بھی نقل کی ہے:

**عن أبی بکر بن عیاش عن حصین عن مجاهد أنه لم یر ابن عمر رفع یدیه إلا فی أول التکبیر،**

اس لئے امام طحاوی رحمہ اللہ نے جو لکھا ہے: (کہ حالانکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع الیدین کا معائنہ کیا تھا تاہم انہوں نے آپ کے بعد چھوڑ دیا، یہ اس پر حجت ہے کہ رفع الیدین ثابت تھا مگر پھر منسوخ ہوگیا) اس کو ہم نظر انداز نہیں کرسکتے۔

اسی طرح ہم یہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ امام احمد وابوداؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایک حدیث رفع الیدین کے متعلق روایت کی ہے، مگر چونکہ اس کے مقابل میں امام طحاوی وابوبکر بن ابی شیبہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی کی ہے:

**روی عاصم بن طیب عن أبیه أن علیاً رضی اللہ عنہ کان یرفع یدیه فی أول تکبیرة من الصلوة ثم لا یرفع بعد.[1]**

اس لئے امام طحاوی کے اس قول کو بھی (کہ رفع الیدین منسوخ ہوئے بغیر ممکن نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع الیدین کا مشاہدہ کرکے پھر اس کو چھوڑ دیویں) ہم رد نہیں کرسکتے، علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: باستثنائے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جس شخص سے ترک رفع الیدین روایت کیا جاتا ہے اس سے رفع الیدین کی بھی روایت ثابت ہے۔

**وفی نیل الأوطار: کل من روی عنه ترک الرفع فی الرکوع والرفع عنه**

[1]......باب رفع الیدین فی اول التکبیر، رقم الحدیث:۱۰۔

روی عنه رفعه إلا ابن مسعود ، وقال النووی : ترک الرفع هو اشهر الروایات عن مالک ،

اس سے صاف اور صریح معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے رفع الیدین کو ترک کیا یہ بے علمی سے نہ تھا، بلکہ ان کو علم تھا کہ آنخضرت ﷺ سے یہ ثابت ہے، مگر چونکہ یہ ان کے نزدیک منسوخ تھا، اس لئے انہوں نے اسے ترک کردیا تھا، بنا بر اس کے ترک رفع الیدین کو فراموشی پر محمول کرنا سخت ناانصافی ہے، یہ تو نسخ کی توجیہ تھی، باقی اگر یوں بھی کہا جائے کہ رفع الیدین کو چونکہ کبھی آنخضرت ﷺ نے کیا اور کبھی ترک بھی کردیا تھا، اس لئے جس کو جس کی روایت قوی معلوم ہوئی اس پر اس نے عمل کیا، تو یہ بھی قرین قیاس ہوسکتا ہے۔

ہمیں شبہ نہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث پر جس پر ترک رفع الیدین مذکور کا مدار ہے بچند وجوہ جمع کی گئی ہے:

اول:...... چنانچہ عاصم بن کلیب کے متعلق جرح کی گئی ہے کہ وہ غیر مقبول ہے، مگر جب یحی بن معین رحمہ اللہ نے اس کی توثیق کی اور مسلم نے اس سے روایت بھی کی ہے تو پھر اس کا کیوں کر اعتبار کیا جائے گا۔

دوسرے:...... عبدالرحمٰن کے متعلق یہ جرح کی گئی ہے کہ اس کو علقمہ سے سماع حاصل نہیں، مگر یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ ابن حبان نے ثقات کی فہرست میں اس کا نام درج کیا ہے، اور بتایا ہے کہ ان کی وفات ایک کم سو میں ہوئی ہے، یہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے ہم عمر ہیں اور ابراہیم کو علقمہ سے سماع ثابت ہے، بلکہ خطیب نے ''کتاب المعتق والمفترق'' میں تصریح کردی ہے کہ عبدالرحمٰن کو علقمہ سے سماع حاصل ہے۔

رہا یہ خدشہ کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث تو صحیح ہے، مگر وکیع یا سفیان رحمہما اللہ نے اس میں "فقرأ ثم لا یعود" زائد کر دیا ہے، مگر جب یہ دونوں ثقہ مانے جاتے ہیں تو پھر ان کی جانب یہ خیال کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ خصوصاً جبکہ اس کی تائید میں اور روایت بھی موجود ہے۔

روى البيهقى من حديث محمد بن جابر عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ صليت خلف النبى صلی اللہ علیہ وسلم وأبي بكر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ فلم يرفعوا أيديهم إلا عند افتتاح الصلوة۔[1]

گو دار قطنی نے محمد بن جابر کو ضعیف لکھا ہے، مگر جب یحیٰ بن قطان وشعبہ رحمہما اللہ جیسے نقاد فن نے اس کی تعدیل کی ہے، تو پھر اس تضعیف کا کیونکر اعتبار ہو سکتا ہے۔

باقی یہ شبہ کہ جب رفع الیدین قبل الرکوع وبعد الرکوع بوجہ خلاف سکون ہونے کے ناجائز ٹھہرا تو پھر رفع الیدین بوقت تکبیر تحریمہ اور بوقت تکبیراتِ عیدین بھی ناجائز ہونا چاہیئے؟ تو اس کا یہ جواب ہے کہ بوقت تحریمہ جو رفع الیدین کیا جاتا ہے وہ نماز سے خارج ہے، اور نماز عیدین بحکم نماز نفل ہیں، اور بعض نماز نفل ایسے امور سے مخصوص ہیں کہ ان پر اور نماز کا قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے، نماز کسوف شمس میں تعدد رکوع ثابت ہے، مگر اس پر قیاس کر کے اور نماز میں اس کو ثابت نہیں کر سکتے۔

## وضع الیدین

اس میں شک نہیں کہ قیام جو نماز کا ایک رکن رکین ہے، مقصود اعظم اس سے تعظیم الٰہی ہے، اور ظاہر ہے کہ جس پر قیام میں دونوں ہاتھ باندھے جاتے ہیں، اس میں جو شان تعظیم

---

[1]……بيهقى ، باب التكبير للركوع۔

کی ہوتی ہے وہ اس قیام میں جس میں ہاتھ کشادہ ہوں نہیں پائی جاسکتی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم فرمایا:

عن أبي حزم عن سهل بن سعد قال: كان الناس يُؤمَرون أن يَضعَ الرجلُ يدَهُ اليُمنى على ذِراعِهِ اليُسرىٰ فی الصلوة، قال ابو حازم: لا أعلمه إلا يَنمِي ذلک إلى النبیﷺ، (رواه البخاری) ۱؎

ابوحازم سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ امر کئے گئے کہ داہنا ہاتھ بائیں کلائی پر نماز میں رکھیں، ابوحازم رضی اللہ عنہ نے کہا میں یہی جانتا ہوں کہ سہل رضی اللہ عنہ نے اسے نبی ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے۔ (بخاری)

البتہ یہ امر قابل غور ہے کہ ہاتھ کون سے مقام پر باندھے جائیں؟ احادیث میں اس کے متعلق اختلاف ہے، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ سینے پر اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ناف کے اوپر اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ناف کے نیچے باندھے جائیں۔

عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال: صليت مع رسول الله ﷺ فوضع يده اليمنى على يده اليسرى على صدره، (رواه ابو خزيمة فی صحيحه وصححه) ۲؎

وعن أبي جرير الضَّبِّيِّ عن أبيه قال: رأيت عليا رضی اللہ عنہ يُمسِكُ شمالَه بيمينه على الرُّسغِ فوق السُّرَّةِ، (رواه أبوداؤد) ۳؎

وعن علی رضی اللہ عنہ قال: السُّنةُ وَضعُ الكفِّ فی الصلوة تحتَ السُّرَّةِ،

(رواه احمد وأبوداؤد ۴؎)

---

۱؎...... بخاری، باب وضع اليمنى على اليسرى فی الصلوة ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث: ۷۴۰۔

۲؎...... ابن خزیمہ، باب وضع اليمنى على الشمال فی الصلوة۔

۳؎...... ابوداؤد، باب وضع اليمنى على اليسرى فی الصلوة ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث: ۷۵۵۔

۴؎...... ابوداؤد، باب وضع اليمنى على اليسرى فی الصلوة ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث: ۷۵۴۔

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپ نے سینے پر داہنے ہاتھ کو بائیں پر رکھا۔ (ابوخزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کرکے اس کی تصحیح کی ہے)

ابو جریر ضبی رحمہ اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ناف کے اوپر بائیں ہاتھ کو داہنے سے پکڑے ہوئے تھے۔ (ابوداؤد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نماز میں سنت ہے کہ ناف کے نیچے ایک ہتھیلی دوسری پر رکھی جائے۔ (احمد، ابوداؤد)

ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشتر سینے پر ہاتھ باندھے ہوں، مگر جب اس میں تکلیف محسوس ہونے لگی تو ناف کے اوپر، اور جب اس میں بھی تکلیف معلوم ہونے لگی تو زیرِ ناف باندھے ہوں، اور جس راوی نے جو کیفیت آپ سے دیکھی وہی اس نے بیان کردی ہو، بنا براس کے یہ تو ثابت ہوا کہ تینوں فعل کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ممکن ہے، مگر ان میں سے افضل کون ہے؟ یہ قابل غور ہے۔

اس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ نماز میں چونکہ کامل توجہ خداوند کریم کی طرف ہوتی ہے، اس لئے اس میں کوئی ایسا فعل نہ ہونا چاہئے کہ جس سے نماز میں انقباض پیدا ہو، یہی وجہ ہے کہ پیشاب و پائخانہ کی حاجت ہوتے ہوئے نماز پڑھنا مکروہ سمجھا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ سینے پر یا سینے کے نیچے ہاتھ باندھنے میں تو انقباض ہوتا ہے، وہ زیرناف باندھنے سے نہیں ہوتا تو غالباً یہی وجہ ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ نے زیرناف کی حدیث پر عمل کرنا پسند کیا ہے۔وهو قول سفيان الثوری واسحٰق بن راهويه وأبي اسحاق المروزی عن أصحاب الشافعی،

گو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس اخیر حدیث کی تضعیف کی ہے، مگر چونکہ اور طریق سے

یہی مروی ہے، اس لئے اس کے حسن ہونے میں شک نہیں کیا جا سکتا۔

قال ابن حزم : عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال : وضع الكف على الكف في الصلوة تحت السرة،

علاوہ اس کے ایک صحیح حدیث بھی اس کے متعلق ابوالطیب نے ''شرح ترمذی'' میں روایت کی ہے:

عن علقمة بن وائل بن حجر عن أبيه قال : رأيت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وضع يمينه على شماله في الصلوة تحت السرة ، ( رواه أبوبكر بن أبي شيبة )[1]

قال ابو الطيب : هذا حديث قوى من حيث السند ، قال الترمذی : العمل عند أهل العلم من الصحابة والتابعين ومن بعدهم وضع اليمين على الشمال في الصلوة ورأى بعضهم أن يضعها فوق السرة ' ورأى بعضهم أن يضعها تحت السرة ، وكل ذلك واسع ،

علقمہ بن وائل رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناف کے نیچے داہنے ہاتھ کو بائیں پر رکھتے دیکھا۔ ابوبکر ابوالطیب نے کہا: بلحاظ سند یہ حدیث قوی ہے۔ ترمذی نے کہا: علمائے صحابہ وتابعین وما بعد کا نماز میں داہنے ہاتھ کو بائیں پر رکھنے پر عمل تھا، البتہ بعض نے ناف کے اوپر اور بعض نے ناف کے نیچے باندھنا پسند کیا تھا، مگر اس پر کچھ جرح نہیں۔

جب ترمذی کے قول سے صاف معلوم ہوا کہ زیر ناف ہاتھ باندھنے میں شرعاً کچھ جرح نہیں ہے، پھر معلوم نہیں کہ کس وجہ سے اس پر نکتہ چینی کی جاتی ہے، واللہ اعلم۔

---

[1]......باب وضع اليمين على الشمال في الصلوة۔

## التامین

اس میں شبہ نہیں کہ نماز قرأت قرآن وذکر کے لئے موضوع ہے، چنانچہ ''ابوداؤد'' کی حدیث میں جس کے راوی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں یہ فقرہ موجود ہے:

إنما الصلوة لقرأة القرآن وذكر الله ، فإذا كنتَ فيها فلْيَكُنْ ذلك شأنك [۱]

گویہ مسلم ہے کہ قرأت قرآن کے سوا کل اذکار جو نماز میں پڑھے جاتے ہیں ان کا خفیہ پڑھنا ہی مشروع ہے، چنانچہ قوله تعالیٰ:

﴿ وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ ﴾ (الآية) [۲]

اس پر شاہد ہے تاہم ضرورت تعلیم کے لئے کبھی آنحضرت ﷺ نے ان کو بالجہر بھی پڑھا ہے۔

آغاز اسلام میں آنحضرت ﷺ تعلیم صرف قولاً ہی نہیں، بلکہ کبھی عملاً بھی دیا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ نماز جنازہ میں دعائیں پڑھی جاتی ہیں، ان کا خفیہ پڑھنا ہی مشروع ہے' تاہم آنحضرت ﷺ کبھی تعلیماً بالجہر بھی پڑھ دیتے تھے، چنانچہ ''مسلم'' نے عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے جو روایت کی ہے، اس میں تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک جنازے کی نماز پڑھائی، اور اس نماز میں آپ نے جو دعا فرمائی اس کو میں نے حفظ کرلیا تھا [۳]

---

[۱]......ابوداؤد، باب تشميت العاطس فى الصلوة ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث: ۹۳۱۔

[۲]......سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۲۰۵۔

ترجمہ:......اور اپنے رب کا صبح وشام ذکر کیا کرو، اپنے دل میں بھی، عاجزی اور خوف کے (جذبات کے) ساتھ، اور زبان سے بھی، آواز بہت بلند کئے بغیر۔

[۳]......عوف بن مالك يقول : صلّى رسولُ الله صلى الله عليه وسلم على جنازةٍ ، فحفِظتُ من دعائه وهو يقول : (( اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ ، وَاَكْرِمْ نُزُلَهُ ، وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ ،

اسی طرح ظہر وعصر کی نماز میں خفیہ قرأت کرنا ہی مشروع ہے، تاہم احیاناً آنحضرت ﷺ ایک آدھ آیت کو بالجہر بھی پڑھ دیا کرتے تھے' تاکہ مقتدیوں کو یاد رہے کہ آپ ﷺ نے کون سی سورت تلاوت کی۔ اسی طرح اگر استقراء وتتبع کیا جائے تو بکثرت اس کی نظائر مل سکتی ہیں، کبھی حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ ﷺ رکوع میں ''سبحان ربی العظیم'' اور سجدہ میں ''سبحان ربی الاعلیٰ'' فرماتے تھے، کبھی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آنحضرت ﷺ رکوع وسجدہ میں ''سبوح قدوس ربنا ورب الملٰئکة والروح'' فرماتے تھے۔[1]

چونکہ آمین قرآن کا کلمہ نہیں، بلکہ ایک جداگانہ کلمہ ہے، اس لئے اس کے تلفظ کو اصطلاحاً قرأت نہیں، بلکہ ذکر کہا جائے گا، جب کلمۂ آمین ذکر ثابت ہوا تو بلحاظ اصول درایت کے اس کا تلفظ خفیہ ہی ہونا چاہئے، اور آنحضرت ﷺ نے جو کبھی اسے بالجہر فرمایا ہے اس کو تعلیم پر محمول کیا جائے گا۔

احادیث ناطق ہیں کہ آمین دعا کے لئے بمنزلۂ خاتم ہے، اور امام جب فاتحہ کے خاتمہ پر آمین کہتا ہے تو فرشتے بھی آمین کہتے ہیں، سو جو شخص (آمین کہنے میں) فرشتوں کے ساتھ متفق وہم آہنگ ہوتا ہے اس کے گذشتہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

---

وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ، وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ، وَاَهْلاً خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ، وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ، وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ)) قال: حتّٰی تمنَّیتُ ان اکون انا ذلک المیّت۔

(مسلم، باب الدّعاء للمیت فی الصلوة، کتاب الجنائز، رقم الحدیث: ۹۶۳)

[1]..... ابوداؤد، باب مقدار الرکوع والسجود، کتاب الصلوة، رقم الحدیث: ۸۸۴/۸۸۵۔ مسلم، باب ما یقال فی الرکوع والسجود، کتاب الصلوة، رقم الحدیث: ۴۸۷۔

فی الصحيحين : عن أبي هريرة ﷺ قال : قال رسول الله ﷺ : إذا أمن الإمام فأمنوا ' فإنه من وافق تأمينه تأمين الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه۔[1]

صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب امام آمین کہے تو تم بھی کہو، جس کی آمین گوئی فرشتوں کی آمین گوئی سے مل جائے گی اس کے گذشتہ گناہ عفو کئے جائیں گے۔

چونکہ فرشتوں کے ساتھ آمین کہنے سے یہ اعظم تریں سعادت حاصل ہوتی ہے، اور فرشتوں کی آمین امام کی آمین کے بعد واقع ہوتی ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ آغاز میں موقع یاد دلانے کے لئے غالباً آمین بالجہر فرماتے رہے، مگر اس قدر دھیمی آواز سے کہ جو مقتدی پہلی صف میں آپ کے پیچھے رہتے تھے وہی سنتے تھے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ آواز ضرورۃً ہے" الضرورة تتقدر بقدر الضرورة " چنانچہ "صحیح ابوداؤد" میں موجود ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : كان رسول الله ﷺ إذا تلا ﴿ غير المغضوب عليهم ولا الضالين ﴾ قال : آمين ' حتى يُسمِعَ من يليه مِن الصَّفِّ الأوّل۔[2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب "غیر المغضوب علیهم ولا الضالین "فرماتے تھے تو آمین فرماتے تھے، یہاں تک کہ پہلی صف میں جو قریب ہوتا تھا سنتا تھا۔

پھر جب مقتدی موقع و محل پر آمین کہنے کے عادی ہو گئے، تو آنحضرت ﷺ نے خفیہ آمین فرمانا شروع کر دیا۔

---

[1] ......بخاری، باب جهر الامام بالتّامين ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث : ۷۸۰۔
مسلم، باب التّسميع والتّحميد والتّامين ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث : ۴۱۰۔

[2] ......ابوداؤد، باب التّامين وراء الامام ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث : ۹۳۴۔

عن سلمة بن كهيل عن حجر أبي العنبس عن علقمة بن وائل عن أبيه أنه صلى مع رسول الله ﷺ فلما بلغ غير المغضوب عليهم ولا الضالين ' قال : آمين واخفى بها صوته ، ( رواه أحمد والحاكم والدار قطنى )[1]

وروى الطبرانی فی " تهذيب الآثار": عن أبی وائل قال : لم يكن عمر رضی الله عنه و علی رضی الله عنه يجهران ببسم الله ولا بآمين[2]

وروى محمد بن الحسن فی " كتاب الآثار " عن ابراهيم النخعی قال : اربع يخفيهن الإمام : التعوذ ' وبسم الله ' وسبحانک اللّٰهم ، وآمين[3]

سلمہ بن کہیل سے وہ حجر ابی العنبس سے وہ علقمہ بن وائل سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، جب آپ "ولا الضالین" پر پہنچے تو آپ نے آمین کو خفیہ آواز سے فرمایا۔(احمد' حاکم' دار قطنی)

"طبرانی" نے "تہذیب الآثار" میں ابی وائل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ بسم اللہ وآمین کو بالجہر نہیں کہتے تھے، محمد بن الحسن رحمہ اللہ نے "کتاب الآثار" میں ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ امام چار شئی کو آہستہ کہے: تعوذ و بسم اللہ وسبحانک اللہم وآمین۔

چونکہ آنحضرت ﷺ پہلے بغرض تعلیم آمین بالجہر فرماتے رہے، اور جب مقتدی اس کے

---

[1]...... مسند احمد ص ۳۱۶ ج ۴۔ مستدرک حاکم ص ۲۳۲ ج ۲۔ دار قطنی ص ۳۳۴ ج ۱۔ بحوالہ حدیث واہل حدیث ص ۳۷۳۔

[2]...... شرح معانی الآثار للطحاوی ص ۱۴۰ ج ۱۔ الجوهر النقی ص ۴۸ ج ۱۔ بحوالہ "حدیث اوراہل حدیث" ص ۳۷۷۔

[3]...... مصنف عبدالرزاق ص ۸۷/۹۶ ج ۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۵۳۶ ج ۲۔ کتاب الآثار للامام ابی حنیفہ بروایت الامام محمد ص ۲۲۔ بحوالہ: "حدیث اوراہل حدیث" ص ۳۷۸ تا ۳۸۰۔

عادی ہو چکے تو خفیہ فرمانے لگے، اور وائل رحمہ اللہ کو دونوں حالتوں میں مشاہدہ کرنے کا اتفاق ہوا تھا، اس لئے کبھی انہوں نے رفع بها صوته روایت کیا، اور کبھی اخفی به صوته روایت کیا، پھر رفع بها صوته کو ان سے سفیان رحمہ اللہ نے روایت کیا، اور اخفی به صوته کو ان سے شعبہ رحمہ اللہ نے روایت کیا، چونکہ سفیان وشعبہ رحمہما اللہ دونوں وائل رضی اللہ عنہ سے مختلف اوقات کے واقعہ کو روایت کرتے ہیں، اس لئے دونوں کی روایت میں تعارض نہ ہوگا، بلکہ اپنے اپنے موقعہ پر ہر ایک روایت صحیح سمجھی جائے گی، بنا براس تقریر کے شعبہ وسفیان رحمہما اللہ کی حدیثوں میں تعارض کا جو اشتباہ تھا وہ طے ہو گیا اور دونوں حدیثیں محکم وصحیح تسلیم کی جائیں گی، چنانچہ جوہر نقی میں لکھا ہے: والصواب أن الخبرين بالجهر والمخافة صحيحان ،

اب ہم کو شعبہ رحمہ اللہ کی سند پر جو جرح کی گئی ہے اسے دیکھنا چاہئے کہ وہ کہاں تک صحیح ہے؟

اولاً:...... یہ کہ شعبہ نے حجر ابی العنبس کہا ہے، حالانکہ صحیح حجر بن العنبس ہے اور اس کی کنیت ابوالعنبس نہیں، بلکہ ابوالسکن ہے۔

ثانیاً:...... یہ کہ شعبہ نے حجر اور وائل کے درمیان علقمہ داخل کیا ہے، حالانکہ حجر وائل سے بلا واسطہ روایت کرتے ہیں۔

ثالثاً:...... یہ کہ حجر غیر معروف ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حجر کی دو کنیتیں ہیں: ایک ابوالسکن اور دوسری ابوالعنبس، اور ان کے والد کا نام عنبس تھا، بنا براس کے شعبہ کا حجر ابوالعنبس کہنا غلط نہیں ہوسکتا۔

اور شعبہ چونکہ ثقہ ہیں، اس لئے انہوں نے اگر علقمہ کو سند میں زائد کر دیا تو یہ زیادت

غیر مقبول نہیں ہوسکتی۔

رہی حجر کی تعریف تو خطیب وابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے، ابن معین لکھتے ہیں:

**كوفي ثقة مشهور،**

رہا یہ شبہ کہ جب آمین خفیہ کہی جائے گی تو پھر فرشتوں کے ساتھ آمین کہنے میں توافق کیونکر ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ توافق کے لئے آواز سے کہنا ضروری نہیں، خفیہ کہنے سے بھی توافق حاصل ہوجاتا ہے۔

**فی الصحیحین : عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ : إذا قال الامام سمع الله لمن حمده ' فقولوا : اللهم ربنا لک الحمد ، فإنه من وافق قوله قول الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه** [1]

صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: جب امام ''سمع اللہ'' کہے تو تم ''اللّٰھم ربنا لک الحمد'' کہو، جس کا قول فرشتوں کے قول سے مل جائے گا، اس کے گذشتہ گناہ عفو کئے جائیں گے۔

یہ حدیث صاف ناطق ہے کہ توافق کے لئے بالجہر کہنا ضروری نہیں، کیونکہ ''اللّٰھم ربنا لک الحمد'' خفیہ کہا جاتا ہے، تاہم فرشتوں کے قول سے اس کا توافق ہوجاتا ہے، واللہ اعلم۔

کتبہ: محمد عبدالحیٔ کفلیتوی عفی عنہ

خطیب جامع رنگون

---

[1]...... بخاری، باب فضل : اللّٰھم ربنا لک الحمد ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث: ۷۹۶۔ مسلم، باب التّسميع والتّحميد والتّامين ' كتاب الصلوة ' رقم الحديث: ۴۰۹۔